تالیف

پروفیسر علی محسن صدیقی

تالیف

پروفیسر علی محسن صدیقی

افضل الناس بعد الانبیاء، خلیفۃ الرسولؐ بلافصل،

امیر المومنین سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

کی مکمل و مستند سیرت

الصدیقؓ

تالیف

پروفیسر علی محسن صدیقی

پروفیسر (ریٹائرڈ) معارف اسلامیہ و تاریخ اسلامی

کراچی یونی ورسٹی، کراچی

قرطاس

قرطاس

سلسلۂ مطبوعات ۱۷

باراوّل..........تعداد ۵۰۰

شوال ۱۴۲۲ھ / جنوری ۲۰۰۲ء

ISBN:
969 - 8448 - 08 - X

قیمت:۔
مجلد: ۳۵۰ روپے
غیر مجلد: ۳۰۰ روپے

زیر اہتمام:
قرطاس (ادارہ تصنیف وتالیف وترجمہ)
پوسٹ بکس نمبر 8453
کراچی یونیورسٹی کراچی۔ 75270
فون۔فیکس 9243966
ای میل۔ szaheer@super.net.pk

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''مقدمہ''

الف۔ بیان مآخذ

کتاب حاضر میں جن مآخذ سے رجوع کیا گیا ہے ان کا ایک مجمل ذکر سطور آئندہ میں کیا جاتا ہے۔ یہ وہ مآخذ ہیں' جو سالہا سال سے تاریخ اسلام کی تدریس و مطالعہ کے دوران مؤلف کے پیش نظر رہے ہیں۔ مؤلف ان سے تدریس و تسوید میں استفادہ کرتا رہا ہے' یوں یہ مآخذ اس کے لئے اجنبی و ناآشنا نہیں ہیں۔ مؤلف ان پر غور و غوض کرتا رہا اور انہیں تاریخی تناظر میں صحت کی کسوٹی پر پرکھنے سے اس نے کبھی اغماض نہیں کیا ہے۔ روایات کی جرح و تعدیل اور تاریخی حقائق کی روشنی میں ان کی توثیق یا تضعیف سے وہ کبھی غافل نہیں رہا ہے۔ کسی روایت کی محض اس بناء پر توثیق نہیں کی گئی ہے کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں' بلکہ اسے اس عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے درایت کے محک پر پرکھا بھی گیا ہے۔ روایات کی اساس پر کارناموں کی عمارت تعمیر نہیں کی گئی ہے' بلکہ واقعات تاریخیہ سے کارنامہ ہائے خلافت کو موثق' معتبر اور مستند قرار دیا گیا ہے۔ خصوصاً فضائل شخصی پر مبنی روایات کو بڑی احتیاط سے قبول کیا گیا اور اشخاص کی توصیف و تقدیح کے لئے اس عہد کے عواید و ظروف کو پیش نظر رکھا گیا ہے اس ضمن میں محدثانہ بحث کے بجائے مورخانہ تنقید و تعقیب کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور تاریخ کو جو شعور وقت سے عبارت ہے' اس کے اسی درجہ میں رکھا گیا ہے۔

اسی طرح کسی موضوع پر بحث کے دوران روایات کے اندراج کے ساتھ' بحث کو تشنہ چھوڑ کر قاری کو بظاہر اپنی غیر جانب داری سے مگر بباطن استنتاج کی قوت سے محرومی کے

سبب، ژولیدگی فکر اور ابہام میں مبتلا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس موضوع پر نقد ونظر کے بعد ایک موقف اختیار کر کے اس کے احقاق و اثبات میں دلائل دیئے گئے ہیں، تاکہ صحیح موقف سامنے آ جائے اور ذہنوں میں کسی طرح کا انتشار نہ پیدا ہو۔ یقیناً یہ موقف مؤلف کا ہوگا جو طویل غور وفکر کے نتیجہ میں اختیار کیا گیا ہوگا، قاری کے لئے اس سے اتفاق کرنا ضروری نہیں، مگر حقائق ثابتہ کی روشنی میں اس سے اختلاف کرنا بھی آسان نہ ہوگا اور اس اختلاف کی تائید میں براہین ودلائل میسر نہ آ سکیں گے۔ یوں یہ تحکم ہی ہوگا۔

مغربی تاریخ نگاروں کا یہ وتیرہ ہے کہ وہ کسی فرد یا واقعہ سے متعلق ایک مفروضہ قائم کر لیتے ہیں اور واقعات و دستاویزات کو توڑ مروڑ کر اس مفروضہ کی حقیقت پر دلائل قائم کرتے ہیں، وہ کبھی نتیجہ کو سبب اور کبھی سبب کو نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اس طرح واقعات مابعد کو حادثات ماضیہ کی علت کہہ کر اپنا بیانیہ مرتب کرتے ہیں اور کبھی مجہول روایتوں کو عمداً درست و صحیح ثابت کر کے اپنے دل پسند نتائج استخراج کرتے ہیں یہ طریقے جنہیں وہ Research Method کہتے ہیں، دراصل سوفسطائی ہیں اور ان پر اپنے بیان کی بلند و بالا عمارات کی تعمیر ''بناء الفاسد علی الفاسد'' کے مصداق ہے ''یہ مشرق شناسوں'' کی دسیسہ کاری عام قاری کو فریب دینے کی ایک سعی نامشکور ہوتی ہے اور اس سے علم نافع کے بجائے جہل قاطع کو فروغ حاصل ہوتا ہے بالعموم ''مستشرقین'' اس اسلوب کو ہماری تاریخ وثقافت کے بیان میں اختیار کرتے ہیں اور اپنی مزعومہ غیر جانب داری کے پردے میں تعصب و عدوات کو ہوا دیتے اور اسلام کی بیخ کنی کرنے میں منہمک رہتے ہیں۔ ان کا یہ مذہبی عناد، علمی فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اغیار ہی نہیں ہمارے ناواقف افراد بھی اس کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ یہ جعل ودجل مذہبی اختلاف رکھنے والے ''اہل مشرق'' کے ہاں بھی بہت مقبول ہے یہ لوگ وضعی وجعلی روایتوں اور الحاقی کتابوں کے حوالوں سے اپنے بیانات کو مزید موثق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یوں تاریخ جعل ودجل کا پشتارہ بن کر رہ جاتی ہے اور قاری کے لئے حق کو باطل سے اور ثمین کو غث سے تمیز کرنا ممکن نہیں رہتا۔ تاریخ

مناظرانہ جدلیات کا ایک حصہ بن جاتی ہے اور افراد کی حیثیت نقد ونظر سے بالا ہو جاتی ہے۔ مؤلف نے اس جہل انگیز اور کذب آمیز طریقے سے اجتناب برتا ہے اور حق کو حق اور باطل کو باطل ہی کہا ہے اس نے افراد واشخاص کو تاریخی تنقید سے بالاتر نہیں سمجھا ہے اور تاریخ کو ''دینیات'' کا جز ولاینفک نہیں قرار دیا ہے۔ اس نے حق کو حق اور باطل کو باطل ہی کہا ہے کیوں کہ ''الحق یعلو ولا یُعلٰی'' سچ ہی سر بلند ہوتا ہے۔

واقعات کے بیان میں جو زبان اپنائی گئی ہے، وہ مورخانہ ہے، کیوں کہ تاریخ کی اپنی زبان ہوتی ہے اور مناظرہ کی اپنی زبان۔ ہمارے ہاں بالعموم غلط بحث سے تاریخ میں مناظرانہ روش اختیار کی جاتی ہے اور اثبات حقائق میں جدلیاتی اسلوب سے کام لیا جاتا ہے، مؤلف نے اس اسلوب کو نہیں اپنایا ہے اور شائستگی کی روش اور سنجیدگی کی زبان اختیار کی ہے کہ تاریخ شائستگی سکھاتی ہے اور دلوں کو جوڑتی ہے انہیں توڑتی نہیں۔ سیرت الصدیقؓ کے بعض مباحث کو مذہبی اختلاف اور فرقہ وارانہ رنگ دینے کی کوشش ایک طویل مدت سے کی جاتی رہی ہے مؤلف نے ان مباحث پر گفتگو کی ہے، مگر احقاقِ حق میں تاریخ کی شائستگی کا دامن نہیں چھوڑا ہے اور تاریخ کو فرقہ وارانہ مناظرہ سے دور ہی رکھا ہے، قاری سے گزارش ہے کہ تاریخ کو تاریخ سمجھ کر مطالعہ کریں اور اسے مذہبی مناقشوں اور مناظروں سے خلط ملط نہ کریں کہ تاریخ حال کا سلسلہ ماضی سے جوڑتی ہے اور مستقبل کی فلاح وفوز کے لئے درس عبرت ہوتی ہے ''فاعتبروا یا اولی الابصار''۔

سطور بالا میں جو گزارشات کی گئی ہیں، ان کے بعد ہم کتاب حاضر میں استعمال کئے جانے والے مآخذ کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں۔ مؤلف نے ان مآخذ کے استحضار میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے اور ان کے ترجمہ میں حد درجہ احتیاط برتی ہے، اسی لئے بعض مقامات پر اصل عربی عبارتیں نقل کر کے ان کے بالمقابل ان کے اردو ترجمے دیئے ہیں، تاکہ قاری اگر چاہے تو ان سے رجوع کر سکتا ہے۔

۱۔ اسلامی تاریخ کا سب سے اول، اولیٰ واوثق ماخذ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب یعنی

قرآن مجید ہے۔ اس کتاب مقدس کی حفاظت وصیانت خود صاحب کتاب یعنی خدائے بزرگ نے اپنے ذمہ لی ہے اور وجود کی آخری حد تک اسے دنیا میں الہامی کتابوں کے زمرہ میں ثقاہت وصیانت کا مثل اعلیٰ تسلیم کیا گیا ہے۔ عہد نبویؐ میں جو واقعات رونما ہوئے ان کا متعدد مقامات پر قرآن مجید میں ذکر موجود ہے۔ اس طرح قرآن مجید میں اقوام گزشتہ انبیاء کرام اور اساطیر الاولین کے قصے موعظت وعبرت پذیری کی غرض سے بار بار بیان کئے گئے ہیں۔ تبلیغ اسلام میں درپیش مشکلات' کفار قریش کی ہٹ دھرمیوں اور ان کی ایذا رسانیوں کا بھی متعدد مقامات پر ذکر آیا ہے' ہجرت کا حکم اور سفر ہجرت کے پرخطر واقعات کا بھی ذکر موجود ہے۔ اسی طرح غزوہ بدر اور احزاب' ہدنہ حدیبیہ' بیعت رضوان اور جیش عسرت کا بھی برمواقع کثیرہ بیان آیا ہے۔ توحید' رسالت عقائد وعبادات کے بیان واحقاق میں بھی بہت سے تاریخی حوادث کا ضمناً ذکر آیا ہے۔ اسی طرح تاسیس حکومت الٰہیہ سے متعلق ہدایات' جہاد کے احکام' انفال واموال غنیمت وفئی کا ذکر اور ان کے احکام کا مذکور بھی ہے' نیز' مشرکین' منافقین' یہود ونصاریٰ کی ریشہ دوانیوں اور ان کے مزعومات باطلہ کے بیانات میں ان کی ضرر رسانیوں کا بیان ہے۔ اعراب کی ناحق کوشی اور جہاد گریزی کا بھی ذکر ہے اور عہد خلافت راشدہ کی فتوحات سے متعلق بھی اشارے کئے گئے ہیں ان کی خلافت کی حقیت پر مہر تصدیق ثبت کی گئی ہے۔ اہل ایمان' خصوصاً صحابہ کے اوصاف اور ان کے اخلاق کا بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب مقدس میں بار بار بیان ہے۔ غرض عہد نبویؐ' عہد صحابہ اور اہل اسلام کی تاریخ کے ہر دور کے لئے' اللہ تعالیٰ کی کتاب مقدس' مستند ترین' موثق ترین اور معتبر ترین ماخذ ہے۔

۲۔ ہماری تاریخ کا دوسرا اہم ماخذ کتب احادیث نبویہ ہیں۔ ان کتابوں کو نہایت موقر' مستند ومعتبر ماخذ سمجھا گیا ہے۔ احادیث کے ضخیم مجموعوں میں کتب صحاح ستہ کو دوسری کتابوں کے مقابلہ میں استناد واعتبار میں ترجیح حاصل ہے۔ امام بخاری (م ۲۵۶ھ) کی الجامع الصحیح' امام مسلم (م ۲۶۱ھ) کی الجامع صحیح' امام ترمذی (م ۲۷۵ھ) کی الجامع اور امام ابو داؤد

(م ۲۷۵ھ) کی السنن' امام ابو عبدالرحمن نسائی (م ۳۰۳ھ) کی السنن اور امام ابن ماجہ قزوینی (م ۲۷۳ھ) کی السنن ثقاہت میں دیگر کتب حدیث پر فوقیت رکھتی ہیں۔ اسی طرح امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) کی کتاب الموطاء اور امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کی کتاب المسند کو بھی کتب احادیث میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ مؤلف نے حدیث کی ان کتابوں سے مختلف مباحث میں مدد لی ہے۔ صحیح بخاری کی شروح میں علامہ بدر الدین عینی (م ۸۵۵ھ) کی عمدۃ القاری اور علامہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی فتح الباری سے بھی بعض مباحث میں رجوع کیا گیا ہے۔ اسی طرح امام مالک کی کتاب الموطاء کی عربی شرح المصفی اور فارسی شرح المسوی کو بھی بطور حوالہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ دونوں شروح امام شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) کی تالیف ہیں۔ احادیث کی کتابوں' خصوصاً الجوامع والمسانید میں فضائل واقعات عہد نبویؐ سیر ومغازی کے مباحث میں تاریخ کے اہم واقعات مذکور ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ کتب سنن میں انفال' اموال فئی' صدقات اور زکوۃ سے متعلق ایسی معلومات ہیں' جو تاریخ کی عام کتابوں میں یا تو دستیاب نہیں ہیں' یا پھر نہایت اجمالی طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

کتب احادیث میں راویوں کی توثیق اور اسناد کا نہایت اہتمام کیا جاتا ہے' جبکہ کتب تاریخ میں نہ ایسا کیا جاتا ہے اور نہ ایسا کرنا ممکن ہی ہے' اس بنا پر کتب احادیث کو جو استناد واعتبار حاصل ہے' وہ کتب تاریخ کو میسر نہیں ہے کسی ایک واقعہ سے متعلق اگر مجموعہ ہائے حدیث میں روایت تاریخ کی کتاب کے خلاف ہے تو احادیث کی روایت کو بالعموم ترجیح ہوگی' اسی لئے تاریخ نگار کے لئے ان کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا ازبس ضروری ہے۔ مؤلف کو درسیات کی تحصیل کے دوران دیگر کتب کے ساتھ ساتھ کتب احادیث' خصوصاً صحیح بخاری' صحیح مسلم' جامع ترمذی وسنن ابی داؤد اور کتاب الموطاء کو سبقاً سبقاً پڑھنا پڑا ہے اور ان کتابوں کی مزاولت' وہ کرتا رہا ہے اس لئے ان کے مباحث اسے مستحضر ہیں اور تاریخی واقعات کے بیان میں انہیں استعمال کرنا اس کے لئے دیگر تاریخ نگاروں کے

مقابلہ میں آسان تر ہے۔ کتب احادیث کو تاریخی مآخذ کے بطور بالعموم استعمال کیا جاتا ہے' اس لئے اس وصف خاص میں مؤلف کو کوئی سمت خاص حاصل نہیں ہے اور نہ اس کا اسے کوئی ادعا ہی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مجموعہ ہائے احادیث' واقعات تاریخیہ کا مربوط ومبسوط بیانیہ نہیں ہیں' یہاں ان واقعات کا ضمناً جستہ جستہ بیان ہی ملتا ہے' اس لئے ان روایات کا خلاء کتب تاریخ سے ہی پر کیا جا سکتا ہے مؤلف نے ایسا ہی کیا ہے' مگر احادیث کو روایت تاریخیہ پر ترجیح دی گئی ہے یا ان سے تاریخی روایات کی توثیق کی گئی ہے۔ شروح بخاری کی مدد سے روایات پر نقد ونظر اور جرح وتعدیل کر کے واقعات کی توثیق وتصحیح بھی کی گئی ہے اور بعض مواقع پر ایسا کرنا ضروری بھی تھا۔

کتب احادیث سے رجوع کرنے کے سلسلہ میں اہل تشیع کی نہایت مستند کتاب ''الکافی'' سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب امام ابو جعفر محمد بن یعقوب الرازی الکلینی متوفی ۳۲۸ھ کی تالیف وتدوین ہے اور اسے فقہ جعفریہ میں وہی درجہ ثقاہت حاصل ہے جو فقہ اہل سنت میں امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ کی کتاب ''الجامع الصحیح'' کو حاصل ہے۔ اس کتاب کے دو ابتدائی حصوں سے جو ''الاصول'' پر مشتمل ہیں اور آخری حصہ سے جو ''الروضہ'' ہے' استفادہ کیا گیا ہے اور ان کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ القصہ کتاب زیر نظر کی تسوید وتحریر میں احادیث نبویہ کے دونوں ہی مآخذ سے جو اہل السنت والجماعت اور اہل النص والتعیین یعنی شیعوں کے ہاں مستند ہیں' کام لیا گیا ہے۔

۳۔ قرآن مجید اور کتب احادیث کے بعد اسلامی تاریخ کا تیسرا اہم ماخذ کتب سیرت ومغازی اور کتب طبقات ہیں۔ جناب رسول ﷺ کی سیرت پر سب سے مبسوط پہلی کتاب محمد بن اسحاق بن یسار مطلبی متوفی ۱۵۰ھ کی ''سیرت رسول اللہ'' ہے مگر اس کتاب کا مکمل نسخہ اب دستیاب نہیں ہے' سیرت' تاریخ' انساب ومغازی کی قدیم کتابوں میں اس کی روایات بالعموم ملتی ہیں اور عبدالمالک بن ہشام حمیری مصری متوفی ۲۱۸ھ کے ہاں ان کی ''کتاب سیرت'' میں ابن اسحاق کی مرویات بکثرت موجود ہیں' بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ابن ہشام کی

کتاب ابن اسحاق کی کتاب کا ہی اختصار ہے اور اس کتاب میں ابن اسحاق کے علاوہ دوسرے سیرت نگاروں کی مرویات بہت قلیل تعداد میں ہیں۔ ابن ہشام کی ''کتاب سیرت'' متداول ہے' مصر اور یورپ میں بار بار طبع ہو کر شائع ہوئی ہے اور اس کے تراجم بیشتر مغربی اور اسلامی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ اردو میں بھی اس کتاب کا ترجمہ موجود ہے' جو متعدد مرتبہ ہندوستان و پاکستان سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب قدیم علماء میں بھی نہایت مقبول رہی ہے' چنانچہ اس کی متعدد شروح لکھی جا چکی ہیں۔ ان میں امام عبدالرحمٰن السہیلی متوفی ۵۸۱ھ کی شرح ''الروض الانف'' کے نام سے سیرت سے متعلق معلومات کا گنجینہ ہے اور سیرت کے علاوہ صحابہؓ کے بارے میں بھی اس میں وقیع معلومات ہیں' خصوصاً سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ کی خلافت سے پہلے کی زندگی کے واقعات اس کتاب میں مذکور ہیں اور واقعہ ''سقیفہ بنی ساعدہ'' کا بھی بیان ہے۔ مؤلف نے ابن ہشام کی کتاب سیرت اور اس کی شرح ''الروض الانف'' سے تمام ضروری معلومات اخذ کی ہیں۔ اس کے علاوہ محمد بن عمرو اقدی متوفی ۲۰۷ھ کی تصنیفات سے ایک کتاب سیرت کا ذکر آتا ہے' لیکن یہ کتاب اب موجود نہیں ہے' اس کے علاوہ امام محمد بن سعد کاتب الواقدی متوفی ۲۳۰ھ کی کتاب میں واقدی کی سیرت اور طبقات کا بڑا حصہ مروی ہے اس لئے اس کی تلافی ابن سعد کی کتاب سے ہو جاتی ہے۔

۴۔ اس زمرے میں کتب طبقات بھی آتی ہیں۔ تذکروں میں محمد بن عمرو اقدی کی تالیف کردہ کتاب طبقات کا ذکر آتا ہے' لیکن اب وہ کہیں نہیں ملتی۔ ان کے شاگرد اور سیکرٹری (الکاتب) محمد بن سعد کی ضخیم کتاب طبقات میں واقدی کی مرویات بکثرت موجود ہیں' خیال ہے کہ واقدی کی کتاب طبقات کو محمد بن سعد نے اپنی کتاب میں سمو لیا ہے۔ محمد بن سعد کی کتاب الطبقات الکبریٰ پہلے لائیڈن سے اور بعد ازاں مصر اور بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے اور متداول ہے۔ یہ کتاب بیروت ایڈیشن کے مطابق نو (۹) جلدوں میں ہے' نویں جلد اس کا اشاریہ ہے۔ کتاب کے پہلے دو حصے سیرت

رسول اللہ ﷺ پر مشتمل ہیں' کتاب کی تیسری جلد بدری صحابہ کے حالات میں ہے۔ اس جلد میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات کافی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ یہ سب سے پہلا مبسوط تذکرہ ہے خلفائے راشدین اور اصحاب عشرہ مبشرہ کا مؤلف نے ابن سعد کی تیسری جلد سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور ایسا کرنا ناگزیر بھی تھا' کیونکہ ابن سعد کو سند کی حیثیت حاصل ہے اور ان کی کتاب کو نہایت مستند و موثق مانا گیا ہے۔ ابن سعد کی جلالت شان کا یہ عالم ہے کہ بعد کے متعدد ارباب سیر و اخبار یا تو ان کے شاگرد ہیں' مثلاً بلاذری وغیرہ یا ان کے شاگردوں کے شاگرد۔ علامہ شبلی مرحوم کو ''الفاروق'' کی تالیف کے زمانے میں اس کتاب کی تلاش تھی اور ان کے سفر روم کا ایک مقصد استنبول کے کتب خانوں میں موجود اس کتاب کے خطی نسخہ سے استفادہ کرنا بھی تھا۔ بہرکیف قیصر جرمنی کے مالی تعاون اور مشہور مستشرق زخاؤ کی کاوش و تحقیق سے یہ کتاب طبع ہو کر افادہ کے لئے منظر عام پر آئی۔

ابن سعد کی ''الطبقات الکبریٰ'' کے اس سلسلہ کی کتابوں میں' ہر چند کہ وہ مؤخر ہیں' سوانح نگاری کے نقطہ نظر سے جو کتابیں مستند و موثق ہیں' ان میں حافظ ابوعمر ابن عبدالبر قرطبی متوفی ۴۶۳ھ کی ''الاستیعاب فی اسماء الاصحاب'' مشہور مورخ ابوالمکارم ابن الاثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ کی ''اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ'' اور حافظ احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ'' نمایاں اور ممتاز ہیں۔ چنانچہ مؤلف نے ان سے استفادہ کیا ہے' اور تاریخ کی عام کتب پر انہیں ترجیح دی ہے۔

۵۔ ہماری تاریخ کا سب سے مبسوط و مکمل ماخذ تاریخ کی وہ کتابیں ہیں' جنہیں متقدمین نے مدون کیا ہے۔ ان حضرات نے مختلف راویوں کے صحیفوں' ماہرین انساب کے رسالوں اور ابتدائی مدونین کے تحریری مواد سے رجوع کیا ہے اور مختلف روایتوں کو جمع کر کے' اسلامی تاریخ پر ضخیم کتابیں مرتب و مدون کیں۔

یہ وہ کتابیں ہیں' جو تاریخی واقعات و حوادث پر مشتمل ہیں۔ ان کتب تاریخ کا آغاز تخلیق کائنات سے' بعد ازاں قصص الانبیاء و اقوام سابقہ کے تذکرے سے ہوتا ہے۔ اسلام

سے پہلے کے عرب کے حالات' قبائل عرب کی درجہ بندی اور ان کے نسب ناموں کا مذکور ہوتا ہے' اس کے بعد عدنانی قبائل' ان کے تشعب' مضری قبائل اور قریش کے انساب کا بیان ہوتا ہے۔ اس بیان کے بعد جناب رسول ﷺ کے خاندانی حالات اور بعثت سے قبل کے واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے' بعد ازاں آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی' تبلیغ اسلام اور کفار کی ایذا رسانیوں کے واقعات سپرد قلم کئے جاتے ہیں' پھر واقعات ہجرت کے بیان کے بعد اسلام کی مدنی زندگی کا ذکر سن ہجرت سے سالنامہ کے طور پر ہوتا ہے اور یوں کتاب مؤلف کی دنیوی زندگی سے چند سال پہلے ختم ہو جاتی ہے۔ روایتوں اور واقعات کے بیان میں محدثانہ اسلوب اختیار کیا جاتا ہے اور ہر حادثہ' ہر واقعہ اور ہر بیان کو راویوں کی سند کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے' اگر ایک واقعہ سے متعلق' مختلف روایات ہیں تو ان سب کو الگ الگ درج کیا جاتا ہے تاکہ ایک روایت دوسری روایت سے خلط ملط نہ ہو جائے۔ یوں ہر روایت پر تنقید و تعقیب سے حقیقت نفس الامری کو پالینا آسان ہوتا ہے۔ مشہور مورخ' مفسر و فقیہہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری کی کتاب ''تاریخ الرسل والملوک'' کا اسلوب یہی ہے۔ امام طبری کی کتاب کو تاریخ کی دوسری کتابوں پر ترجیح حاصل ہے۔ طبری طبرستان کے شہر ''آمل'' میں ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور تحصیل علم کے لئے دنیائے اسلام کے علمی مراکز کے سفر کئے۔ آخر آخر بغداد میں طرح اقامت ڈالی اور وہیں ۳۱۰ھ میں انہوں نے سفر آخرت اختیار کیا۔ تفسیر میں ان کی مبسوط کتاب ''جامع البیان فی تفسیر القرآن'' ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ فقہ میں وہ ایک مستقل مدرسہ فقہ کے امام ہیں اور ان کی ''الفقہہ الجعفریہ'' پانچویں صدی ہجری تک معمول بہ رہی ہے۔ ان کی متعدد تصانیف میں تاریخ اور تفسیر کی کتابوں کو آج بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ امام طبری کی تاریخ ابتداء زمانہ سے شروع ہو کر ۳۰۲ھ تک کے حوادث پر مشتمل ہے بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب تیس (۳۰) ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی تھی مگر احباب و تلامذہ کے اصرار پر انہوں نے اس کی تلخیص کی اور اس کا حجم گھٹا کر تین ہزار صفحات کر دیا۔ اس کے باوجود ضخامت کے اعتبار سے وہ دسیوں جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کو مستشرق ڈی خویہ نے بعض دوسرے علماء استشراق کے تعاون سے لائیڈن
سے تیرہ (۱۳) جلدوں میں ۱۸۷۹ء سے ۱۸۹۸ء تک شائع کیا۔ اس کی ایک جلد مقدمہ پر
اور دوسری جلد اشاریہ پر مشتمل ہے۔ لائیڈن کے بعد مصر سے اس کے کئی ایڈیشن شائع
ہوئے جو ڈی خویہ کے ایڈیشن پر مبنی ہیں۔ ۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۹ء میں کتاب کا نیا ایڈیشن محمد
ابوالفضل ابراہیم مصری کی تحقیق سے ''دارالمعارف مصر'' نے دس جلدوں میں شائع کیا اس
میں بعض نئے مخطوطات سے بھی مدد لی گئی ہے' یوں سب سے مکمل نسخہ یہی ہے۔ اس کتاب
کے متعدد تکملے اور ذیل بھی لکھے گئے' مثلاً ہمدانی کی کتاب التکملۃ' ابن عریب کا ذیل اور
مسکویہ کا ذیل وغیرہ۔ اس طرح مشہور سامانی امیر منصور بن نوح (م ۳۶۶ھ) کے وزیر ابو
علی محمد البلعمی نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اسناد کو حذف کر کے ان کا حجم کم کر دیا۔ یہ ترجمہ
منشی نول کشور کے کانپور اور لکھنو' کے مطبع سے شائع ہو چکا ہے۔ اس ترجمہ فارسی کا فرانسیسی
ترجمہ ۱۸۷۴ء میں پیرس سے طبع ہوا ہے' طبری کی تاریخ کا اردو ترجمہ حیدر آباد دکن کے ''دار
الترجمہ'' سے شائع ہوا۔ بعدازاں کراچی سے اسے دوبارہ چھاپا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ امام محمد بن جریر طبری کی کتاب الرسل والملوک' اسلامی تاریخ میں اساس کی
حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس کے بعد جو مہمات کتب تاریخ مرتب و تالیف ہوئیں ان میں سے
بیشتر نے طبری کی کتاب سے ۳۰۲ھ تک کے واقعات اپنے اپنے طور پر تلخیص کر کے شامل
کتاب کئے ہیں۔ مورخ ابوالکارم ابن اثیر الجزری (م ۶۳۰ھ) کی کتاب ''الکامل فی
التاریخ'' ۳۰۲ھ تک طبری کی کتاب کی تلخیص ہی ہے' اسی طرح ابوالفداء (م ۷۳۲ھ)
ابن اثیر کی تلخیص ہے اور مورخ کبیر عبدالرحمن ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) کی کتاب بھی ابن
اثیر ہی کی تلخیص ہے' یہی حال حافظ ابن کثیر دمشقی (م ۷۷۴ھ) کی ضخیم کتاب ''البدایہ و
النہایہ'' کا ہے۔ یوں ہمارا اصل ماخذ تاریخ طبری ہی ہے' اس لئے ہم نے اس سے کام لیا
ہے اور دوسری کتابوں سے نسبتہً کم رجوع کیا ہے۔

متقدمین کی تاریخی کتابوں میں ابن واضح یعقوبی کی ''تاریخ یعقوبی'' کا ماخذ طبری

نہیں ہے' کیونکہ وہ طبری سے مقدم ہے اور اس نے ۲۹۲ھ میں وفات پائی ہے۔ یعقوبی شیعی
ہے اور اس کے ہاں شیعی روایات ہیں۔ ہم نے اس سے رجوع کیا ہے اور حسب ضرورت
استفادہ کیا ہے۔

اسی طرح مشہور مورخ ابوالحسن علی المسعودی (م ۳۴۵ھ) کی کتاب ''مروج الذہب
معادن الجوہر'' تاریخ نویسی میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ مسعودی نے حادثات و واقعات
کے عنوانوں کے تحت اپنی کتاب مرتب کی ہے اور سالنامہ کے طریقہ سے اجتناب برتا ہے۔
اس کتاب کا اردو ترجمہ متداول ہے۔ ہم نے ''مروج الذہب'' سے استفادہ کیا ہے اور اس
کے حوالے دیئے ہیں۔ اس طرح مسعودی کی ایک اور کتاب ''التنبیہ والاشراف'' مفید
تاریخی نوٹس پر مشتمل ہے' اسکا بھی اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ مؤلف نے اس سے بھی
رجوع کیا ہے۔

۶۔ تاریخی کتابوں کے زمرے میں وہ کتب بھی محسوب ہوتی ہیں' جو ''کتاب الفتوح''
کہلاتی ہیں۔ اس قبیل کی کتابیں وہ بھی ہیں' جو انساب سے تعلق رکھتی ہیں' کیوں کہ ان کتب
میں ایک نئے نہج سے تاریخی حوادث و واقعات کا مذکور ہوتا ہے۔ ہم ان کتابوں میں ان
تصانیف کو بھی شامل کر سکتے ہیں' جو مختلف نوعیتوں کی معلومات' اشخاص کے اجمالی حالات
اور نوادر معارف پر مشتمل ہیں۔ تاریخ نویسی اور اشخاص تاریخیہ کے حوالے سے ان کتب کی
اہمیت مسلم ہے۔

کتاب الفتوح کی سب سے قدیم کتاب' محمد بن عمر الواقدی کی ''فتوح الشام'' و
''فتوح العراق'' ہیں' مگر ان کتب کا انتساب مشکوک ہے' چنانچہ مؤلف نے ان کی مراجعت
نہیں کی ہے۔ اس سلسلہ کی سب سے اہم و مستند کتاب احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری
(م ۲۷۹ھ) کی کتاب ''فتوح البلدان'' ہے۔ یہ کتاب مصر سے شائع ہوتی رہتی ہے۔ اس
کا انگریزی ترجمہ جلد اول ۱۹۱۶ء میں اور جلد دوم ۱۹۲۴ء میں نیویارک سے شائع ہوا اس کا
اردو ترجمہ مولانا ابوالخیر مودودی کے قلم سے حیدر آباد (دکن) سے شائع ہوا' اور متداول

ہے۔ یہ کتاب فتوحات کے بیان کے ساتھ ساتھ نہایت اہم معلومات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور مصنف کی ثقاہت ولیاقت کی شاہد ہے۔ مؤلف نے عہد صدیقی کی فتوحات کے ذکر میں بلاذری کی ''فتوح البلدان'' سے رجوع کیا اور اسے نہایت مفید پایا ہے۔ اس سلسلہ کی دوسری اہم کتاب ابن اعثم الکوفی (م ۳۱۴ھ) کی 'کتاب الفتوح' ہے۔ یہ کتاب مخطوطہ کی صورت میں تھی اور اس کا فارسی ترجمہ ہی ہم دست تھا۔ مگر اب مصر سے اور بعد ازاں بیروت سے یہ شائع ہوگئی ہے۔ ہر چند کہ یہ کتاب آخر سے نامکمل ہے لیکن عہد خلفاء راشدین و بنی امیہ کی فتوحات کا ذکر مکمل ہے۔ مؤلف نے اس کتاب کو عہد صدیقی کی فتوحات کے بیان میں استعمال کیا ہے اور دوسری معاصر کتب کے مندرجات کی اس سے تکمیل وتصحیح کی ہے۔

انساب سے تعلق رکھنے والی کتاب میں، سب سے مقدم مصعب بن عبداللہ الزبیری (م ۲۵۶ھ) کی کتاب ''نسب قریش'' ہے۔ یہ کتاب یورپ سے جزوی طور پر شائع ہوئی ہے اور اسی ایڈیشن کو مصر سے بھی شائع کیا گیا ہے۔ انساب سے متعلق دوسری نہایت اہم کتاب احمد بن یحیٰی بن جابر البلاذری (م ۲۷۹ھ) کی ''انساب الاشراف'' ہے۔ یہ کتاب بہت ضخیم ہے اور اس کے بیشتر اجزاء مخطوطہ کی صورت میں استنبول اور مصر کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ پیرس سے اس کا ایک جز جو عبدالملک بن مروان (م ۸۵ھ) کے عہد سے تعلق رکھتا ہے، چھپ چکا ہے۔ موجودہ صدی کی تیس کی دھائی میں اس کے دو اجزاء یروشلم کی ہبرو یونیورسٹی سے شائع ہوئے اور ان کا بھی تعلق عہد اموی سے ہے اس لئے یہ شائع شدہ اجزاء مؤلف کے لئے اہم نہیں ہیں۔ پچاس کے عشرہ میں تاریخ اسلام کے فاضل اجل علامہ پروفیسر حمیداللہ صاحب کی تحقیق سے ''انساب الاشراف'' کا پہلا حصہ دارالمعارف مصر سے طبع ہوا ہے۔ یہ جزء جناب رسول اکرم ﷺ کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے متعلق وقیع معلومات ہیں اور مؤلف نے ان سے بڑی حد تک استفادہ کیا ہے۔ واقعہ استخلاف کے بارے میں اس کتاب میں بعض اہم معلومات ہیں جن کا دیگر کتب میں ذکر نہیں ہے۔ اس لحاظ سے اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

مفید معلومات کے تعلق سے محمد بن حبیب (م ۲۴۵ھ) کی ''کتاب المحبر'' اور امام ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری (م ۲۷۶ھ) کی ''کتاب المعارف'' بھی نہایت اہم ہیں۔

''کتاب المعارف'' کا اردو ترجمہ مؤلف کے قلم سے شائع ہو چکا ہے۔ ''کتاب المعارف'' میں انساب عرب کا بھی ضروری بیان ہے، سیرت اور احوال صحابہ وتابعین کے علاوہ عشرہ مبشرہ کے تفصیلی حالات بھی مذکور ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ازواج، اولاد واحفاد کے حالات بھی بیان ہوئے ہیں۔ مؤلف نے ان سے استفادہ کیا ہے۔

۷۔ کتاب میں تاسیس حکومت، انتظام سلطنت اور دیگر سیاسی اداروں، بالخصوص منصب خلافت، نظام مال، مداخل ومصارف حکومت وعدالتی نظام وغیرہ کا بھی ذکر ہے۔ استحقاق خلافت، اوصاف خلیفہ اور طرز انتخاب کے مباحث بھی زیر بحث آئے ہیں۔ تاریخ کی عام کتابوں اور کتب احادیث میں جستہ جستہ ان سے متعلق مفید معلومات ملتی ہیں، لیکن فقہ وکلام کی کتابوں میں ان موضوعات سے بطور خاص بحث کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں متکلم ومحدث ابومنصور عبدالقاہر بغدادی (م ۴۲۹ھ) کی دو کتابوں اصول الدین اور ''الفرق بین الفرق'' سے رجوع کیا گیا ہے۔ دوسری کتاب مؤلف کے ترجمہ وتحشیہ کے ساتھ زیر طبع ہے۔

نظام مالیات، احکام خراج، انفال وفئی سے متعلق موضوع کے لئے امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری کوفی (م ۱۸۲ھ) کی ''کتاب الخراج'' کی مزاولت کی گئی ہے۔ یہ کتاب کئی مرتبہ مصر سے شائع ہو چکی ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی دست یاب ہے۔ اسی سلسلہ کی دوسری کتاب یحیٰی بن آدم قرشی (م ۲۰۴ھ) کی ''کتاب الخراج'' بھی مطالعہ میں رہی ہے۔ نظام مالیات پر سب سے مبسوط کتاب ابو عبید قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ) کی ''کتاب الاموال'' ہے۔ یہ کتاب بھی متداول ہے اور اردو میں ترجمہ بھی ہو چکی ہے۔ اس کتاب سے بھی رجوع کیا گیا ہے۔ یوں موثق معلومات بہم پہنچانے کی امکانی سعی کی گئی

ہے۔

نظام حکومت کے سلسلہ کی سب سے اہم اور متداول کتاب قاضی ابو الحسن علی بصری ماوردی (م ۴۵۰ھ) کی ''الاحکام السلطانیہ'' ہے۔ یہ کتاب بھی اردو میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ نظام خلافت، عدالتی نظام، نظام خراج، فئی، جزیہ، زکوۃ اقطاع اور احتساب کے عنوانات کے تحت بنیادی اور ضروری معلومات کے لئے یہ کتاب سب سے مستند دستاویز ہے۔ مؤلف نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ اس سلسلہ کی کتاب مورخ و فلسفی ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) کا ''مقدمہ'' بھی ہے۔ چنانچہ اس سے رجوع کیا گیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں اپنے موضوع پر درجہ استناد رکھتی ہیں اور کسی لکھنے والے کو ان سے مفر نہیں ہے۔

۸۔ اسلامی تاریخ میں متعلقہ دور کی کتب ادب کو ایک مستند اور مفید ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ ہمارے ہاں بالعموم تاریخ نویسی کے دوران عربی ادب کی کتابوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور ان سے استفادہ نہیں کیا جاتا، حالانکہ ان کتابوں میں اشخاص و مجتمع کے متعلق وقیع معلومات موجود ہیں اور ان کے لکھنے والے عربی ادب میں نمایاں مقام کے حامل ہیں۔ نظام اداری، سوسائٹی کے تغیرات اور تہذیبی و تمدنی موضوعات پر ہماری ادبی کتابیں نہایت اہم ہیں، اور جب کہ ادب کی تاریخی شئون و ظروف میں اہمیت مسلم ہے، ان کتابوں سے بے پروائی برتنا ممکن نہیں ہے۔ ہم نے جن کتب ادب کو اپنے مطالعہ کے لئے منتخب کیا ہے، ان میں نابغہ عصر علامہ ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ البصری (۱۵۰ھ تا ۲۵۵ھ) کی دو کتابیں ہیں۔ ''کتاب البیان والتبیین'' اور ''کتاب البخلاء''۔ مقدم الذکر کتاب ادب، تاریخ وثقافت کا ذخیرہ ہے، یہی کیفیت موخر الذکر کتاب کی بھی ہے۔ یہ دونوں کتابیں مصر اور بیروت سے شائع ہوتی رہی ہیں اور متداول ہیں، بلکہ داخل درس بھی رہی ہیں۔ اس قبیل کی دوسری کتاب امام ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) کی ''عیون الاخبار'' ہے۔ یہ کتاب دس (۱۰) موضوعات پر مشتمل ہے، جن میں ''سلطان''، ''حرب''، وسیادت وغیرہ تاریخ کے طالب علم کے لئے بہت اہم ہیں۔ عربی ادب کے سلسلہ کی دو کتابیں ''الکامل'' اور ''الفاضل'' ابو

العباس محمد بن یزید المبرد (م ۲۸۵ھ) کی تصنیف ہیں اور بہت سی نادر تاریخی معلومات پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح متاخر ادیب و عالم ابو علی حسن بن رشیق ازدی قیروانی (م ۴۵۶ھ) کی کتاب العمدہ بھی ذخیرہ معلومات ہے۔ مؤلف نے ان کتابوں سے حسب ذوق فائدہ اٹھایا ہے اور برمواقع ان کے حوالے دیئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ہم نے حضرت حسان بن ثابت خزرجی انصاریؓ (م ۶۰ھ) کے دیوان سے بھی مدد لی ہے اور ان کے اشعار سے سیرت الصدیق پر استدلال کیا ہے، کیوں کہ یہ اشعار صحابہ کرام کے مجمعوں میں پڑھے گئے تھے۔

۹۔ صوفیاء کرام نے اپنی کتابوں میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سرخیل صوفیا کی حیثیت سے نہایت عقیدت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ تصوف روحانی بالیدگی، انقطاع الی اللہ، خشیت الٰہی اور محاسن اخلاق کی آب یاری کا نام ہے، اس لئے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بجا طور پر امام اصفیاء ہیں۔ شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ (م ۴۱۲ھ) نے اپنی کتاب ''طبقات الصوفیہ'' میں آپ رضی اللہ عنہ کا ذکر بڑے احترام سے کیا ہے۔ ابو نعیم اصبہانیؒ (م ۴۳۰ھ) نے کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' میں آپؓ کی کرامات کو بیان کیا ہے۔ ابو القاسم القشیریؒ (م ۴۵۶ھ) نے اپنے ''الرسالہ'' میں آپؓ کے روحانی فیوض کا حال لکھا ہے۔ مشہور صوفی بزرگ اور ''کتاب اللمع فی التصوف'' کے مصنف ابو نصر عبداللہ بن علی السراج الطوسیؒ (م ۳۷۸ھ) نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تفصیل سے حال تحریر کیا ہے اور آپؓ کے روحانی کمالات کو بیان کیا ہے۔ مشہور بزرگ اور مصنف تصوف شیخ ابو الحسن بن عثمان ہجویریؒ المعروف بہ ''داتا گنج بخش'' (مابین ۴۸۱ و ۵۰۰ھ) نے ''کشف المحجوب'' میں کمالات صدیقی کا ذکر کیا ہے۔ یہ وہ محترم بزرگ ہیں جنہوں نے ''اسلامی تصوف'' پر پر مغز اور وقیع کتابیں تحریر کی ہیں اور ان کی کتابوں کے تراجم متعدد مغربی اور مشرقی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ مؤلف نے سیرت الصدیق کے بیان میں ان بزرگوں سے استفادہ کیا ہے۔

۱۰۔ کتب فضائل میں محب الدین طبری (م ۶۹۴ھ) کی ''الریاض النضرہ فی مناقب

العشرۃ'' میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فضائل ومحامد کا تفصیلی بیان ہے۔ امام تقی الدین ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کی ضخیم کتاب ''منہاج السنۃ'' میں بھی محامد صدیقی اور مخالفین کے مطاعن کی تردید شرح وبسط سے کی گئی ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبی (م ۷۵۳ھ) نے اس کا خلاصہ ''المنتقیٰ'' کے نام سے کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں چھپ چکی ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۴) کی ''قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین'' اور ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' بھی فضائل وآثر جمیلہ صدیقی پر مستند کتابیں ہیں اور متداول ہیں۔ مؤلف نے ان تمام کتابوں سے برمواقع کثیرہ مدد لی ہے اور ان کے حوالے دیئے ہیں۔

۱۱۔ مؤلف نے اپنی کتاب کی تسوید کے دوران جن جدید عربی کتابوں کا مطالعہ کیا' ان کے نام یہ ہیں۔ ان کتب میں آخری دو کے علاوہ سبھی کے اردو ترجمے ہو چکے ہیں اور سبھی مصر سے شائع ہوئی ہیں:۔

(الف) شیخ محمد خضری کی ''تاریخ الامم الاسلامیہ' جلد اول'' (ب) جورجی زیدان کی ''تاریخ التمدن الاسلامی'' (ج) ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی ''الشیخان'' (د) حسنین ہیکل کی ''الصدیق ابوبکر'' (ہ) ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کی ''النظم الاسلامیہ'' (و) استاذ احمد الامین کی ''فجر الاسلام'' اور (ز) ڈاکٹر صبحی الصالح کی کتاب ''النظم الاسلامیہ'' مطبوعہ بیروت (یہ کتاب اردو میں منتقل نہیں ہوئی ہے) (ح) احمد ذکی صفوت کی ''جمہرۃ خطب العرب'' مطبوعہ مصطفیٰ بابی حلبی مصر (اس کا بھی ترجمہ نہیں ہوا ہے)

اردو میں جو کتابیں سیرۃ الصدیق پر لکھی گئی ہیں' ان میں مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی مرحوم کی ''سیرۃ الصدیق'' ہر چند کہ مختصر کتاب ہے مگر مصنف کے شایان شان اور مستند وموقر ہے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم کی کتاب ''صدیق اکبرؓ'' ایک مستند اور عمدہ کتاب ہے اور غالباً اردو میں سب سے اچھی بھی۔ دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہونے والی کتاب ''خلفاء راشدین'' حاجی معین الدین ندوی بہاری مرحوم کی تالیف ہے' اس میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی اختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اسی ادارہ سے

شاہ معین الدین احمد فاروقی ندوی مرحوم کی کتاب ''تاریخ الاسلام'' کی پہلی جلد میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حالات گو مختصر سہی مگر مستند ومعتبر ہیں۔ تاریخ اسلام سے متعلق دیگر شائع شدہ کتابوں میں بھی سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے حالات درج ہیں' مگر مختصر اور تفصیل کے طالب ہیں۔

انگریزی زبان میں لکھی جانے والی کتابیں' یا تو مسلمان مؤلفین کے قلم کے رشحات ہیں یا مستشرقین کا نتیجہ فکر ہیں۔ اول الذکر یا تو بے حوالہ لکھی گئی ہیں یا ثانوی مآخذ کی مدد سے اور عموماً اردو کتابوں پر مبنی ہیں' اس لئے مؤلف نے ان سے صرف نظر کیا ہے۔ دوسری قسم ان کتابوں کی ہے جو غیر مسلم مصنفین کے قلم سے نکلی ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں' مستشرقین نے ایک خاص نقطہ نظر سے یہ کتابیں لکھی ہیں اور غیر جانب داری کے پردے میں انہوں نے حد درجہ تعصب سے کام لیا ہے مؤلف نے فرانسیسی' جرمن اور اطالوی زبانوں میں لکھی جانے والی کتب' ان کے انگریزی یا عربی تراجم کی مدد سے مطالعہ کی ہیں اور برموقع ان کی دسیسہ کاریوں سے قاری کو آگاہ بھی کیا ہے۔ ان کتابوں سے کسی طرح کا استفادہ کرنا بے سود ہے کہ یہ مستند وموثق ہیں بھی نہیں ان الفاظ کے ساتھ مآخذ سے متعلق اپنی گفتگو کو ختم کرتا ہوں واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

(ب) ایک ضروری گزارش

مقدمہ کے اخیر میں قارئین کرام کی خدمت میں ایک گذارش ہے۔ اور وہ یہ کہ اس کتاب کا مؤلف ایک معمولی انسان ہے اور انسان خطاء و نسیان کا پتلا ہے۔ اس لئے ہر چند کہ اس نے غلطی سے بچنے کی ہر امکانی کوشش کی ہے اس سے بعض تسامحات ہوئے ہوں گے، جن کے لئے وہ عذر خواہ ہے۔ اسی طرح کسی دعویٰ کے اثبات میں اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو وہ اس کی کم سوادی کی بناء پر ہوگی اور ایسی خامیوں کی نشان دہی اس کے علم میں اضافہ کا سبب ہوگی بشرطیکہ اس کی اساس علمی و تحقیقی ہو۔ مؤلف تاریخ کا ایک ''تمیذ کم سواد'' ہے نہ اسے فن مناظرہ سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ یہ اس کا منہج و اسلوب ہے، اس نے واقعات کو وقت کے شعور کے تناظر میں دیکھا ہے اور گرامی قدر قارئین سے بھی یہی توقع رکھتا ہے کہ وہ اس کتاب کے مندرجات کو ''شعور وقت'' کے منظر نامہ میں دیکھیں اور ماضی کو حال کی عینک سے دیکھنے کے بجائے یا واقعات تاریخی کو اپنی خواہشات کے مطابق کرنے کے برعکس، انہیں تاریخی تسلسل اور زمانی تعامل کی روشنی میں دیکھیں اور پرکھیں۔

مؤلف اس کتاب کی تکمیل پر مسرت محسوس کر رہا ہے اور خدائے برتر و بزرگ کے حضور سجدہ ریز ہے کہ اس نے اسے اس کار خیر کی انجام دہی کی توفیق عطاء فرمائی۔ اس سلسلہ میں اپنی عزیز اور فخر استاد شاگرد ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر، اسسٹنٹ پروفیسر اسلامی تاریخ، کراچی یونیورسٹی کا ذکر نہ کرنا بڑی ناسپاسی ہوگی۔ عزیزہ نگار نے اس کتاب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور پرنٹنگ میں جس محنت، تندہی اور سعادت مندی کا مظاہرہ کیا، اس کے لئے دل

سے دعا نکلتی ہے اللہ انہیں خوش رکھے۔

ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر اور میرے ایک اور شاگرد محمد شکیل صدیقی (اسسٹنٹ پروفیسر اسلامی تاریخ، کراچی یونیورسٹی) کا یونیورسٹی میں بحیثیت استاد تقرر ایک خوش آئند عمل ہے اور بجا طور سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ ان دونوں کی علمی لیاقت و ذہنی صلاحیت کی بدولت شعبہ ترقی کرے گا اور اپنی علمی شان کو نہ صرف برقرار رکھے گا، بلکہ اسے مزید تابناک بنائے گا۔ آمین!

علی محسن صدیقی

باب اول

حالات قبل از خلافت

نام

عبداللہ نام' ابوبکر کنیت اور عتیق وصدیق القاب ہیں۔ عتیق کا لقب جناب رسول ﷺ کا عطاء کردہ ہے کہ آپ نے فرمایا ''انت عتیق اللہ من النار'' اے ابوبکر تم کو اللہ نے دوزخ سے آزاد کردیا ہے۔ صدیق کا لقب واقعہ معراج سے تعلق رکھتا ہے۔ محمد بن سعد کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیل سے کہا کہ اس واقعہ کی تصدیق کون کرے گا؟ انہوں نے کہا ''الصدیق ابوبکر''۔ نام کے بارے میں ابن قتیبہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان کا نام ماں باپ نے عبدالکعبہ رکھا تھا' مگر جب وہ اسلام لائے تو اسے رسول مقبول ﷺ نے بدل کر عبداللہ کردیا۔ اسی طرح بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کی رقیق القلبی اور نرم دلی کے باعث لوگ انہیں ''الاواہ'' بھی کہتے تھے۔(۱)

نسب

ماں اور باپ دونوں ہی کی طرف سے حضرت ابوبکر کا نسلی تعلق قریش کی شاخ تیم سے ہے۔ قریش تک ناموں کی ترتیب یوں ہے: ابوبکر ابن ابوقحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ حضرت ابوبکر صدیق کی والدہ ام الخیر سلمیٰ کا گھرانہ بھی تیم ابن مرہ ہی کا ہے یعنی سلمیٰ بنت صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ۔ جناب محمد رسول ﷺ سے ان کا سلسلہ نسب مُرّہ پر آ کر مل جاتا ہے کہ آپؐ کے جد امجد کلاب بن مرہ اور جناب ابوبکر کے جد اعلیٰ تیم بن مرہ بھائی ہیں۔(۲)

والدین

حضرت ابوبکر صدیق کے والد حضرت ابوقحافہ عثمان مکہ کے روساء میں شمار ہوتے تھے اور اپنی ثروت و ریاست کے سبب قریش مکہ میں نہایت معزز تھے۔ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا اور اپنی وفات تک اپنے آبائی شہر میں مقیم رہے۔ اخیر عمر میں بینائی سے محروم ہوگئے تھے۔ محرم ۱۴ھ میں ۹۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ حضرت ابوبکر کی والدہ حضرت ام الخیر سلمیٰ نہایت قدیم الاسلام خاتون ہیں۔ انہوں نے ۶ نبوی میں اس زمانے میں اسلام قبول کیا جب رسول ﷺ دار ارقم کے مرکز تبلیغ میں تھے۔ حضرت ام الخیر نے بھی لانبی عمر پا کر اپنے بیٹے کے بعد مگر اپنے شوہر سے پہلے وفات پائی۔(۳)

ولادت

حضرت ابوبکر صدیق اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے اور عام الفیل سے کوئی تین سال بعد مکہ میں اندازاً ۵۷۳ء میں پیدا ہوئے۔(۴)

حلیہ

محمد بن سعد نے حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت سے حضرت ابوبکر صدیق کا جو حلیہ بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا رنگ گورا' جسم دبلا' رخسار ستے ہوئے' پشت میں ذرا سا خم' چہرہ کم گوشت' آنکھیں دھنسی ہوئی' پیشانی بلند اور ابھری ہوئی' انگلیوں کے جوڑ گوشت سے خالی' پنڈلیاں اور رانیں پتلی اور قد موزوں تھا۔ سر کے بال جوانی ہی میں کھچڑی ہوگئے تھے۔ اس لئے (حنا مہندی) اور کتم (سیاہ رنگ کی گھاس) کا خضاب استعمال کرتے تھے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خضاب کا استعمال ہجرت کے بعد کیا' کیوں کہ واقعہ ہجرت میں آپ کے کھچڑی بالوں کا ذکر نہایت ہی دلچسپ انداز میں آتا ہے۔(۵)

تعلیم

حضرت ابوبکر صدیق کی تربیت شرفائے قریش کے دستور کے مطابق ہوئی اس زمانے کے مروجہ علوم کی انہوں نے تحصیل کی اور ان میں اس عہد کی نسبت سے کمال پیدا کیا۔ چنانچہ انساب قبائل' ایام عرب اور شعر و خطابت میں مہارت بہم پہونچائی خصوصاً انساب میں آپ کو نمایاں حیثیت حاصل ہوئی۔ آپ کے علمی مفاخر کا تذکرہ اک۔ علیحدہ عنوان کے تحت آگے آتا ہے' جہاں ان کا بیان کسی قدر تفصیل سے کیا جائے گا۔ آپ کا شمار قریش کے ان معدودے چند اشخاص میں بھی ہوتا ہے جو اسلام سے پہلے فن نوشت وخواند سے واقف تھے' اسی طرح خطابت میں بھی آپ کو مہارت حاصل تھی۔

تجارت

جوان ہو کر حضرت ابوبکر صدیق نے تجارت کو ذریعہ معاش بنایا اور قریش کے تجارتی کاروانوں کے ساتھ بھی آپ نے بیرون عرب کے سفر کئے۔ کپڑے کی تجارت کے سلسلے میں آپ نے شام و یمن کے متعدد سفر کئے۔ آپ کی تجارتی بصیرت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ لوگ اکثر مشورے کی غرض سے آپ کے پاس آتے رہتے تھے تجارت کے منفعت بخش پیشہ کی بدولت آپ کی مالی حالت نہایت بہتر تھی اور خاصی بڑی رقم پس انداز تھی جو بعد میں اسلام کی تائید و نصرت میں صرف ہوئی (۶)

سلامتی فطرت

آپ ہر چند کہ ایک دولت مند باپ کے بیٹے تھے اور اس عہد کا ماحول بھی بے راہ روی کا تھا مگر آپ کا دامن عفت عرب جاہلیت کی اخلاقی برائیوں سے پاک تھا۔ شراب نوشی کہ عرب کی گھٹی میں پڑی تھی' انہوں نے اپنے پر حرام کر لی تھی' اس طرح قمار بازی و عربدہ جوئی سے انہیں نفرت تھی اور وہ اس عہد کی تمام معاشرتی برائیوں سے منزہ و پاک صاف تھے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق کی سلامتی طبع ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ جناب رسالت مآب

ﷺ کے احباب خاص میں شامل تھے' اور اپنے زمانے کے نوجوانوں پر ان کی سیرت کی گہری چھاپ تھی۔ آپ کے اخلاق کے بارے میں ابن الدغنہ نے قریش کے سرداروں سے جو بات کہی تھی اس میں اس نے آپ کی انسانیت دوستی' ہمدردی اور صلہ رحم کا ذکر کیا تھا اس نے کہا:

اتخرج رجلا یکسب المعدوم ویصل الرحم و یحمل الکل ویقری الضیف ویعین علی نوائب الحق (۷)

کیا تم ایسے شخص کو نکال رہے ہو جو مفلسوں کو کپڑے پہناتا ہے' صلہ رحم کرتا ہے' معذوروں کا سہارا ہے' مہمانوں کی مہمان داری کرتا ہے اور حوادث کے بالمقابل لوگوں کی مدد کرتا ہے۔

قریش میں مقام بلند

قریش کے اعیانی نظام حکومت میں مختلف عہدے بطون قریش میں انتظامی سہولت اور حکومت میں شرکت کے احساس کی تسکین کی خاطر تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ بنوتیم بن مرہ کو منصب اشناق تفویض ہوا تھا اور بعثت نبوی کے وقت اس منصب پر جو صاحب فائز تھے وہ حضرت ابوبکر صدیق تھے۔ اس منصب سے جو خدمت وابستہ تھی وہ یہ تھی کہ اگر قریش کے ہاتھوں کسی دوسرے قبیلہ کا کوئی شخص قتل ہو جائے یا قریش کا کوئی فرد کسی اور قبیلہ کے کسی شخص کے ہاتھ سے مارا جائے تو ایسے فریقوں میں دیت کا تعین' اس کی وصول یابی اور مصالحت کی ذمہ داریاں پوری کی جائیں۔ اس منصب کے حامل شخص کو جہاں حد درجہ معاملہ فہم' بردبار اور دیانت دار ہونا چاہئے وہیں اسے قبائل میں محترم اور روادار بھی ہونا چاہئے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق میں یہ اوصاف بدرجہ کمال موجود تھے۔ منصب اشناق کا اقتضاء یہ بھی تھا انساب عرب سے پوری واقفیت اور قاتل و مقتول کے مابین نسبی تعلق پر گہری نظر ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق کو انساب عرب پر عبور اور قبائل کے شعوب و بطون کے باہمی تعلقات پر پورا وقوف تھا۔ منصب اشناق کے علاوہ اپنی اصابت رائے و اصالت نسب کی وجہ سے بھی انہیں اسلام سے

پہلے بھی قریش ودیگر قبائل عرب میں بلند مقام حاصل تھا۔(۸)

رسول مکرم ﷺ سے دوستی

اپنی فطرت سلیم اور نیز ہم عمری کے باعث حضرت ابوبکر صدیق کی جناب رسول مکرم ﷺ سے گہری دوستی تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جاتا تھا کہ آپ ﷺ ان کے گھر تشریف نہ لائے ہوں۔ (۹) سیوطی نے ابونعیم اصبہانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق آنحضرت ﷺ کے سفر شام میں جبکہ بحیرا راہب کا واقعہ پیش آیا آپ کے ہم سفر تھے اور نیز یہ کہ آنحضرتؐ اور حضرت خدیجہ الکبریٰ کے نکاح میں وہی درمیانی آدمی تھے اور انہیں نے یہ رشتہ طے کرایا تھا۔(۱۰)

قبول اسلام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ مگر بعض دوسری روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت خدیجہ سب سے پہلے اسلام لائیں' اس طرح روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت زید بن حارثہ نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت پر لبیک کہا۔ نیز اس امر کی بھی روایتیں ہیں کہ سب سے پہلے مسلمان حضرت علی ہیں جنہوں نے نہایت صغرسنی میں اسلام قبول کیا۔ محدثین اور اخباریین نے ان تمام روایتوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر صدیق ہیں' عورتوں میں حضرت خدیجہ' غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ اور بچوں میں حضرت علی دوسروں سے پہلے مسلمان ہوئے (۱۱) اگر غور سے دیکھا جائے تو اپنے ہی گھر کے افراد یعنی بیوی' غلام جو متبنیٰ بھی تھا' بیٹیاں اور صغیرالسن عم زاد جو زیر کفالت تھا' ان سب کا دعوت اسلام پر لبیک کہنا اشاعت اسلام کے لئے کسی تقویت اور دوسروں کے قبول اسلام کی تحریک کا باعث نہیں بن سکتا تھا' اس لئے گھر سے باہر سب سے پہلے اسلام لانے والے شخص کا اسلام تبلیغ و اشاعت دین کے لئے جتنا موثر ہوسکتا تھا وہ محتاج بیان نہیں۔ مزید یہ

کہ ان لوگوں کا اسلام' ان بزرگوں کے احترام کے باوجود اس اسلام کے مقابلے میں جو رئیس قریش وسردار بنی تیم بن مرہ ابوبکر صدیق کا تھا' اسلام کی ابتدائی تاریخ میں کسی خاص اہمیت کا مالک نہیں ہوسکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس نکتے کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے

اولیت اسلام بجہت آں از مآثر محدود شدہ است کہ حامل شد بر اسلام مرد ماں و جالب شد قلوب مردم را بسوئے اسلام وبحکم الدال علی الخیر کفاعلہ اجر جمیع آنانکہ بعد از دی باسلام درآیند در جریدہ اعمال دی نوشتہ شود واین معنی بجز بالغ مشہور فی الناس مطاع در میان ایشاں کہ اظہار دین خود کند وبجد تمام مردماں را بر قبول آں آرد میسر نیست (۱۲)

سب سے پہلے اسلام لانے کو اس لئے اچھی یادگاروں میں شمار کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے اسلام لانے کا باعث ہوا اور اس نے لوگوں کے دلوں کو اسلام کی جانب مائل کردیا۔ اور اس بناء پر کہ کسی اچھے کام کی سمت رہنمائی کرنے والا اس کار خیر کو انجام دینے والے کی طرح (اجر نیک کا مستحق) ہوتا ہے' ان تمام لوگوں کا اجر نیک جو ان کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوں' ان کے نامہ اعمال میں لکھا جائے' یہ بات بجز اس امر کے ممکن نہیں ہے کہ ایک آزاد بالغ' لوگوں میں رودار اور ان کے درمیان مطاع شخص اپنے اسلام کا اظہار کرے اور پوری کوشش سے لوگوں کو اسے قبول کرنے پر آمادہ کرے۔

اس ضمن میں یہ واقعہ بھی ہمارے ذہنوں میں محفوظ ہے کہ حضرت حسان بن ثابت انصاری نے جناب رسول ﷺ کے حضور صحابہ کرام کے مجمع میں حضرت ابوبکر صدیق کی مدح میں جو اشعار پڑھے تھے ان میں آپ کی سبقت الی الاسلام کا ذکر بڑے فخر کے ساتھ کیا ہے۔ اگر حضرت صدیق اکبر سب سے پہلے مسلمان نہ ہوتے تو نہ حضرت حسان اس کا ذکر کرسکتے تھے اور نہ رسول اکرمؐ خود حضرت ابوبکر صدیق اور دوسرے موجود صحابہ اس پر خاموش رہ سکتے تھے انہوں نے کہا (۱۳)

خیر البریتہ اتقا ھاو اعد لھا   بعد النبیؐ واوفا ھابما حملا

نبی کریمؐ کے بعد آپ تمام دنیا سے اچھے‘ سب سے زیادہ پرہیزگار‘ سب سے بڑھ کر عادل اور سب سے زیادہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے والے ہیں۔

الثانی التالی المحمود مشہدہ   واول الناس منہم صدق الرسلا

(نبی کریمؐ کے بعد) دوسرے‘ ان کے بعد آنے والے‘ لوگوں کے مجمع میں قابل ستائش اور رسول کی تصدیق کرنے والے پہلے انسان (ابوبکر) ہیں۔

اس سبقت الی الاسلام کے فخر کا تذکرہ حضرت ابومجن ثقفی نے بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں (۱۴)

سبقت الی الاسلام واللہ شاہد"   وکنتُ جلیساً فی العریش المشہر

(اللہ گواہ ہے کہ آپ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اور (رسول اکرمؐ کے ساتھ) آپ ہی (بدر کے دن) بلند عریش (سائبان) میں بیٹھے تھے)

اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے پہلے اسلام لائے اور وہی "اول الناس اسلاما" ہیں اور تمام دوسرے حضرات ان کے بعد نعمت اسلام سے بہرہ مند ہوئے۔ اس موقف کی تائید بعد کے واقعات سے بھی ہوتی ہے جن کا ذکر برموقع آئے گا

تبلیغ اسلام

حضرت ابوبکر صدیق نے اسلام کی تبلیغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا‘ چنانچہ ان کی سعی و کوشش سے متعدد اصحاب نے اسلام قبول کیا۔ ایسے لوگوں میں حضرت عثمان بن عفان‘ حضرت زبیر بن عوام‘ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف‘ حضرت سعد بن ابی وقاص‘ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم کو شرف امتیاز حاصل ہے اور بقول ابن ہشام یہی لوگ ابتدائی مسلمان ہیں۔ یہ حضرات عشرہ مبشرہ میں شامل اور اسلام کی تاریخ میں نہایت بلند مقام و منصب کے حامل ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ بھی متعدد اصحاب نے حضرت ابوبکر صدیق کی کوشش سے اسلام قبول کیا۔ (۱۵)

غلاموں کی آزادی

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ایسے مسلمانوں کو جو غلام تھے اور جن کے کافر آقا انہیں قبول اسلام کی پاداش میں نہایت درجہ اذیت دیتے تھے‘ اپنے خاص مال سے خرید کر آزاد کر دیا۔ ایسے اصحاب میں حضرت بلال بن رباح غلام امیہ بن خلف جمحی‘ طفیل بن عبداللہ کے غلام عامر بن فہیرہ‘ ابوفکیہہ غلام صفوان بن امیہ جمحی اور خواتین میں لبینہ بنی عدی بن کعب کی باندی‘ بنی مخزوم کی باندی زنیرہ‘ بنو عبدالدار کی باندی نہدیہ اور بنو زہرہ کی باندی ام عبیس شامل ہیں۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلاموں اور باندیوں کی تعداد انہیں سات افراد پر مشتمل نہیں ہے‘ یہ تعداد صرف مشہور لوگوں کی ہے۔ (۱۶)

راہ حق میں ابتلاء

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام اور ان کی تبلیغ حق و نصرت دین سے کفار قریش بہت برہم ہوئے اور انہوں نے انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ چنانچہ ایک بار آپ کے اصرار پر آنحضرت ﷺ مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کو لے کر مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ ابھی مسلمان بیٹھے ہی تھے اور حضرت ابوبکر صدیق خطبہ دے رہے تھے کہ کفار مکہ نے ان لوگوں کو آلیا اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو کفار نے اتنا مارا کہ وہ گر کر بے ہوش ہو گئے اور جینے کی امید باقی نہ رہی۔ آپ کے قبیلہ والے اٹھا کر گھر لائے اور تیمارداری میں مصروف ہوئے لیکن جیسے ہی انہیں ہوش آیا انہوں نے اپنی تکلیف سے بے فکر ہو کر رسول مقبول ﷺ کی خیریت دریافت کی‘ اس پر آپ کے اعزہ ناراض ہو کر چلے گئے۔ مگر وہ اسی حالت میں اپنی والدہ کے ہمراہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دار ارقم میں حاضر ہوئے اور چہرہ اقدس کو بوسہ دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل مکہ کے ان مظالم سے بے پرواہ عبادت و

حمایت اسلام میں لگے رہے چنانچہ جب کبھی انہیں اطلاع ملتی کہ کفار رسول اکرم ﷺ کو تکلیف دے رہے ہیں تو آپ سینہ سپر ہو جاتے اور کفار کے مقابلے میں آپ کی علانیہ حمایت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے یہی نہیں کیا بلکہ اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بنا کر اللہ کی عبادت کرنی شروع کی۔ کفار مکہ مانع ہوئے۔ مجبوراً آپ نے مکہ چھوڑ کر چلے جانے کا ارادہ کیا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ مکہ سے نکل پڑے۔ راہ میں برک الغماد کے مقام پر قبیلہ قارہ کے رئیس ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی اس نے مکہ سے ہجرت کا سبب دریافت کیا اور آپ کو باصرار واپس لا کر قریش کو ایسے شریف و معزز شخص کی اذیت رسانی پر ملامت کی اور انہیں اپنے جوار میں لے لیا۔ لیکن جلد ہی آپ کی تبلیغ دین سے کفار پریشان ہو گئے' انہوں نے ابن الدغنہ سے اس کی شکایت کی اور آپ نے اس کے جوار (پناہ) میں رہنے سے انکار کر دیا اور علانیہ اسلام کی تبلیغ و قرآن خوانی میں مشغول ہو گئے (۱۷)

انفاق مال

اسلام کے ابتدائی سالوں میں دوسری پریشانیوں کے ساتھ ہی ایک بڑی پریشانی یہ بھی تھی کہ بیشتر وہ اصحاب جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا مالی اعتبار سے کسی خاص حیثیت کے مالک نہ تھے اور تبلیغ کی راہ میں جو مالی دشواریاں تھیں ان پر قابو پانا چنداں آسان نہ تھا' حضرت ابوبکر صدیق ایک ذی حیثیت تاجر اور مالی لحاظ سے خوش حال تھے۔ انہوں نے اللہ کے دین کی اشاعت میں مال خرچ کرنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ ہجرت کے بعد ان کے انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر آگے آئے گا۔ ہجرت سے پہلے انہوں نے متعدد غلاموں اور باندیوں کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا اور مختلف مواقع پر آنحضرت ﷺ کی مالی خدمت انجام دی چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:-

مانفعنی مال احد اقطُ مانفعنی مال ابی بکر — مجھے ابوبکر کے مال نے جتنا نفع پہونچایا ہے کسی اور کے مال نے نہیں پہونچایا ہے

روایتوں میں آتا ہے کہ قبول اسلام کے وقت حضرت ابوبکر صدیق کے پاس چالیس

ہزار درم نقد موجود تھے' وہ سب وقتاً فوقتاً اسلام کی راہ میں خرچ ہوتے گئے اور ہجرت کے وقت اس میں سے پانچ ہزار کی رقم بچ پائی تھی اسے بھی انہوں نے سفر ہجرت میں اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ (۱۸)

ہجرت

کفار مکہ کے مسلسل انکار اور مسلمانوں پر ان کے تشدد کے نتیجے میں جناب رسول اکرم ﷺ کو ایک دار الہجرت کی تلاش تھی جہاں اطمینان سے بیٹھ کر اللہ کی عبادت اور اس کے دین کی اشاعت کی جا سکے۔ جب بیعت عقبہ کے بعد یثرب میں اسلام پھیلنے لگا اور اہل یثرب نے مسلمانوں کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو مدینہ چلے جانے کی اجازت دے دی۔ جلد ہی ایسے تمام لوگ جو ہجرت پر قادر تھے اور جن کی راہ میں کوئی بڑی رکاوٹ نہ تھی مکہ سے نئے دار الہجرت کی سمت چل دیئے اور مستضعفین (کمزور اور کفار کی قید میں رہنے والے حضرات) کے سوا کوئی اور نہ رہ گیا تو آنحضرت ﷺ نے بنفس نفیس ہجرت کا ارادہ فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق کو جو آپ کے حکم سے مکہ ہی میں رکے ہوئے تھے شرف ہم رکابی بخشا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اس سفر کی خاصی تیاری کر رکھی تھی' سواری' زاد راہ' دلیل راہ اور دوسرے ضروری انتظامات مکمل تھے۔ اس لئے آنحضرت کا اشارہ پاتے ہی ہجرت کے پرخطر سفر پر گھر سے اہل وعیال و مال و دولت چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔

راہ حق کے ان مقدس مسافروں کی پہلی منزل غار ثور تھی' یہاں تین شب قیام رہا۔ انتظام یہ کیا گیا تھا کہ رات کے وقت حضرت ابوبکر صدیق کے نوجوان صاحب زادہ عبداللہ بن ابی بکر کھانا لے کر آتے اور قریش مکہ کی سرگرمیوں کی جو آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تلاش میں تھے' اطلاع بہم پہونچاتے تھے۔ حضرت عبداللہ صبح ہوتے ہی وہاں سے مکہ واپس آ جاتے تھے۔ اس طرح حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ ان کی بکریاں لے کر غار کے دہانے پر آتے اور دودھ سے دونوں کی تواضع کرتے تھے۔ واپسی

میں یہ بکریوں کے ریوڑ قدموں کے نشانات مٹا دیتے تھے تاکہ قریش کو ان لوگوں کی غار میں موجودگی کا پتہ نہ چل سکے۔ قریش کے دستے ان دونوں بزرگوں کی تلاش میں برابر مصروف رہے اور ایک بار وہ اتنے قریب پہونچ گئے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں کفار آنحضرت ﷺ تک نہ پہونچ جائیں۔ اس پر رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کو تسلی دی اور تائید خداوندی کا یقین دلایا آپؐ نے فرمایا:۔

ماظنك يا ابابكر باثنين الله ثالثهما؟

اے ابوبکر ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہے۔

اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

الاّ تنصروه فقد نصره الله اذ اخرجه الذين كفروا ثاني اثنين اذهما في الغار اذ يقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا (۱۹)

اگر تم لوگ رسول کی مدد نہ بھی کرو (تو کیا ہوا) کیونکہ اللہ نے ان کی اس وقت مدد کی جب انہیں کافروں نے (مکہ سے) نکال دیا تھا' وہ (رسول) ان دو (رسول اکرمؐ اور ابوبکر صدیقؓ) میں دوسرے تھے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے (اور) اس وقت (رسول اکرمؐ) اپنے ساتھی (حضرت ابوبکر صدیقؓ) سے کہہ رہے تھے "کچھ فکر نہ کرو بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔"

غار ثور میں تین راتیں ٹہر کر آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھی (صاحب) حضرت ابوبکر صدیق کے ہمراہ غیر معروف راستے سے عبداللہ بن اریقط نامی راہ نما کی رہنمائی اور حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ کی معیت میں یثرب کی سمت روانہ ہوئے یہ سفر مدینہ کی بالائی بستی عالیہ یا قبا پر آکر ختم ہوا۔ یہاں دو ہفتہ قیام کے بعد حضرت ابوبکر صدیق آنحضرت ﷺ کے ساتھ یثرب پہونچے۔ (۲۰)

قیام مدینہ

مدینہ پہونچے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بنو حارث بن خزرج کے رئیس حضرت خارجہؓ بن زید بن ابی زہیر کے ہاں مدینہ کی قریبی بستی سنخ میں قیام کیا۔ بعد میں انہوں نے اپنا الگ گھر بنالیا اور وہیں اٹھ آئے۔ یہ گھر کیا تھا بالوں سے بنا ہوا ایک حجرہ تھا اور بس۔ رسول ﷺ نے جب انصار و مہاجرین کے مابین عقد مواخات باندھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مواخات انہیں حضرت خارجہؓ سے ہوئی۔ اس رشتہ مودت کو مزید استحکام اس وقت ملا جب حضرت خارجہؓ کی دختر حبیبہؓ سے حضرت ابوبکر نے نکاح کرلیا۔ جب رسول اکرم ﷺ نے مدینہ میں مہاجرین کو رہائشی قطعات دیئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی مسجد نبویؐ کے قریب زمین عطاء کی جہاں انہوں نے مکان تعمیر کیا۔ وہ خلافت کے چھ ماہ بعد سنخ سے مستقل مدینہ منتقل ہوگئے۔

مدینہ میں بھی ان کا ذریعہ معاش کپڑوں کی تجارت تھا۔ اس کے علاوہ ان کے اس بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ بھی تھا' جسے کبھی وہ خود چراتے اور کبھی دوسرے لوگ۔ فتح خیبر کے بعد رسول ﷺ نے سو وسق غلہ ان کے لئے مقرر کردیا تھا (۲۱)

مسجد نبویؐ کی تعمیر

رسول اکرم ﷺ نے جب مسجد نبوی کی تعمیر کا قصد فرمایا تو اس مقصد کے لئے جو قطعہ زمین خریدا گیا اس کی قیمت دس دینار تھی۔ یہ رقم حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ادا کی۔ یہ ادائیگی یقیناً اس پانچ یا چھ ہزار درم کی رقم سے کی گئی ہوگی جو ہجرت کے وقت وہ مکہ سے ساتھ لے کر چلے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسجد کی تعمیر میں دوسرے مسلمانوں کی طرح مزدوری کی سعادت بھی حاصل کی۔ (۲۲)

غزوات

ہجرت کے بعد کفار عرب کے خلاف بالعموم اور قریش کے خلاف بالخصوص غزوات و

سرایا کے سلسلے شروع ہوئے۔ ان غزوات میں حضرت ابو بکر صدیق نے نہ صرف شرکت کی بلکہ ہر طرح کی جانی و مالی قربانی پیش کی۔ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ لیا جاتا اور ان کے حسن تدبر سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔

اسلام وکفر کے پہلے معرکہ بدر میں جسے اسلام کی تاریخ میں نہایت اہمیت حاصل ہے 'میدان جنگ کے کنارہ پر مسلمانوں نے رسول ﷺ کے لئے ایک سائبان (عریش) تعمیر کیا جس میں آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق شمشیر بکف موجود تھے۔ آغاز جنگ سے پہلے رسول مکرم ﷺ نے مسلمانوں کی کامیابی کی دعا مانگی۔ فرط استغراق سے ردائے مبارک کا گوشہ ڈھلک گیا جسے رفیق عریش نے جو رفیق غار بھی تھا ہاتھ سے برابر کیا۔

جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو حضرت ابو بکر صدیق نے بڑھ چڑھ کر داد شجاعت دی' ان کے بڑے صاحبزادے عبدالرحمٰن اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے مبارز طلبی کی' صدیق رسول آگے بڑھے مگر رحمت عالم نے یہ کہہ کر آگے بڑھنے سے روک دیا کہ "متعنی بنفسک یعنی مجھے اپنی ذات سے فائدہ اٹھانے دو۔"

جنگ کے خاتمہ پر جب اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی تو اسیران جنگ کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ یہ سب اپنے عزیز وقریب ہی ہیں ان سے نرمی کا معاملہ کیا جانا چاہئے اور ان سے زر فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہئے۔ چنانچہ اس مشورہ پر عمل کیا گیا اور اسیران جنگ کو فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔

۳ھ میں احد کا غزوہ پیش آیا۔ حضرت ابو بکر صدیق اس میں بھی شریک تھے اور جب عارضی طور سے مسلمانوں کو شکست ہوئی اور رسول اکرم ﷺ مجروح ہوئے تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن اس نازک موقع پر بھی جن اصحاب کے پائے ثبات کو لغزش نہ ہوئی اور وہ رسول برحق کے گرد ڈھال بنے رہے ان میں سیدنا ابو بکر صدیق بھی تھے۔ اس کے بعد قریش کے تعاقب پر جن لوگوں کو روانہ کیا گیا ان میں بھی آپ شریک تھے۔

۵ھ میں خندق کی لڑائی میں رسول ﷺ نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر شہر کا دفاع کیا تھا۔ اس خندق کے ایک حصہ کی کھدائی اور اس کے دفاع پر سیدنا ابو بکر صدیق مامور تھے جہاں بعد میں ایک مسجد تعمیر کی گئی اور اسے مسجد صدیق کا نام دیا گیا۔

۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول ﷺ کے ہم رکاب تھے اور قریش کے نمائندہ عروہ بن مسعود کا انہوں نے اس کی تلخ کلامی کے جواب میں ترکی بہ ترکی جواب دے کر اس کا منہ بند کر دیا تھا۔ اسی طرح جب صلح کی یک طرفہ شرائط پر حضرت عمر فاروق برہم ہوئے تو حضرت ابو بکر صدیق نے ہی انہیں صلح کی حکمت اور نبیؐ کے فعل کو عین منشائے الٰہی بتا کر مطمئن کیا تھا۔

۷ھ کے اوائل میں خیبر کے یہود کی شرانگیزیوں کے سد باب کی غرض سے ان پر فوج کشی کی گئی۔ اس مہم میں بھی حضرت ابو بکر صدیق شریک تھے۔

۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر بھی حضرت ابو بکر رسول ﷺ کے ہم رکاب تھے۔

فتح مکہ کے بعد حنین کے مقام پر بنو ہوازن کے جتھوں سے معرکہ آرائی ہوئی۔ اس میں بھی حضرت ابو بکر صدیق شریک تھے۔ جب مسلمانوں افواج کا کافروں کی تیز اندازی سے ابتداء میں پسپائی ہوئی اور رسول مکرم ﷺ کے گرد چند جان نثار رہ گئے تو ان میں حضرت ابو بکر بھی تھے۔

۹ھ میں تبوک کی مہم پیش آئی۔ یہ شامی عربوں اور ان کے حامی رومیوں کے خلاف منظم کی گئی۔ اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہ صرف شرکت کی بلکہ رسول اللہ ﷺ کی مالی امداد کی اپیل پر اپنا سارا اثاثہ لا کر حضور پرنور کے قدموں میں ڈال دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ 'ابو بکر! اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا۔' جان نثار رسولؐ نے جواب دیا "ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔"

ان غزوات کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق نے متعدد سرایا میں بھی شرکت کی اور بعض کے وہ امیر الجیش بھی رہے۔ مثلاً غزوہ ذات السلاسل' سریہ بنو فزارہ وغیرہ میں دوسرے

صحابہ کے ساتھ حضرت صدیق اکبرؓ بھی شریک تھے (۲۳)

امارت حج

اگر چہ مکہ ۸ھ میں فتح ہو گیا تھا مگر اس سال حج قریش کے جاہلی طریقوں سے ہی ادا کیا گیا۔ ۹ھ میں اسلامی طریقے پر پہلا حج ادا کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق کو مسلمانوں کا پہلا امیر الحج مقرر کر کے تین سو مسلمانوں کے ہمراہ مکہ روانہ کیا۔ ساتھ میں قربانی کے بیس (۲۰) جانور بھی تھے' خود حضرت ابو بکر صدیق کے اپنے پانچ اونٹ قربانی کی غرض سے ان اونٹوں کے علاوہ تھے۔ حضرت ابو بکر نے امیر الحج کی حیثیت سے مسلمانوں کی قیادت کی اور خطبہ حج دیا۔ حضرت علی ان کے ساتھ تھے اور انہیں نے آیت برأت پڑھ کر سنائی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا ۱۰ھ میں رسول اکرم ﷺ نے بنفس نفیس امارت حج کے فرائض انجام دیئے' اس میں حضرت ابو بکر صدیق بھی آپ کے ساتھ تھے۔ (۲۴)

رسول اکرمؐ کی علالت

صفر ۱۱ھ کی آخری تاریخوں میں رسول اکرم ﷺ کی علالت شروع ہوئی جو مستند روایات کی رو سے تیرہ دن تک جاری رہی۔ آپ ﷺ اپنی علالت کے آخری آٹھ دنوں میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں فراش رہے جب تک آمد و رفت کی قوت رہی آپ مسجد نبوی میں امامت کی خاطر تشریف لاتے تھے۔ مگر جب ضعف بڑھ گیا اور آپ کے لئے حجرہ اقدس سے نکل کر مسجد میں آنا اور نماز کی امامت دشوار ہوا تو آپ نے حضرت عائشہ کو حکم دیا کہ ابو بکر نماز کی امامت کریں' یہ ۸ ربیع الاول کی نماز عشاء تھی۔ یوں رسول اکرم ﷺ نے جو آخری نماز پڑھائی وہ ۸ ربیع الاول ۱۱ھ کی نماز مغرب تھی (۲۵)

حضرت ابو بکر صدیق کی امامت نماز

رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت ابو بکر صدیق نے ۸ ربیع الاول ۱۱ھ کی نماز عشاء سے لے کر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کی نماز فجر تک کل سترہ نمازیں حیات نبویؐ میں مسجد نبویؐ میں پڑھائیں۔ اس دوران ایک نماز میں ایسا ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق نماز کی امامت کر رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ افاقہ محسوس کیا اور مسجد میں تشریف لائے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیق پیچھے ہٹنے لگے آنحضرت ﷺ نے انہیں اشارے سے منع کیا اور خود حضرت ابو بکر صدیق کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اب حضرت ابو بکر صدیق آنحضرت ﷺ کی اور دوسرے مسلمان ان کی امامت میں نماز ادا کر رہے تھے۔ (۲۶)

آنحضرت ﷺ کا آخری خطبہ

امام بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنی علالت کے دوران میں لوگوں کو جو خطبہ دیا اس میں یہ بھی فرمایا

ان من امن الناس علی فی صحبتہ و مالہ ابوبکرؓ ولو کنت متخذاً خلیلا غیر ربی فاتخذت ابابکر خلیلا لکنّ اخوۃ الاسلام و مووتہ لایبقین فی المسجد باب السر الاباب ابی بکر (۲۷)

لوگوں میں اپنی صحبت اور مال میں مجھ پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے وہ ابو بکر ہیں۔ اگر میں اپنے رب کے سوا کسی اور کو خلیل (دوست) بناتا تو وہ ابو بکر ہوتے۔ لیکن اسلام کا بھائی چارہ اور اسکی محبت ہے۔ ہماری مسجد میں جتنی چھوٹی کھڑکیاں اور دروازے ہیں' وہ سب ابو بکر کے دروازے کے علاوہ بند کر دیئے جائیں۔

اس طور سے جناب رسول اکرم ﷺ نے اپنی دنیوی زندگی کے آخری لمحات میں اس بات کے واضح اشارے دے دیئے کہ ان کے جانشین اور خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق

رضی اللہ عنہ ہی ہیں اور ان کی موجودگی میں کسی اور کی خلافت کا امکان نہیں ہے کیونکہ امامت نماز جو آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص تھی' آپ نے اپنی زندگی میں اس پر اپنا خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق کو بنایا اور مسجد نبویؐ میں آمد کے لوگوں کے تمام دروازوں کو آپ کے دروازے کے سوا بند کرادیا' جس کا مطلب یہ تھا کہ امور مملکت کی انجام دہی میں حضرت ابوبکر صدیق کو مسجد نبویؐ میں آمد کی سہولت حاصل ہو۔

واقعہ قرطاس

جناب رسول ﷺ کی آخری علالت کے دوران میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ نے گھر میں موجود لوگوں سے فرمایا کہ لکھنے کا سامان لاؤ تا کہ میں تمہارے لئے ایسی بات لکھوا دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوسکو گے۔ اس پر جو لوگ وہاں اکٹھا تھے ان میں سے کچھ نے کہا کہ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے' اس وقت رسول اللہ ﷺ پر مرض کی نہایت شدت ہے' اس لئے آپ کو زحمت نہ دینی چاہئے' جبکہ کچھ اور لوگوں نے لکھنے کا سامان لانا چاہا' ان کا خیال تھا کہ رسول خدا کی بات ماننی چاہئے' آپ خدانخواستہ کوئی فضول بات تو نہیں کہہ رہے ہیں' سو لوگ آپ سے یہ دریافت کرنے گئے' آپ ﷺ لوگوں کے اس اختلاف سے ناراض ہوئے' فرمایا نبی کے حضور جھگڑنا مناسب نہیں ہے' میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ' اس کے بعد لوگ اٹھ کر چلے گئے اور رسول مکرم ﷺ جو لکھوانا چاہتے تھے وہ نہ لکھوا سکے۔ مسلمانوں کے ایک فرقہ یعنی اہل تشیع کو اس امر پر اصرار ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی وصیت لکھوانا چاہتے تھے' مگر اسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے روک دیا' امت کو جائز خلیفہ سے محروم کردیا' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلا استحقاق اور منشائے رسول کے برخلاف خلیفہ بنادیا اور اس پر مستزاد یہ کہ رسول اللہؐ کے متعلق یہ کہا کہ آپؐ مرض کی شدت کے سبب ہذیان بک رہے ہیں (نعوذ باللہ)۔ تاریخ میں اسے واقعہ قرطاس کا نام دیا گیا ہے اور اس پر شیعی اور ان کے حامی مورخین نے خاصی خامہ فرسائی کی ہے' جبکہ اہل سنت نے ان کے جواب دیئے ہیں۔

روایات کی حقیقت

نفس واقعہ سے متعلق روایات امام بخاری اور امام مسلم کی صحیحین میں موجود ہیں' مگر ان روایتوں کے آخری راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور ان کے سوا کسی اور صحابی نے اس واقعہ کو بیان نہیں کیا ہے۔ حضرت عبداللہ کا سن آنحضرت ﷺ کے وصال کے وقت بارہ تیرہ سال سے زیادہ نہ تھا اور نیز اس لئے کہ یہ واقعہ جب پیش آیا تو متعدد صحابہ بشمول حضرات ابوبکر صدیق' عباس' علی وغیرہ رضی اللہ عنہم وہاں موجود تھے اور سبھی اس واقعہ کے عینی شاہد تھے' لیکن روایت صرف ایک نوعمر صحابی نے کی اور وہ بھی اس حال میں کہ وہ وہاں خود موجود نہ تھے۔ علامہ شبلی نعمانی نے "الفاروق" میں اس روایت پر اشتباہ ظاہر کیا ہے۔ (۲۸) بعض روایتوں میں حضرت عبداللہ بن عباس کے اس تاسف کا بھی ذکر ہے جو انہوں نے اس واقعہ کو بیان کرتے وقت ظاہر کیا اور کہا:-

"الرزية كل الرزية ماحال بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين ان يكتب لهم ذلك الكتاب لاختلا فهم و لغطهم (۲۹)

مصیبت' تمام تر مصیبت۔ لوگوں کے آپ کے اختلافات اور زور زور سے بات کرنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے لئے وہ تحریر نہ لکھوا سکے (جس کے بعد لوگ نہ بھٹکتے)۔

اس سے قطع نظر کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی کیا حیثیت ہے' ہم امر واقعہ کو واضح کرنے کی غرض سے صحیح بخاری کی روایت کو پہلے نقل کرتے ہیں اس کے بعد صورت حال کی وضاحت خود بخاری و مسلم کی ان مرویات سے کریں گے جو رسول اکرم ﷺ کی آخری علالت کے دوران کتابت وصیت سے متعلق ہیں:-

عن سعيد بن جبير قال قال ابن عباس' يوم الخميس و مايوم الخميس' اشتد برسول الله صلى الله عليه وسلم وجعه فقال ائتوني اكتب لكم كتاباً لنتضلوا بعده امراً' اختناز عوا ولا ينبغي عندنبي

تنازع" فقالوا ماشأنه اهجر استفہموہ' فزھبوا یردون علیہ' فقال دعونی فالذی انافیہ خیر" مماتدعونی (۳۰)

سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ ابن عباس نے کہا' جمعرات کا دن' اور کیسا جمعرات کا دن' رسول اللہ ﷺ کی علالت میں اس روز بڑی شدت تھی' سو آپ نے فرمایا میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ' میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے' اس پر جو لوگ وہاں گھر میں موجود تھے ان میں اختلاف پیدا ہوا اور نبی کے سامنے تنازع مناسب نہیں' کچھ لوگوں نے کہا آخر بات کیا ہے آپ ﷺ فضول بات تو نہیں کہہ رہے ہیں' آپ سے پھر دریافت کرلو (سمجھ لو) سو لوگ آپ کے پاس گئے اور بات دہرائی' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو' کہ میں جس حال میں ہوں' اس سے بہتر ہوں جس کی طرف تم لوگ مجھے بلا رہے ہو۔

بخاری ہی کی دوسری روایت ہے جسے حضرت ابن عباس سے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے بیان کیا ہے یہ کہ اس موقع پر جن لوگوں نے لکھوانے کی مخالفت کی ان کا کہنا یہ تھا:-

فقال بعضہم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد غلبہ الوجع' وعند کم القران' حسبنا کتاب اللہ (۳۱)

اس پر کچھ لوگوں نے کہا' رسول اللہ ﷺ پر درد کا غلبہ ہے' تمہارے پاس قرآن ہے' ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

اس سلسلے کی مرویات کے استقصاء سے پہلی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ کی جانب سے ہذیان بکنے کی نسبت کسی روایت میں موجود نہیں ہے۔ روایت میں "اھجر" کا لفظ جو آیا ہے' اس پر بخاری کے تمام راویوں کا اتفاق ہے کہ اس میں ہمزہ استفہام انکاری ہے اور حاضرین میں سے کسی نے رفع اختلاف کی غرض سے یہ کہا کہ آنحضرت ﷺ کوئی فضول یا حیرت کی بات تو نہیں کہہ رہے ہیں اس لئے آپ سے اس بارے میں پھر دریافت کر لیا جائے' چنانچہ لوگوں نے ایسا کیا بھی' مگر آپ ﷺ نے یہ کہہ کر

لوگوں کو منع فرما دیا کہ میرے پاس سے چلے جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو (۳۲) اس بناء پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی پر یہ الزام عائد کرنا کہ انہوں نے رسول خدا ﷺ کی شان میں ہذیان کا لفظ استعمال کیا' بالکل غلط' بے بنیاد اور قابل اعتراض ہے۔ دوسرا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ بعض صحابہ بشمول حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل نہیں کی اور لکھنے کے لئے سامان کتابت مہیا نہ ہونے دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس عدم تعمیل کا الزام صرف انہیں پر عائد نہیں کیا جا سکتا جنہوں نے اس کی مخالفت کی' بلکہ ان پر بھی یہ الزام چسپاں ہوتا ہے جنہوں نے اس کی موافقت کے باوجود تعمیل ارشاد نبوی سے پہلوتہی کی' ان اصحاب میں حضرت عباس و علی رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔ محدثین نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس منع کرنے کو ان کے محاسن و مآثر جمیلہ میں شمار کیا ہے' انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی تکلیف کے پیش نظر ایسا کیا (۳۳) پھر یہ کہ اگر کوئی تحریر ضروری ہوتی تو اس واقعہ کے بعد جناب رسول اکرم ﷺ چار دن تک اس دنیا میں رہے' اگر ایسا کرنا ضروری ہوتا تو آپ اپنی وصیت لکھوا دیتے اور اس میں کسی کی مخالفت ہرگز ہرگز کارگر نہ ہوتی جب کہ آپ ﷺ نے اس علالت کے زمانے میں یہ وصیت بھی فرمائی کہ

واوصی عند موتہ بثلاث: اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب و اجیزوا الوفد بخوما کنت جیزھم و نسیت الثالثہ (۳۴)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے قریب وصیت فرمائی کہ جزیرہ عرب سے مشرکین کو نکال دیا جائے' اور جس طرح میرے زمانے میں وفود کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا تھا اسی طرح ان سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ راوی کا بیان ہے کہ تیسری وصیت وہ بھول گیا۔

اس طرح ایک روایت میں جو تحریر نہ لکھنے پر حضرت ابن عباس کے تاسف کا ذکر ہے

وہ بھی محض ان کا شبہہ ہے' یا پھر راوی عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کا اشتباہ ہے۔

شاہ ولی اللہ کا تبصرہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے شرح تراجم ابواب البخاری میں اس پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ "اس حدیث یعنی رسول اللہ ﷺ کے تحریر کے حکم کے تمام طرق کے تتبع کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ ابن عباس کا اظہار تاسف یا اضطراب ان کے بہت سارے شبہات کی طرح شبہہ ہی شبہہ تھا۔ کیوں کہ صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ اس موقع پر حضرات ابوبکر و علی جیسے صحابہ موجود تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے اس حکم کا یہ مطلب سمجھا کہ اس تحریر (کتابت) سے آپ کا مقصد صرف قرآن کے احکام کی تائید و توثیق تھا۔ اگر اس کے سوا آپ ﷺ کی منشاء کچھ اور ہوتی تو آپ تحریر کرنے کا حکم دوسری بلکہ تیسری بار بھی دیتے' کیوں کہ اس واقعہ کے کئی روز بعد تک آپ حیات تھے اور اس دوران میں آپ کو افاقہ بھی ہوا تھا۔ اس کے باوجود یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت علی کو کاغذ اور دوات لانے کا حکم دیا تا کہ کچھ احکام تحریر کرادیں' مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زبانی وصیت پر اصرار کیا اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں جزیرہ عرب سے مشرکین کے اخراج' وفود کے ساتھ حسن سلوک اور انصار کا خیال رکھنے کا حکم دیا۔ اس بناء پر ابن عباس کے شبہہ کو درست سمجھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس پر اعتماد کر کے صحابہ کی شان میں چہ می گوئیاں کی جائیں' کیوں کہ وہ نوخیز اور سن بلوغ کے قریب تھے اس لئے معتبر وہی بات ہے جسے کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سمجھا (۳۵)

رسول اللہ کیا لکھوانا چاہتے تھے

یہ خیال کہ جناب رسول اکرم ﷺ اپنے جانشین کے بارے میں لکھوانا چاہتے تھے تو وہ جانشین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہو سکتے تھے۔ بخاری میں مروی ہے کہ علالت کے زمانے میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:۔

لقد ہممت او اردت ان ارسل الی ابی بکر وابنہ و اعہد ان یقول القائلون او یتمنی المتمنون ثم قلت یابی اللہ ویدفع المومنون (۳۶)

میں نے چاہا اور ارادہ کیا کہ ابوبکر کو اور ان کے بیٹے کو بلا کر خلافت ان کے سپرد کردوں تا کہ تمنا کرنے والے اور کہنے والے ان کے برخلاف نہ کہیں۔ پھر میں نے یہ کہا کہ اللہ اس کا انکار کرے گا اور مومنین اس کی مدافعت کریں گے یعنی اگر ابوبکر کے سوا کسی اور نے خلافت کی تمنا کی یا اس کا دعویٰ کیا تو اللہ اور اہل ایمان ایسا نہیں ہونے دیں گے۔

صحیح مسلم میں بھی اس کی تائیدی روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آنحضرت ﷺ نے اپنی علالت کے دوران میں فرمایا:۔

ادعی لی اباہکر اباک واخاک حتی اکتب کتاباً فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی و یابی اللہ و المومنون الا اباہکر (۳۷)

اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ' تا کہ میں ایک تحریر لکھ دوں' کیوں کہ مجھے ڈر ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہے کہ امر خلافت کا میں زیادہ مستحق ہوں۔ حالانکہ اللہ اور مومنین ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو نامنظور کردیں گے۔

لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جلالت شان اور افضلیت وقبول عام کی وجہ سے آپ ﷺ نے آپ کی جانشینی کی وصیت لکھوانا غیر ضروری سمجھا۔

حضرت علی کی خلافت سے واقعہ قرطاس کا تعلق

جہاں تک اس تحریر کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات سے تعلق بتایا جاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ آپ کی خلافت کا پروانہ لکھوانا چاہتے تھے تو یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں

ہوتی۔ بخاری کی ایک اور روایت سے پتا چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بارے میں شبہ تھا کہ انہیں جانشین بنایا جائے گا' اسی لئے انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مشورے کو نہ مانا اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنی جانشینی کی درخواست لے کر نہ گئے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

اذھب بنا الی رسول اللہ ﷺ فلنسالہ فیمن ہذا الامر' ان کان فینا علمنا ذلک' وان کان فی غیرنا علمناہ فاوصی بنا' فقال علی انا واللہ ان سالناھا رسول اللہ ﷺ فمنعنا ھالا یعطینا ھا الناس بعدہ' وانی واللہ لا اسالھا رسول اللہ ﷺ ۔(۳۸)

(حضرت عباس نے حضرت علی سے کہا) آؤ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں' ان سے پوچھیں کہ آپ کے بعد (آپ کی خلافت) کس کو ملے گی' اگر یہ ہم میں ہوئی تو ہم جان جائیں گے' اگر ہمارے علاوہ کسی اور کو یہ ملی تو ہمیں اس کا علم بھی ہو جائے گا اور رسول اللہ ﷺ اس سے ہمارے حق میں وصیت فرما دیں گے۔ یہ سن کر حضرت علی نے کہا: خدا کی قسم اگر ہم اس کا رسول اللہ ﷺ سے سوال کریں اور آپ ہمیں منع کر دیں تو لوگ پھر ہمیں یہ منصب کبھی نہ دیں گے اس لئے میں رسول ﷺ سے اپنی خلافت کے بارے میں بالکل نہیں پوچھوں گا۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک طرح سے یہ علم تھا کہ رسول اکرم ﷺ کی جانشینی کا منصب انہیں نہیں ملے گا' اس لئے انہوں نے اس کے متعلق آپ سے دریافت کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اسے یک گونہ اپنے لئے خلاف مصلحت خیال کیا۔

شیعی روایات کا تضاد

شیعی روایات میں جو یہ اصرار ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی وصیت لکھوانے والے تھے' مگر لوگوں نے ایسا نہ کرنے دیا' تو اس سے خود ان کی روایات کا تضاد ظاہر ہوتا ہے' کیوں کہ ان کے ہاں یہ متفقہ روایت ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع سے لوٹتے وقت صحابہ کرام کے مجمع میں جو ایک بیان کے مطابق ستر (۷۰) ہزار افراد پر مشتمل تھا' غدیر خم کے مقام پر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت و جانشینی کا اعلان فرما دیا تھا (۳۹)' اس اعلان کے صرف تین ماہ بعد اپنے مکان میں اکٹھا چند نفوس کے روبرو اس خلافت کی اس لئے وصیت فرمانے کا ارادہ کہ لوگ آپ ﷺ کے بعد گمراہ نہ ہوں' نظر بظاہر تحصیل حاصل اور فعل عبث سے زیادہ نہیں۔ کیوں کہ جس امر کا مجمع کثیر میں اعلان کیا جا چکا تھا اور جسے قریب قریب ہر صاحب ایمان اور اہل اسلام اچھی طرح جانتا تھا اور یقیناً وہ قلیل تعداد حاضرین کی جو ارادہ تحریر کے وقت کاشانہ نبوی میں حاضر تھی' اس کو بھی اس امر خلافت و استخلاف مرتضوی کا علم تھا' اس امر کے حیطہ تحریر میں لانے کی ضرورت نہ تھی اور جو ایسا ہی ہوتا کہ جناب رسول اکرم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بابت ہی کچھ لکھوانے کا قصد فرمانے والے تھے' تو ہوا خواہان علی مثل عباس' مقداد' ابوذر' سلمان وغیرہ اس وقت اس تحریر پر اصرار کرتے یا پھر کسی دوسرے موقع پر کہ اس واقعہ کے بعد بھی جناب رسول اکرم ﷺ چار روز اس دنیا میں اپنے مادی جسم کے ساتھ رہے' یہ لوگ ضرور یہ تحریر لکھوا لیتے' لیکن ان بزرگوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے' اس بناء پر انہوں نے اس پر اصرار نہ کیا۔ اب اگر شیعی راویوں کے اصرار اور ان کی فہم کی رسائی کو درست مان لیا جائے تو غدیر خم پر استخلاف علی کی روایت کو انہیں ترک کرنا پڑے گا اور اس تضاد کے دور کرنے کی غرض سے دونوں باتوں میں سے صرف ایک پر یقین کرنا ہوگا' کیوں کہ دونوں باتیں بیک وقت درست نہیں ہو سکتیں۔

خلاصہ بحث

واقعہ قرطاس سے متعلق بحث کو ختم کرنے سے پہلے ایک بات اور ذہنوں میں ہونی چاہئے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ تکمیل دین کی بشارت دے چکا تھا' اپنی نعمت کے اتمام کی خوش خبری سنا چکا اور اہل ایمان کے لئے اسلام کو بطور دین پسند فرما چکا تھا:۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (۴۰)	آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا' اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں' اور تم سب کے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کیا۔

اس بشارت قرآنی کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ اب بھی مسلمانوں کی ہدایت اور انہیں گمراہی سے بچانے کی غرض سے کسی تحریر کی بجز قرآن کے کوئی ضرورت تھی' ناقابل فہم ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کچھ نے طلب قرطاس کے موقع پر کہا کہ ہمارے لئے قرآن کافی ووافی ہے۔

اس بحث سے واقعہ قرطاس کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یا تو آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے متعلق لکھوانے والے تھے اور پھر اس کی ضرورت نہ سمجھ کر آپ نے اسے ملتوی فرما دیا' یا پھر قرآن کے ساتھ تمسک پر زور دینے کی غرض سے ایسا فرمایا تھا یا پھر مشرکین کو عرب سے نکال دینے' وفود کی خاطر مدارات کرنے اور انصار مدینہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم تھا جو آپ نے بعد میں دیا بھی۔

"حواشی"

(۱) محمد بن سعد' الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ بیروت ۱۹۵۷ء جلد سوم' صفحہ ۱۶۹۔۱۷۱؛
عبد اللہ ابن قتیبہ' المعارف' مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء صفحہ ۷۳؛ ابوالحسن علی المسعودی' مروج الذہب ومعادن الجوہر' مطبوعہ سعادت مصر ۱۹۶۴ء جلد دوم' صفحہ ۳۰۵۔

(۲) ابن سعد' ۳: ۲۱۱؛ محمد بن جریر طبری' تاریخ الرسل والملوک' مطبوعہ دار المعارف مصر ۱۹۶۲ء جلد سوم صفحہ ۴۲۴' ۴۲۵۔

(۳) ابن اثیر' اسد الغابہ' مطبوعہ وہبیہ مصر ۱۲۸۰ھ جلد پنجم صفحہ ۲۷۵ و ۵۸۰؛ طبری ۳: ۴۲۷؛ ابن سعد ۳: ۲۱۱۔

(۴) ابن سعد ۳: ۲۰۲؛ طبری ۳: ۴۲۰؛ با اسد الغابہ ۳: ۲۲۳

(۵) ابن سعد ۳: ۱۸۸؛ طبری ۳: ۴۲۴؛ سیوطی' تاریخ الخلفاء مطبوعہ اصح المطابع کراچی صفحہ ۳۲؛ امام بخاری' الجامع الصحیح' مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ جلد اول صفحہ ۵۵۶

(۶) اسد الغابہ ۳: ۲۰۶

(۷) بلاذری' انساب الاشراف' مطبوعہ دار المعارف مصر ۱۹۵۹ء جلد اول صفحہ ۲۰۶؛ بخاری ۱: ۵۵۲ و ۵۵۳

(۸) اسد الغابہ ۳: ۲۰۶؛ ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' مطبوعہ المکتبۃ الفاروقیہ ملتان ۱۳۹۷ھ جلد اول صفحہ ۱۲۵ (برحاشیہ سہیلی)

(۹) بخاری ۱: ۵۵۲

(۱۰) تاریخ الخلفاء ۳۳

(۱۱) ابن سعد ۳: ۱۷۱ و ۱۷۲؛ المعارف ۷۴؛ انساب الاشراف ۱: ۱۰۶

ابوالقاسم سہیلی' الروض الانف مطبوعہ المکتبۃ الفاروقیہ' ملتان ۱۳۹۷ھ جلد اول صفحہ ۱۶۵؛ اسد الغابہ ۳:۲۰۶

(۱۲) شاہ ولی اللہ' ازالۃ الخفاء مطبوعہ لاہور ۱۳۹۶ھ جلد دوم صفحہ ۸

(۱۳) اسد الغابہ ۳:۲۰۸؛ سہیلی ۱:۱۶۵

(۱۴) اسد الغابہ ۳:۲۰۶

(۱۵) ابن ہشام ۱:۱۶۵

(۱۶) انساب الاشراف ۱:۱۸۴' ۱۹۳_۱۹۶؛

(۱۷) اسد الغابہ ۵:۵۸۰' بخاری ۱:۵۱۹' ۵۵۲ و ۵۵۳_

(۱۸) انساب الاشراف ۱:۲۶۱؛ صحیح مسلم' مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ جلد دوم صفحہ ۲۷۲؛ جامع ترمذی' مطبوعہ اصح المطابع' کراچی صفحہ ۵۲۶_

(۱۹) القرآن' التوبہ' آیت ۴۰_

(۲۰) بخاری ۱:۵۵۲ و بعد؛ سہیلی ۲:۴؛ انساب الاشراف ۱:۲۵۷_ ۲۶۱؛ ابن ہشام ۲:۲ و بعد

(۲۱) ابن ہشام ۲:۱۸؛ ابن سعد ۳:۱۷۵' ۱۸۵' ۱۸۶' ۵۲۴ و ۵۲۵_

(۲۲) بخاری ۱:۵۵۵

(۲۳) ابن ہشام ۲:۶۸' ۱۳۷' ۲۲۸' ۲۳۰' ۲۳۱' ۲۳۹' ۲۷۰' ۲۸۹' ۳۵۹؛ ابن سعد ۲:۱۵' ۴۲' ۱۱۷' ۱۳۵' ۱۵۱' ۱۶۵؛ انساب الاشراف' ۱:۳۲۱' ۳۷۶' ۳۸۰' ۳۶۸؛ طبری ۲:۴۴۷' ۴۷۶' ۵۱۸' ۶۲۶' ۳:۱۲' ۷۴؛ ازالۃ الخفاء' ۲:۱۳_

(۲۴) ابن سعد' ۲:۱۶۸ و ۱۶۹؛ مسعودی' ۲:۲۹۷_

(۲۵) ابن سعد' ۲:۲۰۶؛ ابن ہشام ۲:۳۶۹_

(۲۶) ابن سعد' ۲:۲۱۲؛ ۳:۸۷ و بعد؛ ابن ہشام ۲:۳۷۰؛

(۲۷) بخاری' اول ص ۵۱۶_

(۲۸) شبلی نعمانی' الفاروق' مطبوعہ سلطان حسین اینڈ سنز کراچی (طبع اول) ص ۱۰۲

(۲۹) بخاری' دوم ص ۶۳۸_

(۳۰) بخاری' دوم' ص ۶۳۸_

(۳۱) ایضاً

(۳۲) بدر الدین عینی' عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری' جلد ہشتم' ص ۱۱۴' مطبوعہ استنبول ۱۳۰۸ھ

(۳۳) بخاری' دوم' ص ۶۳۸

(۳۴) بخاری' اول' ص ۴۲۹

(۳۵) شاہ ولی اللہ' شرح تراجم ابواب بخاری مشمولہ صحیح بخاری' اول' ص ۱۵' کالم ۲' سطر ۲۷ و بعد

(۳۶) بخاری' دوم' ص ۸۴۶

(۳۷) صحیح مسلم' دوم' ص ۲۷۳

(۳۸) بخاری' دوم' ص ۶۳۹_

(۳۹) نجم الحسن کراروی' چودہ ستارے' مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور' صفحہ ۸۳' ۸۴_

(۴۰) القرآن' سورہ مائدہ آیت ۳_

باب دوم

''بیعت خلافت''

وصالِ نبویؐ

١٢ ربیع الاول ١١ھ کو صبح کے وقت جناب رسالت مآب ﷺ کو افاقہ ہوا اور آپؐ نے اپنے حجرے سے مسلمانوں کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز فجر ادا کرتے دیکھا۔ اس سے مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے آپ کے مرض میں کمی دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ نماز کے اختتام پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی طبیعت کی بحالی کے پیش نظر اجازت لی اور اپنی قیام گاہ سنح جہاں ان کی بیوی حضرت حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ رہتی تھیں' تشریف لے گئے۔ مگر یہ افاقہ عارضی تھا اور سرور دو عالم ﷺ نے اسی دن چاشت کے وقت عالم جاودانی کی جانب رحلت فرمائی۔ آپؐ کے وصال کی خبر حضرت سالم بن عبید کے ذریعہ حضرت ابوبکر صدیق کو سنح میں ملی اور وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ منورہ آئے۔ یہاں مسجد نبوی میں عجیب افراتفری کی کیفیت تھی' صحابہ کرام حیران و پریشان اور غم سے نڈھال تھے۔ حضرت عمر فاروق جیسا باہمت بھی حواس کھو چکا تھا اور وہ یہ بات بار بار دہرا رہے تھے کہ حضور کا انتقال نہیں ہوا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق سکون و وقار کے ساتھ مجمع کو چیرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں' جہاں آقائے دو عالم ابدی نیند سو رہے تھے' داخل ہوئے' روئے مبارک سے چادر اٹھائی' ذرا دیر نظر جمائے دیکھتے رہے پھر جھکے چہرہ اقدس کو چوم لیا' آنکھیں ڈبڈبا آئیں' بے اختیار ہو کر رو پڑے' پھر اپنے ہوش مجتمع کئے اور بولے:

بابی انت وامی طبت حیاً ومیتاً' والذی نفسی بیدہ لا یذیقنک اللہ الموتتین ابداً' اما الموتۃ التی کتب اللہ علیک فقد متہا۔

آپؐ پر میرے ماں باپ قربان! آپ زندگی میں بھی پاک وصاف رہے اور موت کے بعد بھی پاک صاف ہیں' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' اللہ آپ کو کبھی دو موتیں نہ دیگا' وہ موت جو اللہ نے آپؐ کے لئے مقدر کی تھی وہ آپ کو آ ہی گئی۔

اس کے بعد مسجد میں تشریف لائے۔ لوگوں کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور پھر مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا

الامن کان یعبد محمداً فان محمداً (ﷺ) قدمات' ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لایموت

لوگو! جو شخص محمد (ﷺ) کی پرستش کرتا تھا (وہ سن لے) کہ محمد (ﷺ) کی موت واقع ہو گئی۔ اور جو اللہ کی پرستش کرتا تھا تو بے شک اللہ زندہ ہے' اور اس کے لئے موت نہیں۔

اس کے بعد آپ نے سورۃ آل عمران کی آیت ١٤٤ تلاوت فرمائی:۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیأ و سیجزی اللہ الشاکرین

اور محمد (ﷺ) اللہ کے ایک رسول ہیں' جن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں' سو اگر انہیں موت آ جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے تو تم لوگ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے کو لوٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہونچائے گا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلد جزاء دے گا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور انہیں آنحضرت ﷺ کی وفات کا یقین ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی اس حالت کا ذکر بعد میں ان الفاظ سے کیا ہے:۔

واللہ ماھو الا أن سمعتُ ابابکر یتلوھا فعقرتُ حتی وقعتُ الی

الارض' وما تجملنی رجلای' وعرفتُ ان رسولَ اللہِ قدمات (۱)

خدا کی قسم میں نے ابوبکر کو ان آیات کی تلاوت کرتے سنا تو دہشت زدہ ہوگیا' میں زمین پر گر پڑا' میرے پاؤں میرا بوجھ سہار نہ سکے اور مجھ پر یہ بات منکشف ہوگئی کہ رسول اللہ (ﷺ) کا انتقال ہوگیا۔

سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت

صحابہ کرام ابھی آنحضرت ﷺ کی وفات کے صدمے سے نڈھال تھے اور آپ کی تجہیز و تکفین کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے کہ دو بزرگ صحابہ جن کو جنگ بدر میں شرکت کا شرف حاصل تھا اور جن کے نام حضرت عویم بن ساعدہ اور معن بن عدی تھے نہایت عجلت میں مسجد نبوی آئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا:۔

باب فتنته' ان لم یغلقه اللہ بك فلن یغلق ابداً' هذا سعد بن عبادة الانصاری فی سقیفة بنی ساعدة یریدون ان یبایعوه

فتنہ کا دروازہ' اگر اسے آج اللہ نے آپ کے ہاتھوں بند نہ کیا تو وہ کبھی بند نہ ہوگا' یہ سعد بن عبادہ انصاری بنو ساعدہ کے سقیفہ (سائبان' چوپال) میں موجود ہیں اور لوگ ان کی خلافت کی بیعت کرنے والے ہیں۔

اس اطلاع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ کی جانب روانہ ہوئے' راستے میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح بھی ساتھ ہولئے۔ جب یہ لوگ وہاں پہونچے تو ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا اور انصار کا ایک خطیب تقریر کر رہا تھا:۔

فنحن الانصار و کتیبة الاسلام' وانتم یا معشر قریش رهط نبینا' وقد دفت الینا من قومکم دافة"

ہم انصار اور اسلام کا لشکر ہیں اور اے جماعت قریش تم ہمارے نبی (ﷺ) کی قوم سے ہو۔ اور تمہاری قوم میں کچھ لوگ ہماری جانب آہستہ آہستہ نقل مکانی کر کے آگئے۔

اس تقریر کو کاٹ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے گروہ انصار تم اپنے جن شرف و فضل کا ذکر کرو گے تم ان کے اہل ہو' لیکن عرب امارت و خلافت کو قریش میں ہی جانتے ہیں کیوں کہ وہ اپنے شہر و نسب کے اعتبار سے سارے عرب میں صاحب شرف ہیں' اور عرب انہیں کی اطاعت کریں گے۔ تمہارے سامنے عمر اور ابوعبیدہ دو آدمی موجود ہیں' ان میں سے جس کو پسند کرو اس کی بیعت کر لو۔" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس بات کے جواب میں ایک انصاری بولے "اگر ایسا ہے تو ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر (اے قریش) تم میں سے ہو۔" اس پر شور و شغب بڑھنے لگا اور حضرت حباب بن منذر انصاری نے سخت کلامی سے کام لیا' اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیش قدمی کی اور حضرت ابوبکر صدیق سے کہا "ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے کیوں کہ آپ ہم سب سے بہتر ہیں اور رسول اکرم ﷺ سب سے زیادہ آپ ہی سے محبت کرتے تھے۔" یہ کہہ کر حضرت عمر فاروق نے حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت کر لی اس کے ساتھ ہی مہاجرین و انصار نے آپ کی بیعت کر لی۔ صرف حضرت سعد بن عبادہ انصاری نے آپ کی بیعت سے تخلف کیا۔ (۲)

متخلفین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے تخلف کرنے والوں میں حضرت علی و حضرت زبیر اور بعض افراد بنی ہاشم بھی تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری حج سے لوٹنے کے بعد پہلے جمعہ کو مسجد نبویؐ میں مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع میں خطبہ دیا تھا اس میں آپ نے فرمایا تھا

انه کان من خبر ناحین توفی اللہ نبیه ﷺ ان علیاً و الزبیر' ومن معهما تخلفو عنافی بیت فاطمة و تخلفت عنا الانصار باسرها' و اجتمع المهاجرون الی ابی بکر' فقلت لابی بکر انطلق بنا ابی اخواننا هؤلا من الانصار فانطلقنا نحوهم

واقعہ یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے وفات پائی تو حضرت علی' زبیر اور ان کے حامی ہم سے علیحدہ ہو کر فاطمہ کے گھر میں اپنی خلافت کی سوچنے لگے اور تمام انصار بھی ہم سے الگ ہو کر اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنانے لگے اور مہاجرین ابوبکر کے گرد جمع ہو گئے' تو میں نے ابوبکر سے کہا آیئے ہم اپنے انصار بھائیوں کے پاس بات چیت کے لئے چلیں' سو ہم ان کے ہاں گئے۔

بہرکیف آنحضرت ﷺ کی جانشینی کا مسئلہ جو سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے مجمع اور بیت فاطمہ میں حامیان علی کے اجتماع کے باعث خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا تھا اسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے حسن تدبیر سے یوں حل کیا کہ انصار کی مخالفت ختم ہوگئی۔ اس کے بعد آپ اور دوسرے صحابہ آنحضرت ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔

بیعت عامہ:-

اس فرض کی ادائیگی کے بعد اگلے دن ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ کو مسجد نبوی میں حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت عام ہوئی۔ حضرت علی و زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک روایت کے مطابق اسی دن دوسروں کے ساتھ بیعت کر لی' مگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بیعت کی۔ لیکن بیعت کے جلد ہی بعد مرتدین کے خلاف مدینہ کی حفاظت کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق نے جو اقدامات کئے ان میں حضرت علی شریک تھے اور ایک حفاظتی دستے کی کمان ان کے ذمہ تھی۔ اس کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق ذوالقصہ کی جانب خود فوج لے کر روانہ ہوئے تو انہیں وہاں جانے سے حضرت علی ہی نے روکا۔ اس بنا پر قیاس یہی چاہتا ہے کہ حضرت علی نے آپ کی بیعت مسجد نبوی میں بیعت عامہ کے موقع پر کر لی تھی۔ طبری کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے:-

کان علی فی بیتہ اذ أُتی فقیل لہ' قد جلس ابوبکر للبیعۃ' فخرج

فی قمیص ماعلیہ ازار ولاارداء" عجلاً کراھیۃ ان یبطی عنھا' حتی بایعہ ثم جلس الیہ و بعث الی ثوبہ فاتاہ فتجللہ و لزم مجلسہ

حضرت علی اپنے گھر میں تھے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہا حضرت ابوبکر بیعت لینے کی غرض سے بیٹھے ہیں' یہ سن کر حضرت علی صرف کرتا پہنے نکل آئے ان کے جسم پر نہ تو پاجامہ تھا اور نہ چادر ہی تھی۔ انہیں جلدی اس لئے تھی کہ وہ بیعت میں پیچھے رہ جانے کو پسند نہیں کرتے تھے' سو انہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی۔ پھر ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے' اپنے کپڑے منگوائے جب وہ آ گئے تو انہوں نے کپڑے پہنے اور حضرت ابوبکر کی مجلس میں بیٹھے رہے۔

اس طرح حضرت زبیر نے بھی حضرت علی کے ساتھ ہی بیعت کر لی اور حضرت سعد بن عبادہ نے بھی بیعت کر لی تھی چنانچہ حضرت سعید بن زید کا بیان ہے کہ "حضرت ابوبکر کی بیعت رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دن ہی ہوئی' کیونکہ مسلمانوں کو یہ بات پسند نہ تھی کہ وہ دن کے تھوڑے وقت میں بھی جماعت کے بغیر رہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مخالفت مرتد یا اس شخص کے سوا جو قریب تھا کہ مرتد ہو جائے کسی اور نے نہ کی۔ کسی مہاجر نے ان کی بیعت سے تخلف نہ کیا اور وہ یکے بعد دیگرے آ آ کر بیعت کرتے گئے۔"(۳)

شیعی روایات

شیعی روایات کی رو سے جناب رسول خدا ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانشینی کا غدیر خم کے مقام پر اعلان کر دیا تھا' مگر لوگوں نے جان بوجھ کر رسول اکرم ﷺ کے حکم کو نظر انداز کیا اور چونکہ حضرت علی کی خلافت و حمایت کا یہ اعلان' اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا تھا اس لئے اس حکم رسول پر عمل نہ کر کے صحابہ کی عظیم اکثریت نے گناہ عظیم بلکہ کفر کا ارتکاب کیا۔ جناب رسول اکرم ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس حق کو تسلیم نہ کریں گے اس لئے انہیں وصیت فرمائی تھی کہ اس حالت میں وہ صبر و ضبط سے کام لیں اور مخالفین کے خلاف کوئی عملی اقدام نہ کریں' بصورت دیگر حضرت علی اپنے حق کی بازیابی کے

لئے پوری کوشش کرتے اور اپنے حق کے استقرار کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔ انہوں نے اپنے مشہور خطبہ میں جو ''خطبہ طالوتیہ'' کے نام سے مشہور ہے' اس کا ذکر یوں کیا ہے:۔

لولا عهد عهده اليّ النبي الامی صلی الله علیه و آله لاوردت المخالفین خلیج المنیته ولا درتُ علیهم شآسبیبَ سوا لحقِ الموتِ و عن قلیلِ سیعلمون (۴)

اگر وہ عہد و پیمان نہ ہوتا جو مجھ سے نبی امی ﷺ نے لیا ہے تو میں مخالفین کو موت کی کھاڑی میں جا اتارتا' اور ان پر موت کے کڑ کے کی بارش بھیجتا (یعنی انہیں موت کے گھاٹ اتار کر فنا کر دیتا) اور جلد ہی لوگ اپنا انجام جان لیں گے۔

مگر انہیں روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حصول خلافت کی غرض سے تگ و دو کی' لیکن لوگوں نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ ''خطبہ طالوتیہ'' میں جو آپ نے مدینہ میں دیا' اس فریب کا ذکر کیا ہے جو ان کے ساتھ کیا گیا' اور یہ کہا گیا کہ ان کے ساتھ اتنے لوگ بھی ہوتے جتنے بدر کے معرکہ میں شریک تھے یا ان کی تعداد اس قدر ہوتی جس قدر طالوت کے ساتھیوں کی تعداد تھی تو وہ اپنا حق حاصل کر لیتے۔ اس خطبہ کے بعد جب وہ مسجد نبوی سے نکل کر جا رہے تھے تو بھیڑوں کے باڑے پر ان کا گزر ہوا' وہاں بند بھیڑوں کی تعداد تیس تھی' فرمایا کہ اگر اتنے لوگ بھی میرے حامی ہوتے تو میں ابوبکر کو ان کے منصب سے ہٹا دیتا۔ بہرکیف شام کے وقت تین سو ساٹھ افراد نے ان کی حمایت کا اقرار کیا' آپ نے انہیں اگلے دن مدینہ میں مقام احجار الزیت میں جمع ہونے کا حکم دیا' مگر جب آپ وہاں پہونچے تو پانچ افراد کے سوا وہاں کوئی موجود نہ تھا' سو آپ نے مایوس ہو کر فرمایا:۔

اللهم ان القوم استضعفونی کما استضعفت بنو اسرائیل بهارون (۵)

اے میرے اللہ' لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا ہے جس طرح کہ بنو اسرائیل نے حضرت ہارون کو کم زور سمجھا تھا۔

اس طرح ''خطبہ وسیلۃ'' میں جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے سات دن بعد آپ نے دیا اور اس مدت میں آپ رضی اللہ عنہ قرآن جمع کر چکے تھے' آپ نے فرمایا کہ: ''رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد لوگ چشم زدن میں پلٹ گئے' رسول کے آثار کو بدل دیا' ان کے احکام سے' بے پرواہ ہو گئے اور ان کے انوار سے دور ہو گئے۔ رسول نے جسے اپنا جانشین بنایا تھا' اسے ظلم سے بدل کر دوسرے کو جانشین بنا لیا اور یہ گمان کیا کہ ابو قحافہ کے خاندان کے جس شخص (حضرت ابوبکر) کو انہوں نے منتخب کیا ہے وہ مقام رسول سے اولی و بہتر ہے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ان لوگوں کی یہ گواہی کہ ان کا صاحب (ابوبکر) رسول اللہ کا خلیفہ ہے' اسلام میں پہلی جھوٹی گواہی تھی۔ (۶)

بہرکیف لوگوں کے ساتھ نہ دینے اور بنو ہاشم میں کسی رودار آدمی کے نہ ہونے کے باعث کیوں کہ حضرت حمزہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما شہید ہو چکے تھے اور حضرت عباس و حضرت عقیل رضی اللہ عنہما حد درجہ کمزور اور فتح مکہ کے بعد اسلام لانے کے سبب 'طلقاء' میں سے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبوراً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنی پڑی (۷)

روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غدیر خم کے مقام پر یہ بتا دیا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے ابلیس اور اس کے پیروکاروں میں بڑی مسرت کی لہر دوڑ جائے گی' وہ ان کی خلافت پر جشن منائیں گے اور پہلا شخص جو حضرت ابوبکر کی بیعت کرے گا وہ ابلیس ملعون ہوگا جو ایک مکار بڈھے کی ہیئت میں مسجد نبوی میں منبر رسول (ﷺ) کے پاس آ کر ان کی بیعت کرے گا۔ (۸)

اس روایت کو وضع کرنے والوں نے یہ احترام بھی ملحوظ نہ رکھا کہ مسجد نبوی میں ابلیس لعین کا داخلہ' منبر رسول کے قریب اس کا آنا اور آرام گاہ رسول سے اس قدر قریب اس کی

موجودگی' مسجد نبوی کی توہین ہے جو حرم کعبہ کے بعد سب سے زیادہ مقدس ہے' اس میں منبر رسول کی اہانت کا پہلو ہے؛ جو جنت کا ایک ٹکڑا ہے اور خود جناب سرور کائنات ﷺ کی شان میں گستاخی ہے کہ ابلیس لعین آپ کی آخری آرام گاہ تک آنے کی جرات کر بیٹھا۔

مگر یہ روایتیں تاریخ کا جزو نہیں ہیں' بلکہ ایسی داستانوں کا حصہ ہیں' جن کا نہ تو حقیقت سے کوئی تعلق ہے اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت سے یہ لگا کھاتی ہیں۔ حضرت علی نے نہ صرف یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت کی' بلکہ فتنہ ارتداد کو فرو کرنے میں دیگر مسلمانوں کی طرح ان کے قوت بازو اور حامی رہے۔ یہی نہیں بلکہ بعد کے خلفاء کے زمانوں میں بھی وہ امت کے مصالح کار میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے' اپنے سے پہلے تین خلفاء کے زمانوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ قضائی' مالی' ملکی و سیاسی معاملات میں شریک مشورہ رہتے تھے اور ان کے مشوروں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور ان پر عمل کیا جاتا تھا۔ واقعات کا اعادہ اس لئے ضروری نہیں کہ سنی و شیعی روایتوں میں یکساں ایسے واقعات مذکور ہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ شیعی روایات کا جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سیرت سے کسی قسم کا تعلق نہیں بلکہ وہ ان کے مجموعی کردار کے منافی بھی ہیں۔ پھر یہ غور کرنا چاہئے کہ اگر ان کی خلافت کے انکار سے خلفائے ثلاثہ اور تمام صحابہ کرام باستثناء پنج و شش نفر دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئے ہوتے تو ان کی ہم نوائی اور ان کے کاموں میں ان کی اعانت و حمایت کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا مرد مومن کر سکتا تھا؟ ان کا عمل خود اس امر کی دلیل ہے کہ حضرات ابوبکر صدیق' عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی خلافتیں ان کے نزدیک بھی برحق و صحیح تھیں۔

امام کے منصوص من اللہ ہونے' ان کے گناہوں سے معصوم ہونے اور ان کا حضرت علی اور ان کی نسل سے ہونے کے خیالات تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں جزو مذہب بنے' دراصل سیاسی اقتدار سے محرومی جو بنوامیہ کے دور اور بعد ازاں بنوعباس کے عہد خلافت میں ایک حقیقت بن گئی' امامت کے نظریہ الوہیت کی سب سے اہم وجہ ہے۔ مسلسل ناکامیوں

اور طویل محرومی کے احساس سے اپنے متبعین کو پست ہمت و دل شکستہ ہونے سے روکنے کی یہ سب سے موثر تدبیر اور سب سے اہم و کارگر نسخہ تھا۔ مگر چونکہ تاریخ کا اپنا عمل جاری تھا' اس لئے تاریخ کے عمل کے برخلاف جو عقائد و افکار وضع کئے گئے' تاریخ کو ان سے قریب لانے اور انہیں تاریخ کا جزو بنانے کی غرض سے جو روایتیں وضع کی گئیں وہ حیرت و استعجاب کا باعث تو بنیں مگر حقیقت اور واقعہ نفس الامری سے ان کا دور کا تعلق بھی نہ رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب ان روایات میں جو الفاظ و اعمال منسوب کئے گئے ہیں' وہ تاریخ کو مسخ کرنے اور ایک بری تاریخ بنانے کی کوشش کے سواء کچھ اور نہیں ہیں۔ اس لئے ان روایات کو ایک گروہ کے عقیدے کے جزو کی حیثیت سے پڑھا جانا چاہئے' نہ کہ تاریخ کے مستند ماخذ کی حیثیت سے۔

پہلا خطبہ

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت عام ہو چکی تو آپ نے مسلمانوں کے سامنے اپنا وہ خطبہ ارشاد فرمایا جو اسلامی نظام حکومت کی اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ حمد و ثنا کے بعد آپ نے کہا:۔

ایھا الناسُ فانی قدولیتُ علیکم ولَستُ بخیرِ کم' فان احسنتُ فاعینونی' وان اساتُ فقوّمونی۔ الصدقُ امانتہ" والکذبُ خیانۃ"۔ والضعیفُ منکم قوی" عندی حتی ازیحَ علّتہَ ان شاء اللہ۔ والقویُ فیکم ضعیفٌ منی آخذُ منہ الحقَ' ان شاء اللہ۔ لایدعُ قوم" الجھادَ فی سبیلِ اللہِ الاضرَبَھم اللہُ بالذل ولا یشیع قوم" قط الفاحشۃَ الاعمھم اللہ بالبلاءِ۔ اطیعونی ما اطعتُ اللہ و رسولہ۔ فاذا عصیتُ اللہ ورسولَہ فلا طاعۃَ لی علیکم (۹)

لوگو! میں تمہارا امیر بنا دیا گیا ہوں' میں تم سے برتر نہیں ہوں۔ سو اگر میں اچھا کروں تو میری مدد کرو اور اگر برا کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔ سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ خباثت

ہے۔ تم میں جو کم زور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے' تا آنکہ میں اس کی شکایت دور کر دوں۔ اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کم زور ہے تا آنکہ میں اس سے حق لے لوں۔ جو قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے اللہ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاریاں عام ہو جاتی ہیں اللہ اس پر مصیبت نازل کر دیتا ہے۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں' تم لوگ میری اطاعت کرو۔ اور اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم لوگوں پر میری اطاعت لازم نہیں۔

''حواشی''

(۱) القرآن' ال عمران' آیت ۱۴۴؛ بخاری' ۱: ۱۲۶' ۵۱۷' ۵۱۸؛ طبری' ۳: ۲۰۰ و ۲۰۱؛ انساب الاشراف' ۱: ۵۶۳/۵۶۶؛

(۲) انساب الاشراف' ۱: ۵۸۰ و ۵۸۳؛ طبری ۳: ۲۰۵ و ۲۰۶: ۲۱۸' ۲۲۱

(۳) بخاری' ۲: ۶۱۹؛ طبری' ۳: ۲۰۵' ۲۰۷؛ انساب الاشراف ۱: ۵۸۵

(۴) کلینی' الروضہ من الکافی ۸: ۳۲ و ۳۳' طبع تہران ۱۳۸۹ھ

(۵) ایضاً

(۶) ایضاً ۸: ۳۹

(۷) ایضاً ۸: ۱۸۹ و ۱۹۰

(۸) ایضاً ۸: ۳۴۳ و ۳۴۴

(۹) طبری' ۳: ۲۱۰

باب سوم

''جیشِ اسامہ''

عرب کی عام حالت

۱۳ اربیع الاول ۱۱ھ کی بیعت عامہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ہوا۔ یہ وقت امت مسلمہ کے لئے بڑا کٹھن اور صبر آزما تھا۔ جناب رسالت مآب ﷺ کے وصال سے ان پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا اور ابھی وہ اس صدمے سے نڈھال ہی تھے کہ عرب کے گوشہ گوشہ سے قبائل کے ارتداد جھوٹے مدعیان نبوت کی شورش اور مانعین زکوٰۃ کی سرکشی کی خبریں آنے لگیں۔ اس وقت مدینہ میں مسلمانوں کی حالت بڑی نازک تھی۔ نبی کریم ﷺ کا سایہ ان کے سروں سے اٹھ چکا تھا' وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور دین کو قطع و برید کرنے کی غرض سے نئے نئے فتنے سر اٹھا رہے تھے اور بقول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ''مسلمان بکریوں کے اس گلہ کی طرح تھے جو جاڑوں کی سرد رات کی بارش میں میدان میں بے گلہ بان کے رہ جائے''(۱)

اس ہجوم مصائب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایمانی بصیرت اور عزم محکم نے مسلمانوں کی کشتی طوفان بلا سے نکال کر ساحل امن و سلامتی پر بحفاظت پہونچائی اور انہوں نے الجھے ہوئے مسائل کو تدبیر و فراست مومنانہ سے سلجھا کر اسلام کو آئندہ کے خطرات سے محفوظ کر دیا۔ انہوں نے اصولوں پر مفاہمت نہ کی وقتی مصلحتوں پر دین کی دائمی حقانیت کو قربان نہ ہونے دیا اور مشکل موقع پر وہی فیصلہ کیا جو اللہ اور اس کے رسول کی منشاء کے مطابق اور امت مسلمہ کے حق میں یمن و برکت کا باعث تھا۔ ان کے یہ الفاظ ان کے

عزم بالجزم اور دین پر پختہ یقین کی عکاسی کرتے ہیں:۔

انہ قدانقطع الوحی و تم الدین اینقص و اناحی؟ واللہ لا جاھد نھم ولو منعونی عقالا (۲)

وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اور دین مکمل ہو گیا ہے۔ تو کیا اس میں میرے جیتے جی کمی کی جائے گی؟ خدا کی قسم اگر (فرض زکوٰۃ میں سے) ایک رسی کا ٹکڑا دینے سے بھی لوگ انکار کریں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔

جیش اسامہ کا پس منظر

ایک طرف تو عرب کی مخالفت کا سیلاب بلا تھا جو اسلام کو اپنی رو میں بہا لے جانے کے لئے بے تاب تھا اور دوسری طرف ان کے مقابلے کے لئے مسلمانوں کی قلیل جماعت تھی۔ اور یہ تھوڑی سی جمعیت بھی فوری طور سے مرتدین عرب کے خلاف کارروائی کرنے کے موقف میں نہ تھی کیوں کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے اپنے وصال سے کچھ پہلے حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ کی سرکردگی میں شام کے سرحدی مقام بلقاء کی جانب ایک لشکر روانہ کرنے کا حکم دیا تھا اور اس مقصد سے مدینہ کے باہر جرف کے مقام پر مسلمانوں کا اجتماع ہو ہی رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی علالت نے شدت اختیار کی اور لشکر کی روانگی ملتوی ہو گئی۔

جیش اسامہ کی تیاری کا پس منظر یہ تھا کہ ۷ھ کے آغاز پر جناب رسالت مآب ﷺ نے بادشاہان عالم اور سرداران عرب کے پاس اسلام کی دعوت کے لئے قاصد روانہ کئے تھے۔ انہیں قاصدوں میں حضرت حارث بن عمیر تھے جنہیں شام کے سرحدی غسانی رئیس شرجیل بن عمرو کے پاس اسلام کا پیغام دے کر بھیجا گیا تھا۔ مگر اس نے نہ صرف یہ کہ اس دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ قاصد کو بھی شہید کر دیا۔ حضرت حارث بن عمیر کے انتقام کی غرض سے فتح مکہ سے پہلے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں تین ہزار مسلمانوں کا ایک دستہ فوج مشارف شام (سرحدات شام) کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس دستے کی قیادت یکے بعد دیگرے تین سرداروں کو تفویض کی گئی تھی یعنی حضرت زید بن حارثہ ان کی شہادت کی صورت میں حضرت

جعفر بن ابی طالب اور ان کی شہادت کی صورت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ۔ جب یہ لشکر شام کے سرحدی مقام مُعان پہونچا تو یہ اطلاع ملی کہ قیصر روم ہرقل ایک لاکھ رومی سپاہ کی جمعیت سے بلقاء کے شہر مآب میں فروکش ہے اور ایک ہی لاکھ عرب قبائل لخم' جذام' بلقین' بہراء و بلی کے عیسائی عرب مالک بن رافلہ بلوی کی سرکردگی میں قیصر کی رکاب میں ہیں۔ دشمن کی کثرت تعداد کے باوجود مسلمانوں نے پیش قدمی جاری رکھی اور مشارف (سرحدات) شام کے مقام پر بلقاء کے ایک قصبہ مؤتہ میں پڑاؤ کیا۔ یہیں ان کا مخالف فوج سے مقابلہ ہوا' مسلمان بڑی بے جگری سے لڑے' لیکن مقابلہ برابر کا نہ تھا' تینوں مسلمان سپہ سالار یکے بعد دیگرے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ تب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا علم اٹھایا اور اپنی جنگی مہارت و شجاعت کے بل پر دشمن کے نرغے سے مسلمانوں کو کامیاب نکال لائے اس دن ان کے ہاتھ میں ۸ تلواریں ٹوٹیں اور مخبر صادق علیہ السلام نے انہیں سیف اللہ یعنی اللہ کی تلوار کا معزز لقب عطاء فرمایا۔

۹ھ میں تبوک کا معرکہ بھی دراصل انہیں مسلمانوں کے انتقام کے پیش نظر برپا کیا گیا مگر کفار عرب مسلمانوں کے مقابل نہ آئے اور کوئی لڑائی نہ ہوئی (۳)

جیش کی تیاری

بناء بریں ۱۰ھ میں آخری حج سے لوٹنے کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ نے سرحدات شام میں بلقاء کے عیسائی عربوں سے انتقام لینے کی غرض سے ایک لشکر تیار کرنے اور مسلمانوں کے جرف کے مقام پر جمع ہونے کا حکم دیا' اس لشکر کی قیادت سردار مؤتہ حضرت زید بن حارثہ کے جوان سال بیٹے حضرت اسامہ کو تفویض کی گئی اور انہیں پرچم عطاء فرمایا گیا۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے باعث جیش اسامہ کی روانگی میں تاخیر ہوئی' چنانچہ بیعت خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے اس مسئلہ سے عہدہ برا ہونا پڑا۔

مدینہ کی خطرناک حالت اور عرب کی مخالفت کے پیش نظر بڑے بڑے صحابہ نے یہ

مشورہ دیا کہ اسامہ کے لشکر کی روانگی ملک میں امن و امان ہونے تک روک دی جائے کیوں کہ اگر یہ لوگ شہر سے باہر چلے گئے تو مدینہ کی حفاظت اور اسلام کی بقاء کے مادی وسائل بھی منقطع ہو جائیں گے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مشورہ کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ جس لشکر کو رسول اکرم ﷺ نے آراستہ کیا ہے میں اسے روک نہیں سکتا۔ اس پر ان سے کہا گیا کہ اسامہ ناتجربہ کار اور نوخیز ہیں اس لئے اگر لشکر کی روانگی ضروری ہے تو کسی تجربہ کار شخص کو اس کی قیادت سونپی جائے' لیکن صدیق اکبر نے اس مشورہ کو بھی یہ کہہ کر نامنظور کر دیا کہ جسے رسول اللہ نے مقرر کیا ہے اسے معزول کرنے والا میں کون ہوتا ہوں؟ اس موقع پر آپ نے صحابہ سے جو الفاظ فرمائے وہ ان کی نورانی بصیرت اور ایمانی قوت کی روشن دلیل ہے آپ نے فرمایا:-

والذی نفس ابی بکر بیدہ' لو ظننتُ ان السباع تخطفنی لانفذتُ بعث اسامہ کما امربہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولو لم یبق فی القریٰ غیری لانفذتہ (۴)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں ابوبکر کی جان ہے' اگر مجھ کو یہ گمان ہوتا کہ درندے مجھے اٹھالے جائیں گے تو بھی' اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل میں اسامہ کے لشکر کو میں ضرور بھیجتا' خواہ بستیوں میں سوائے میرے ایک متنفس بھی باقی نہ رہتا تو بھی میں روانگی کا حکم ضرور دیتا۔

جیش اسامہ کی روانگی

چنانچہ حضرت اسامہ بن زید کی کمان میں یکم ربیع الثانی ۱۱ھ کو تین ہزار مہاجرین وانصار کا یہ لشکر جس میں ایک ہزار سوار تھے جرف کے مقام سے مشارف (سرحدات) شام کی جانب روانہ ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیق کی اسامہ کو نصیحت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کچھ دور پاپیادہ اسامہ کے ساتھ گئے اور انہیں جو قیمتی نصیحتیں کیں وہ اسلام کی عسکری و حربی تاریخ میں یادگار کی حیثیت رکھتی ہیں آپ نے فرمایا:۔

یاایھا الناس قفوا' اوصیکم بعشر فا حفظو ھاعنی' (۱)لاتخونوا ولا تفلوا' (۲) ولا تغدر وا'(۳)ولا تمثلوا' (۴)ولا تقتلوا اطفلا صغیراً ولا شیخاً کبیراً ولا ایراۃ (۵)ولا تعقروا نخلاً ولا تحر قوہ'(۶) ولا تقطعوْ شجرۃً مثمرۃً(۷) ولا تذبحوا شاۃً ولا بقرۃً ولا بعیراً الا لما کلۃٍ'(۸)وسوف تمرون باقوم قدفرّغوا انفسھم فی الصوا مع فدعو ھم وما فرّ غو انفسھم لہ (۹)وسوف تقدمون علی قومٍ یا تونکم بآنیۃٍ فیھا الوانُ الطعامِ فاذا اکلتم منھا شیأً بعد شیْ فاذکروْ اسم اللہ علیا' (۱۰)وتلقون اقواماً قد فصحوا اوساط رؤسھم و ترکوا حولھا مثل العصائب فاخفقوھم بالسیف فضقاً' اندفعوا باسم اللہ افنا کم اللہ بالطعن والطاعون (۵)

اے لوگو! ٹھہرو' میں تم کو دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں ان کو میری جانب سے اچھی طرح یاد کرلو۔(۱) خیانت اور بے ایمانی نہ کرنا' (۲) دھوکا نہ دینا' (۳) کسی کے ہاتھ پاؤں اور اعضاء نہ کاٹنا' (۴) کسی کم سن لڑکے' کسی مسن بوڑھے اور کسی عورت کو قتل نہ کرنا' (۵) کسی کھجور کے درخت کے چھتر کو نہ کاٹنا اور نہ اسے جلانا (۶) کسی پھل دار درخت کو نہ کاٹنا' (۷) بکری' گائے اور اونٹ کو سوائے غذا کی ضرورت کے نہ ذبح کرنا' (۸) تم کو جلد ہی ایسے لوگ ملیں گے جو عبادت گاہوں میں گوشہ گیر ہو کر بیٹھے ہوں گے' ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا (۹) تم کو ایسے آدمی بھی ملیں گے جو تمہارے پاس قسم قسم کے کھانے برتنوں میں رکھ کر لائیں گے' جب تم ان کھانوں کو ایک ایک کر کے کھاؤ تو ان پر اللہ کا نام ضروری لینا' (۱۰)

اور تم کو ایک ایسی قوم ملے گی جن کے سر کے بال بیچ میں منڈے ہوں گے اور پیچھے چھوٹے ہوں گے تو ان لوگوں کو تلوار سے ہلکی ضرب لگاؤ (انہیں تادیباً سزا دو)' اللہ کا نام لے کر روانہ ہو' اللہ تمہیں (دشمن کے) نیزوں اور طاعون (کی بیماری) سے محفوظ رکھے۔

جیش اسامہ کی واپسی اور اثرات

حضرت اسامہ بن زید کا یہ لشکر قریب قریب ستر دن مدینہ سے باہر رہنے کے بعد مظفر و منصور واپس آیا۔ اس مہم کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سرحدات شام پر آباد عیسائی قبائل پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور ساتھ ہی ساتھ مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل کو مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہو گیا کہ اگر ان کی جمعیت قومی اور ان کی ہمت بلند نہ ہوتی تو ان مشکلات کے باوجود ایک ماہ کی طویل مسافت پر لشکر روانہ کرنا ممکن نہ تھا۔ اس سے بھی بڑا فائدہ مسلمانوں کو یہ پہونچا کہ وقتی مشکلات سے جی ہارنا اور ہمت چھوڑ دینا اہل ایمان کا شیوہ نہیں اور یہ کہ مصلحتوں کے لئے رسول کی حکم عدولی نہ تو اخروی فلاح کا سبب ہو سکتی ہے اور نہ دنیوی کامرانی ہی کا موجب بن سکتی ہے۔ اس مہم سے یہ فائدہ بھی ہوا کہ مسلمانوں میں جو اپنی قلت تعداد اور کثرت مصائب کے باعث دل گرفتہ تھے' ایک عزم' ایک ولولہ اور ایک جوش پیدا ہوا۔ اس مہم کی روانگی سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ فراست' پختہ عزم اور اصابت رائے کا بھی پتہ چلتا ہے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کمزور جسم میں ایک مضبوط روح' ایک قومی عزم اور ایک فریس ذہن موجود ہے جس کی قائدانہ صلاحیتوں کا دوست و دشمن سبھی نے اعتراف کیا اور یہ کہ ارتداد کی جنگوں پر اس مہم کے مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ نیز ظہور اسلام یعنی اسلام کے سرزمین عرب سے فاتحانہ نکلنے کی راہ بھی اس مہم نے ہموار کی قیصر روم ہرقل نے جو اس زمانے میں حمص میں تھا اپنے سرداران لشکر کو ان الفاظ میں اس خطرے سے آگاہ کیا:۔

''دیکھو یہ وہی لوگ ہیں جن سے میں تم کو خبردار کرتا تھا' لیکن تم نہیں مانتے تھے۔ تم ان عربوں کی ہمت و جرأت دیکھتے ہو! ایک مہینے کی مسافت پر آ کر تم پر چھاپے مارتے ہیں اور

صحیح سلامت واپس بھی چلے جاتے ہیں''۔ (۶) مگر یہ فوجی مہم ان سرحدی چھاپوں کی کوئی کڑی نہ تھی جو آئے دن شام کی سرحدوں پر صحرائے عرب سے پڑتے رہتے تھے، بلکہ بقول پروفیسر فلپ ہٹی:۔

''حقیقت یہ ہے کہ یہی اس طویل جدوجہد کا پہلا تیر تھا جو بالآخر مغرور قیصر کے دارالسلطنت کے سقوط (۱۴۵۳ء) پر ہی ختم ہونے والی تھی جب کہ اسلام کے تازہ دم سپاہی میدان میں آئے اور دنیائے مسیحیت کے سب سے شاندار کلیسا ایا صوفیا کے در و دیوار پر حضرت مسیح کے بجائے پیغمبر عرب (ﷺ) کا نام نامی تحریر ہوا۔'' (۷)

''حواشی''

(۱) ابن ہشام ۲: ۳۷۷؛ طبری ۳: ۲۲۵

(۲) امام مالک، کتاب الموطاء، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی، صفحہ ۳۰۵؛ بلاذری، فتوح البلدان مطبوعہ مطبعہ سعادۃ مصر ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۰۳

(۳) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی ۱۳۸۰ھ، صفحہ ۱۷۹-۱۸۰؛ طبری ۳: ۳۶-۴۲، ۱۰۱

(۴) طبری ۳: ۲۲۵

(۵) طبری ۳: ۲۲۶ و ۲۲۷

(۶) سعید احمد اکبر آبادی، صدیق اکبر، مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۸۱ھ صفحہ ۱۳۸ بحوالہ ابن عساکر ۱: ۱۲۴

(۷) P.K HITTI,HISTORY OF THE ARABS,NEWYARK 1958,P 147

وترجمہ اردو از ہاشمی فرید آبادی بنام تاریخ ملت عربی، حصہ اول مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۵۴ء، صفحہ ۲۲۴

باب چہارم

''فتنۂ ارتداد''

فتنۂ ارتداد کے اسباب

یہ جو عرب کے آسمان وزمین مسلمانوں کے دشمن ہو گئے اور ہر بستی سے مدینہ مکہ اور طائف کی استثناء کے ساتھ' مخالفت کی آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں اور عرب کی آبادی اسلام کے خلاف ایک متحدہ قوت سے اٹھ کھڑی ہوئی تو آخر اس کے اسباب کیا تھے۔ ہم سطور ذیل میں ارتداد کے اسباب کے مختلف پہلوؤں سے بحث کریں گے تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔

۱۔ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت

جناب رسالت مآب ﷺ کی دنیوی زندگی کے آخری سال میں سارا جزیرہ عرب اسلام کے پرچم تلے آ گیا تھا' اسلام کا پہلا حج جس میں کفار عرب کو شریک ہونے سے روک دیا گیا اور سورۃ برائت اس مقصد سے نازل کی گئی سنہ ۱۰ھ کا حج تھا جو پیغمبر اسلام کی حیات دنیوی کی مناسبت سے حجۃ الوداع یا آخری حج کہلاتا ہے' اس طرح ۹ھ میں زکوٰۃ فرض کی گئی اور اس کے مطابق آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں زکوٰۃ کے محصلین (وصول یابی کرنے والے) قبائل عرب میں مقرر کئے گئے اور ان عمال زکوٰۃ نے مدینہ منورہ میں زکوٰۃ کی رقوم اور جانوروں کی ترسیل شروع کر دی تھی۔ اسی طرح ۹' سنہ ۱۰ھ میں عرب کے دور و نزدیک کے قبائل نے اسلام قبول کر کے صلوٰۃ اور ارکان اسلام کی ادائیگی کا آغاز کر دیا تھا۔ یوں آنحضرت ﷺ کی حیات دنیوی کے خاتمہ کے وقت عرب میں اسلام کی عمل داری' ارکان دین کی تعمیل اور مدینہ کی مرکزی ریاست کی اطاعت کے امور سر انجام ہو چکے تھے اور

اسلام کی تعلیمات صحرائے عرب کے دور دراز گوشوں تک پہونچ چکی تھیں' اللہ کی توحید' محمد ﷺ کی رسالت' صلوٰۃ کا قیام' حج کا انصرام اور زکوٰۃ کی ادائیگی' کہ ارکان دین اور ستون اسلام ہیں عرب کے باشندوں کے لئے کوئی اجنبی باتیں نہ تھیں (۱)

مگر اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی درست ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے مکی تیرہ سال' قریش کی سخت مخالفت' دشمنی اور قبائل عرب تک حق کی آواز پہونچنے سے روکنے کے سبب' دین کی تبلیغ کے لئے خصوصاً مکہ سے باہر اشاعت اسلام کے لئے' سازگار نہ رہے تھے۔ بعینہٖ ہجرت کے بعد کے دس سال بھی سکون سے اسلام کی اشاعت کے سرو سامان مہیا نہ کر سکے' کیوں کہ ابتدائی آٹھ سالوں تک قریش اور ان کے حامی قبائل عرب اور یہود کی ریشہ دوانیوں کے باعث مسلمانوں کو اطمینان کا سانس لینا نصیب نہیں ہوا۔ حیات نبویؐ کے آخری دو سال یعنی ۹ھ و ۱۰ھ میں اسلام کی آواز قبائل عرب تک موثر انداز میں پہونچی اور ان کے وفود نے اسلام کے آگے سر اطاعت خم کر دیا' مگر تبلیغ کی دشواریاں' وقت کی کمی اور قبائلی عصبیت کے باعث ان نومسلم قبائل کو اسلام کی تعلیمات سے کماحقہ آشنا نہ کیا جا سکا۔ یہ درست ہے کہ ہجرت کے بعد ابتدائی برسوں سے مختلف قبائل کی درخواست پر مبلغین کی جماعتیں روانہ کی جاتی رہی تھیں لیکن ان بے گناہوں کی جانیں بیشتر حالات میں فریب سے ضائع کی جاتی رہیں اور بے وفا عرب سردار مسلمان مبلغین کو شہید کرتے رہے۔ اس لئے ان تبلیغی مساعی میں چنداں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے باشندے بالعموم اور صحرانشین اعراب (بدو) بالخصوص اسلام کی تعلیمات سے ناآشنا رہے۔ اگرچہ ان میں صحیح اسلامی تعلیمات سے واقف اور مئی توحید کے متوالوں کی بھی کمی نہ تھی' لیکن ان کی اکثریت بدستور جہالت کی گہری کھائی میں گری اور علم و آگاہی کی روشنی سے محروم رہی۔ قرآن مجید میں اعراب کی اس حالت اور ان میں دو طرح کے افراد کی موجودگی کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

الاعراب اشد کفراونفاقا واجدر ان لا یعلموا حدود ما انزل اللہ علی رسولہ واللہ علیم حکیم ۝ ومن الاعراب من یتخذماینفق

...مغرماً و يتربص بكم الدوائر عليهم دائرة السوء والله سميع عليم (۲)

اعراب کفر ونفاق میں بڑے سخت ہیں' اور اسی لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو کتاب اتاری ہے اس کے احکام کو نہ سمجھیں۔ اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اور اعراب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو خرچ کرنا پڑتا ہے وہ اسے اپنے پر جرمانہ خیال کرتے ہیں اور تمہارے حق میں گردش زمانہ کے منتظر رہتے ہیں۔ زمانے کی گردش بد کا ان پر اثر پڑے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یہ تو عام اعراب کی کیفیت تھی مگر اچھے مسلمان اور مومن اعراب کی بھی کمی نہ تھی ان کے بارے میں ارشاد ہوا:۔

ومن الاعراب من يومن بالله واليوم الاخر و يتخذ ماينفق قربت عند الله وصلوت الرسول الا انها قربة لهم سيد خلهم الله في رحمته ان الله غفور رحيم ه (۳)

اور اعراب میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کو اللہ کے تقرب اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ یہ خرچ کرنا ان کے لئے موجب قربت ہے۔ اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حاصل یہ کہ اہل عرب کی اکثریت خصوصاً مدینہ' مکہ اور طائف کے شہروں کے باہر اسلام کی تعلیمات سے نا آشنا تھی' اس لئے آنحضرت ﷺ کے وصال کے ساتھ ان کا اسلام سے روگردانی کرنا اور ارتداد اختیار کرنا کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔

۲۔ مرکز گریزی

ارتداد کا دوسرا سبب عربوں کی مرکز گریز فطرت تھی۔ تاریخ معلوم سے ان میں ایک مرکزی حکومت کی اطاعت اور ایک مرکز اقتدار کی حکم برداری کا پتہ نہیں چلتا۔ عرب کی جغرافیائی کیفیت بھی مرکز گریزی اور انفرادیت کے لئے مدد و معاون تھی۔ مواصلات کی کمی'

وسائل معاش کی قلت اور ان کے حصول کی غرض سے نقل مکانی' کسی مستقل آبادی' کسی باقاعدہ نظام حکومت اور کسی باضابطہ زندگی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹیں تھیں۔ اس لئے عرب کے دور دراز بسے ہوئے قبائل کا ایک نقطۂ اساس کے گرد دائرہ کی شکل میں اکٹھا ہو جانا ممکن نہ تھا۔ اسلام کی سیاسی قوت کے آگے وہ جھکے اور جب جناب رسالت مآب ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو ان عربوں نے یہ خیال کیا کہ اسلام کی طاقت میں ضعف آ چکا ہے اور اب وقت ہے کہ مدینہ کی بالادستی کا جوا اپنے کاندھوں سے اتار پھینکا جائے اور آزادی کی مزعومہ فضاء میں سانس لی جائے۔ اس طور سے قبائل عرب کی سرکشی کی ایک وجہ مرکز گریزی و اطاعت ناپذیری بھی تھی۔

۳۔ قبائلی تعصب

عرب کا معاشرہ قبائلی بنیادوں پر استوار تھا' انفرادی ذمہ داریاں قبائل کی حد تک یک گونہ اجتماعی وفاداری کی شکل اختیار کر لیتی تھیں۔ قبائل کا نقصان' فرد کا نقصان' قبائل کی فتح' فرد کی فتح اور قبائل کی نام آوری فرد کی نام آوری سمجھی جاتی تھی۔ ہر قبیلہ اپنے ہم قبیلہ کی جا بے جا حمایت کو اپنا فرض سمجھتا تھا اور اس میں ظالم و مظلوم' حق و ناحق کی کوئی تمیز نہ کی جاتی تھی۔ اس لئے کسی ایک قبیلے کے افراد کے لئے اپنے مدعیوں کی حمایت کرنا' یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کا دعویٰ غلط' باطل اور فضول ہے' اجتماعی و نجی حمیت' غیرت اور وقار کا مسئلہ بن جاتا تھا۔ سو سجاح کی دعوت پر لبیک کہنے والے اس کے دادھیالی بنو تمیم اور ننھیالی بنو تغلب ہی تھے' اسود عنسی کے حامی اس کے یمنی قبائل ہی تھے اور طلیحہ اسدی کی حمایت پر مضر کے بنو اسد و قیسی قبائل ہی تھے۔ اس طرح مسیلمہ کذاب کے پیروؤں کا تعلق بنو حنیفہ ہی سے تھا۔ ان مدعیوں کی حمایت اور ان کے پرچم تلے جنگ کرنا قبائلی عصبیت کی بناء پر تھا' حق' یقین یا منفعت کے باعث نہ تھا۔ چنانچہ ہم پڑھتے ہیں کہ مسیلمہ کے پیرو کار اس بات کا برملا اظہار کرتے تھے کہ مضر کے نبی محمد (ﷺ) سچے ہیں اور ربیعہ کا نبی (مسیلمہ) جھوٹا ہے' مگر ہمیں مضر کے سچے نبی سے ربیعہ کا جھوٹا نبی زیادہ عزیز ہے۔ (۴) عرب کا قبائلی اپنی

ناک کی سیدھ کے سوا کچھ اور دیکھ ہی نہ سکتا تھا' عرب قومیت کا تصور یا عالم گیر انسانی اخوت کا تخیل اس کے دماغ میں آ ہی نہ سکتا تھا اس لئے وہ اسلام کی سربلندی کو قریش کی بالادستی اور مضر کی سیادت کے سوا کچھ اور سمجھنے کو تیار نہ تھا۔ سوارتداد کا ایک بڑا سبب عربوں کی قبائلی عصبیت بھی ہے کہ لوگوں نے حق و باطل کے امتیاز کے بغیر محض قبائلی عصبیت کے سبب اپنے اپنے اہل ادعاء کی حمایت کی ان کے سرفراز ہونے میں اپنی نجی واجتماعی فلاح و کامرانی کو مضمر جانا اور اسلام کی کامیابی کو محض ایک مخصوص قبیلہ کی سیاسی بالادستی پر محمول کیا۔

۴۔ بخل اور کنجوسی

عرب کے صحرانشین یا اعراب (بدو) اپنی فطرت میں بخل' ہوس زر اور حرص مال کی بری عادتوں میں مبتلا تھے۔ کچھ تو غربت' کچھ وسائل حیات کی کم یابی اور کچھ دنائت طبع کے باعث وہ مال وزر کے بارے میں وسیع النظر اور فراخ حوصلہ نہ تھے۔ ان کی مہمان نوازی کی روایتوں سے کسی کو دھوکہ نہ کھانا چاہئے کہ وہ سخاوت اور بذل مال کے جذبہ سے کم بلکہ اپنے ہم سروں پر فخر ومباہات کے خیال سے زیادہ سرانجام پاتی تھیں' پھر ان فیاضیوں میں معمولی زیر باری کے سوا کسی بڑی مالی قربانی کا مشکل ہی سے پتہ چلتا ہے' اس لئے فتح مکہ کے بعد معرکہ ہوازن اور دوسرے معرکوں میں شریک بہت سے قبائلی سردار مالی مدد کے زیادہ خواستگار نظر آتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ نے ان کی تالیف قلوب کی خاطر انہیں مال غنیمت سے حصے بھی عام مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ دیئے۔ (۵) مال وزر کی ہوس اور ان کے حصول کی غرض سے مدینہ کا سفر' یہ ایسے حقائق ہیں جن کی تصدیق متعدد واقعات سے ہوتی ہے۔ مثلاً ۹ھ میں بنو تمیم کا وفد آیا اسے آنحضرت ﷺ نے جنت کی بشارت دی تو ارکان وفد کو اس کی کوئی خاص خوشی نہ ہوئی بلکہ انہوں نے کہا تو یہ کہا "قد بشرتنا فاعطنا" آپ نے خوش خبری دی ہے تو کچھ دیجئے بھی (۶) اسی طرح غزوہ ہوازن کے موقع پر عیینہ بن حصن الفزاری نے بنو فزارہ کی جانب سے' اقرع بن حابس نے بنو تمیم کی جانب سے اور عباس بن مرداس نے بنو سلیم کی جانب سے اسیران بنو ہوازن کو

آنحضرت ﷺ کے حکم کے باوجود رہا کرنے اور اپنے حق کو چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا اور انہیں ان کے حصوں سے کئی گنا سہام دیگر ان اسیروں کو رہائی دلائی گئی۔ (۷) خود قرآن مجید میں عربوں کی اس بخیلی کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:-

ومن الاعراب من یتخذ ما ینفق مغرماً (۸)

اور اعراب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو راہ خدا میں انفاق کو اپنے پر جرمانہ سمجھتے ہیں۔

اس لئے زکوٰۃ کی ادائیگی ان کے لئے نہایت ناگوار بات تھی۔ انہوں نے اسلام کے دیگر ارکان کی بجا آوری پر آمادگی ظاہر کی اور صرف زکوٰۃ کی ادائیگی سے استثناء چاہا (۹) یوں ارتداد کا ایک سبب عربوں کی مال اندوزی' اور ہوس زر بھی ہے۔ ان کے لئے اپنے مویشیوں میں سے چند کو زکوٰۃ میں دے دینا یا زر نقد ادا کرنا ایک ناگوار فعل تھا اور وہ اسے اپنے پر ایک طرح کا جرمانہ سمجھتے تھے جس کی ادائیگی برضا و رغبت نہیں کی جا سکتی تھی۔

۵۔ رومیوں اور ایرانیوں کی شہ

ارتداد کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ عرب میں دو مضبوط ہمسایہ حکومتوں یعنی رومیوں اور ایرانیوں کے اثرات کافی گہرے تھے۔ شام کی سرحد پر آباد عرب قبائل نہ صرف یہ کہ رومیوں کے زیر اثر تھے اور ان کی قائم کی ہوئی آل غسان کی حکومت کے وفادار تھے' بلکہ مذہباً بھی عیسائی تھے اور رومیوں سے سیاسی' مذہبی وعسکری روابط رکھتے تھے۔ اس طرح عراق کی سرحد پر آباد عرب قبائل ایرانیوں کے حامی اور ان کے زیر حفاظت تھے حیرہ کی لخمی حکومت عرب میں ایرانی مفادات کی حفاظت کرتی تھی' بحرین اور یمن میں بھی ایرانی حکومت اور یہاں آباد قبائل عبدالقیس میں اور عرب کے مشہور قبیلے تمیم میں آتش پرستی کا بھی چلن ہو چکا تھا۔ یوں عربوں کے بہت سے قبائل بالواسطہ روم و ایران کے حلقہ ہائے اثر ونفوذ میں تھے اور چونکہ عربوں کا اتحاد اور ایک مرکز کے گرد ان کا جمع ہونا ان طاقتوں کو گوارا نہ تھا اور یہ بات ان کے مفاد میں بھی نہ تھی اس لئے اسلام کی مرکزیت سے دور رکھنے اور مدینہ کی ریاست کی مخالفت پر عربوں کو برانگیختہ کرنے میں ان حکومتوں نے بھی نمایاں

کردار ادا کیا۔ بحرین میں مجوسیوں نے اور مشارف شام وغیرہ میں عیسائی قبائل نے بھی فساد کی آگ بھڑکائی۔ عراق میں آباد بنو تغلب عیسائی تھے اور سجاح کے حامیوں میں ان کی بڑی تعداد تھی' اس طرح قبیلہ طے جو عیسائی تھا طلیحہ اسدی کا ہم نوا تھا۔ عرب کے ان عیسائیوں اور مجوسیوں کی مخالفت دراصل روم و ایران کی حمایت میں تھی اور چونکہ اس زمانے میں ایران کی حکومت اپنے داخلی مسائل میں الجھی ہوئی تھی اس لئے وہ کھل کر اس آتش فساد کو بھڑکانے میں حصہ نہ لے سکی' لیکن رومیوں نے کہ ایران کو شکست دے کر تازہ دم تھے اس آتشِ فتنہ کو ہوا دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جیش اسامہ کی روانگی کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ اس کی وجہ سے مشارف شام کے عیسائی اور ان کے رومی آقا موثر پیمانہ پر باغی قبائل کی مدد نہ کر سکے اور خود ان شامی عربوں کے دب جانے کے باعث فساد بھی دب گیا۔

بقول پروفیسر ہانٹ گمری واٹ:۔

''پیغمبر اسلام نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ جب تک شام کی طرف مہمیں روانہ نہیں کی جائیں گی عرب قبائل پرامن نہیں رہ سکتے۔ حضرت ابوبکر اس کی سیاسی اہمیت سے واقف تھے' اس لئے شدید مخالفت کے باوجود انہوں نے اسامہ کی زیر قیادت ایک بڑا لشکر شام کی جانب روانہ کیا۔'' (۱۰)

سو ارتداد کا ایک سبب رومی و ایرانی سلطنتوں کی شہ بھی تھی کہ عرب میں داخلی استحکام نہ ہونے پائے۔

۶۔ مہم جوئی

ارتداد کا ایک سبب بعض طالع آزما تھے۔ رسول اکرم ﷺ کی نقل میں یہ سمجھ کر کہ سیاسی قوت کا حصول نبی بنے بغیر ممکن نہیں' یمن کے اسود عنسی نے' یمامہ کے مسیلمہ کذاب نے اور نجد کے طلیحہ اسدی اور عراق کی سجاح نے نبوت کے دعوے کئے تاکہ لوگوں کی بڑی تعداد ان کے گرد جمع ہو جائے۔ انہوں نے قرآن کریم کی نقل میں بے جوڑ جملے جوڑ کر بعض کلام بھی وضع کئے اور انہیں اپنے دعوئ نبوت کے ثبوت میں پیش کیا۔ اگرچہ مسیلمہ اور سجاح

وغیرہ کی جانب منسوب جھوٹی وحی کے الفاظ اپنی ساخت کے لحاظ سے وضعی اور دور عباس کی ایجاد معلوم ہوتے ہیں' مگر ان سے ان طالع آزماؤں کی ان کوششوں کا ضرور پتہ چلتا ہے جو وہ اپنے دعوؤں کے اثبات میں لوگوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے کر رہے تھے۔ ان کے ہاں نماز اور اذان کا بھی ذکر ملتا ہے اور کہانت یا غیب دانی کا دعوئ بھی۔ اس طور سے ان طالع آزماؤں نے جھوٹی نبوت کے اوچھے ہتھیاروں سے لیس ہو کر سرزمین عرب میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کر دیا۔

مولوی چراغ علی کی اپچ

فتنہ ارتداد کے اسباب کی نشان دہی کے بعد ہم اپنے قارئین کی دل چسپی کی غرض سے اس مسئلہ سے متعلق ایک بالکل ہی مختلف زاویہ نگاہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ نقطۂ نظر سر سید مرحوم کے ہم خیال اور متجدد عالم مولوی چراغ علی مرحوم کا ہے مولوی صاحب مرحوم سر سید سے تمام تر متاثر ہونے اور علمائے مغرب کے اعتراضات کے معذرت خواہانہ جوابات وضع کرنے کے باوجود خلافت و امامت کے بارے میں اپنے آبائی مسلک سے ذرا ہٹتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے۔ خلافت صدیقی کے عدم جواز کے جذبات کی عکاسی ان کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ہوتی ہے' مولوی صاحب کی تحریر انگریزی میں ہے اور اسکا ترجمہ انہیں کے خواجہ تاش مولوی غلام الحسنین پانی پتی نے اردو میں کیا ہے۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں:۔

''آنحضرت کی وفات کے بعد تقریباً تمام عرب کی بغاوت جس کو غلطی سے ارتداد (مذہبی انحراف) کہتے ہیں' وہ خاص کر حضرت ابوبکرؓ کی سلطنت کے خلاف تھی جو اسلام کی جمہوری سلطنت کے پہلے خلیفہ تھے۔ عرب نہ تو اسلام کے خلاف باغی ہوئے اور نہ اپنے مذہب سے منحرف اور مرتد ہوئے۔ باستثنائے معدودے چند جو کچھ عرصہ کے لئے مسیلمہ کذاب کے پیرو ہو گئے تھے۔'' (۱۱)

مولوی چراغ علی صاحب کا ارشاد ہے کہ فتنہ ارتداد دراصل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی

''سلطنت'' کے خلاف عربوں کی بغاوت تھی اور یہ عرب اسلام پر قائم تھے مرتد نہ ہوئے تھے۔ اس توجیہہ کے مطابق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام بشمول سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی تمام تر کاوشیں اور اسلام کی حفاظت کی خاطر سرفروشیاں صرف شخصی اقتدار کی حفاظت کے لئے تھیں اور ذاتی اغراض کے لئے مسلمانوں کی خون ریزی تک ان اصحاب نے گوارا کی۔ اگر ہادیٔ برحق کی تربیت اور اسلام کی تعلیم نے اصحاب رسول پر کوئی اثر نہ چھوڑا اور رسول اکرم ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی ''سلطنت'' کے استقرار کی خاطر مسلمانوں کا خون بہانا شرع کر دیا تو کیا یہ عقیدہ رکھنے والے اسلام کی ابدی صداقت اور رسول کی ہدایت کے منکر نہیں ہیں اور کیا اس کے بعد بھی دین کی تکمیل اور حامل دین کی جامع شخصیت کی کوئی توجیہہ کی جا سکتی ہے۔ اصحاب رسول کی عداوت میں مرتدین عرب کو مسلمان قرار دینا کہاں تک حق اور اسلام کی خدمت ہے؟

خلاصہ بحث

سطور بالا میں جو معروضات پیش کی گئی ہیں ان کے مطابق عرب کی سرزمین میں فتنہ ارتداد کے پھوٹ پڑنے کے اسباب مذہبی بھی تھے' سیاسی بھی تھے' معاشی بھی تھے اور ذاتی بھی۔ ان تمام وجوہ سے ایک ایسا ہنگامہ برپا ہوا جس نے عرب کے آسمان و زمین کو ہلا کر رکھ دیا' بڑے بڑے اولوالعزم حضرات لرزہ براندام ہو گئے' لیکن خلیفہ رسولؐ صدیق اکبرؓ اپنی دینی بصیرت اور ایمانی فراست سے ایک پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے اور انہوں نے ایک سال سے بھی کم مدت میں اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا اور اس کا رخ موڑ کر اسلام کی کامرانی و فتح مندی کے نئے ابواب کھول دیئے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ ان مفسدین میں مختلف قسم کے لوگ تھے۔ بعض اپنی نبوت کے دعویٰ دار تھے اور ان کے ساتھ ان کے جھوٹے یا سچے ماننے والے بھی تھے۔ بعض ایسے لوگ بھی تھے جو سرے سے مسلمان ہی نہ تھے اور موقع پا کر اسلام کی بیخ کنی پر آمادہ تھے۔ بعض وہ تھے جو زکوۃ کی فرضیت پر بھی یقین رکھتے تھے مگر ان کا کہنا یہ تھا کہ

وہ مرکز خلافت کو رقم کی ادائیگی نہیں کریں گے اور اپنے علاقے کی زکوۃ اپنے ہی علاقے میں اپنے طور پر صرف کریں گے۔ ان تمام گروہوں میں آخری گروہ کے علاوہ سبھی دین اسلام سے منحرف اور مرتد تھے کہ کسی نئے نبی کی اتباع چہ جائیکہ خود مدعی نبوت ہونا' زکوۃ کی فرضیت سے انکار کرنا اور سرے سے اسلام ہی سے اپنے کو خارج قرار دینا' دائرہ اسلام سے باہر ہونے کی واضح صورتیں ہیں ایسے افراد کے ارتداد میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں لیکن وہ گروہ جو زکوۃ کا اقراری مگر حکومت کو اس کی ادائیگی کا انکاری تھا' ممکن ہے کہ اپنے اصطلاحی مفہوم میں مسلمان کہلائے لیکن اس بناء پر کہ اسلامی عبادات کی اجتماعیت اور اسلامی مجتمع کی مرکزیت کو پراگندہ کرنے اور دین میں رخنہ اندازی کرنے کا اس نے ضرور ارتکاب کیا اور زمین میں فساد برپا کیا' اس کے ساتھ بھی حکومت وقت کو سختی سے پیش آنا تھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔

ارتداد کے واقعات

فتنہ ارتداد کے اسباب کی نشان دہی کے بعد' مرتد قبائل کی سرکشی اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جوابی اقدامات کا بیان سطور ذیل میں کیا جاتا ہے' ہم نے واقعات کے بیان میں زمانی ترتیب سے زیادہ مکانی یا جغرافیائی تسلسل کو پیش نظر رکھا ہے۔

اسامہ کی عدم موجودگی میں عارضی انتظامات

اسامہ کے لشکر کی روانگی کے بعد مدینہ کا شہر عملاً مجاہدین سے خالی ہو چکا تھا۔ اس دوران میں مدینہ کے اردگرد جو خندف یا قیس عیلان کے مضری قبائل آباد تھے اور ان میں عبس' ذبیان' کنانہ' غطفان' فزارہ اور سلیم پیش پیش تھے انہوں نے زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو سرے سے زکوۃ اور کسی مالی قربانی کے خلاف تھے اور کچھ ایسے تھے جو زکوۃ اپنے قبیلے کے مستحقین کو دینا چاہتے تھے اور مرکز خلافت مدینہ کو اپنی زکوۃ بھیجنے کو بالکل تیار نہ تھے۔ ان قبائل کے وفود مدینہ آئے۔ انہوں نے صحابہ کرام سے گفتگو کی

اور حضرت ابوبکر صدیق سے زکوۃ کی ادائیگی سے استثناء کی درخواست کی اس میں بعض صحابہ کرام بھی ان کے ہم خیال تھے' لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا:-

''خدا کی قسم اگر یہ لوگ اس رسی کے دینے سے بھی انکار کریں گے جس سے زکوۃ کا اونٹ باندھا جاتا ہے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ زکوۃ مال کا حق (عبادت) ہے اور جو لوگ صلوۃ اور زکوۃ میں فرق کریں گے میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔'' (۱۲)

قبائل کی واپسی

خلیفہ رسول کے اس جواب کے بعد قبائل کے وفود ناکام واپس چلے گئے اور جاتے جاتے یہ بھی اندازہ لگا گئے کہ مدینہ میں بہت کم آدمی ہیں اور شہر کا دفاع نہایت کمزور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مدینہ کے گردونواح میں آباد قبائل ناقابل اعتبار اور پرفریب تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں بارہا مسلمانوں کے ساتھ وعدہ خلافیاں کیں' دھوکے سے مسلمان مبلغین کو شہید کیا' مدینہ کی چراگاہ پر حملے کئے' اس لئے ان قبائل کے وفود کی مدینہ میں آمد صلح کی خاطر نہ تھی ان کے سابق رویے کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی خیال ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی داخلی حالت اور رسول ﷺ کے وصال سے پیدا شدہ مشکلات کا اندازہ لگانے آئے تھے۔ اس خیال کو اس بات سے بھی مزید تقویت پہونچتی ہے کہ ان وفود کے بیشتر قائدین وہی بدسردار تھے جو اپنی وعدہ خلافیوں' اسلام دشمنی اور غداری کے لئے شہرت رکھتے تھے۔ پھر اس بات کا بھی امکان تھا کہ اگر انہیں زکوۃ کی چھوٹ مل جاتی تو ان کا اگلا مطالبہ صلوۃ کی معافی کا بھی ہوتا' کیوں کہ ان باغیوں کا سرغنہ طلیحہ جس قسم کی نماز کی تلقین کرتا تھا اس میں سجدے کا وجود نہ تھا اور یوں اس نے نماز کی ہیئت بدل دی تھی' پھر سجاح نے اپنے ہم نوا قبائل سے نماز عصر ساقط کر دی تھی' سو صلوۃ سے استثناء کی شروعات اس میں قطع و برید سے ہو چکی تھی' بناء بریں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ان کی درخواست کی منظوری سے انکار بہت بڑے فتنے کے سد باب کا سبب ہوا اور یہ بصیرت صدیقی تھی جس نے فتنے کو

اس کی ابتدائی شکل میں بھانپ لیا جب کہ دوسروں کی نگاہوں سے یہ خطرات پوشیدہ رہے یہی وہ مقام ہے جہاں سے حضرت صدیق اکبر کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

باغی قبائل کا اجتماع

بہرکیف باغی قبائل کے اجتماع اور مدینہ سے باخبر ہو کر ان کی واپسی سے حضرت ابوبکر صدیق کو ان کے عزائم کا اندازہ ہو گیا اور آپؓ نے مختلف صحابہ کو مدینہ کے اہم راستوں پر متعین کر دیا' انہیں میں حضرات علی' طلحہ' زبیر' عبدالرحمان بن عوف وعبداللہ بن مسعود شامل تھے۔ ان کے علاوہ باقی لوگوں پر مسجد نبوی کی حاضری لازمی قرار دی تاکہ کسی ہنگامی حالت سے فوراً نپٹا جا سکے۔ حضرت ابوبکر صدیق کا اندیشہ درست نکلا۔ باغی قبائل میں سے ایک گروہ نے مدینہ سے جانے کے تیسرے دن شہر پر شب خون مارا۔ حفاظتی دستے نے فوراً خبر کی اور آپ ان کی مدافعت کے لئے شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔ ان حملہ آوروں کے تعاقب میں آپ مقام ذوحسی تک گئے۔ یہاں جو مرتدین پہلے سے موجود تھے انہوں نے یہ حرکت کی کہ چمڑے کے خالی تھیلوں میں ہوا بھر کر انہیں رسیوں سے باندھ کر مسلمانوں کے اونٹوں کی طرف پھینک دیا۔ اونٹ اس سے بدک کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مدینہ آ کر دم لیا۔ اس سے باغی یہ سمجھے کہ مسلمان ان سے ڈر کر بھاگ گئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اب مدینہ پر باقاعدہ حملے کا منصوبہ بنایا۔ ان کے جو ساتھی ذوالقصہ میں مقیم تھے انہیں پیغام بھیجا کہ مدینہ پر حملہ کے لئے ان سے آ کر مل جائیں۔

قبائل کی شکست اور پسپائی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مرتدین کے ایک نئے حملے کا خطرہ تھا' اس لئے مدینہ واپس پہونچتے ہی آپ نے دوبارہ حملہ کی تیاری کی اور سپیدہ صبح نمودار ہونے سے پہلے ہی دشمن کے سر پر جا پہونچے۔ دشمن میٹھی نیند سو رہا تھا اس لئے اس اچانک افتاد سے گھبرا گیا اور بدحواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مسلمانوں نے ذوالقصہ تک ان کا تعاقب کیا اور حضرت

نعمان بن مقرن کو ایک دستہ کے ساتھ ذوالقصہ میں چھوڑ کر حضرت ابوبکر صدیق مدینہ واپس آ گئے۔ اس کامیابی سے مدینہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور قبائل میں جو لوگ سچے مسلمان تھے ان کی ہمتیں بندھیں۔ اور بعض متردد قبائلی سردار زکوٰۃ کی رقوم لے کر مدینہ حاضر بھی ہوئے۔

معرکہ ذوالقصہ

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے ایک لشکر کے ساتھ ذوالقصہ کی طرف پیش قدمی کی تاکہ قبائل عبس و ذبیان سے جنہوں نے اپنے ہاں کے مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا' مسلمانوں کا انتقام لیا جائے آپ ذوالحسی وذوالقصہ ہوتے ہوئے مقام ابرق پہونچے یہاں اہل ربذہ کو شکست دی عبس وذبیان سے مسلمان شہداء کا انتقام لیا۔ اور مدینہ کو ان کے حملوں سے بچالیا۔ ان پے در پے شکستوں سے باغیوں کی عدوات میں کمی نہ ہوئی اور وہ بھاری تعداد میں پھر اکٹھا ہونے لگے تاکہ مسلمانوں پر متحدہ قوت سے حملہ آور ہو کر انہیں نیست و نابود کر دیں (۱۳) اس دوران اسامہ کا لشکر کامیاب و فتح مند واپس آ چکا تھا اور اب مسلمانوں کی حالت بھی پہلے سے بہتر تھی اس لئے حضرت ابوبکر صدیق نے فتنہ ارتداد کی بیخ کنی کی غرض سے عام تیاری شروع کر دی تاکہ فتنہ کا بالکل استیصال اور عرب پر اسلام کا غلبہ ہو جائے۔

مرتدین کے خلاف جیوش کی روانگی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے ذوالقصہ آ کر اسلامی فوجوں کو گیارہ حصوں میں تقسیم کر کے ان پر گیارہ امراء کو سپہ سالار مقرر کیا اللہ کے ان سپاہیوں کو سارے جزیرہ نمائے عرب میں پھیل کر ارتداد کے فتنے کا سر کچل دینا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ مکہ' طائف اور ان جگہوں کے مسلمانوں کو بھی مل جانا تھا جہاں ارتداد کی شورش یا تو دب چکی تھی یا پھر کم تھی۔ ان سرداران لشکر میں خالد بن ولید' عکرمہ بن ابی جہل' مہاجر بن ابی امیہ' علاء بن

حضرمی' سوید بن مقرن' عرفجہ بن ہرثمہ' حذیفہ بن محصن' طریفہ بن حاجز اور شرحبیل بن حسنہ تھے۔ ان کے علاوہ عمرو بن عاص اور خالد بن سعید بن عاص کو عرب وشام کی سرحد پر آباد قبائل قضاعہ وغیرہ کی سرکوبی پر مامور کیا گیا تاکہ قیصر روم کے اشارے پر یہ قبائل مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہو سکیں اور باغی قبائل کی مدد کرنے کے بھی قابل نہ رہیں۔

ہر دستۂ فوج کے ساتھ ایک اعلان عام لکھوا کر دیا گیا کہ جنگ سے پہلے اسے باغیوں کو پڑھ کر سنا دیا جائے۔ جو گویا اتمام حجت اور خوں ریزی سے احتراز کے لئے کیا گیا تھا۔ اس اعلان میں اللہ کی حمد اور رسول اکرم ﷺ کی دعوت دین اور وفات کے ذکر کے بعد مرتدین کو یوں متنبہ کیا گیا:۔

وانی بعثتُ الیکم فلاناً فی جیشٍ من المهاجرینَ والانصارِ والتابعینَ باحسانٍ' وامرتُه' ان لا یقاتلَ احداً حتی یدعوه الی داعیةِ اللهِ' فمن استجابَ له واقرّ وکفَّ و عملَ صالحاً قَبِلَ منه و اعانه علیه ومن ابی امرتُ ان یقاتله' علی ذلك (۱۴)

میں انصار' مہاجرین اور تابعین باحسان کے لشکر کو فلاں سردار کی قیادت میں تمہارے پاس روانہ کر رہا ہوں۔ میں نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی سے جنگ نہ کریں جب تک کہ اللہ کی طرف ان کو دعوت نہ دے دیں۔ اس دعوت کا جو شخص اقرار کرے گا' فتنہ انگیزی سے باز آ جائے گا اور نیک عمل کرے گا میرا نمائندہ اس کو قبول کرے گا اور اس کی مدد کرے گا لیکن اس کے برخلاف جو شخص انکار کرے گا تو میں نے حکم دیا ہے کہ اس سے قتال کیا جائے۔

طلیحہ اسدی

طلیحہ کے باپ کا نام خویلد اور اس کا تعلق بنو اسد سے تھا۔ قبیلہ اسد' خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کی نسل سے ہے اور بنو خندف میں شامل ہے۔ اس اسد کے بھائی کنانہ کی نسل میں قریش کا قبیلہ ہے۔ طلیحہ نے آنحضرت ﷺ کی حیات میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا اور

جاہل قبائلیوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنا ہم نوا بنالیا۔ رسول اکرم ﷺ نے ضرار بن ازور کو بنو اسد پر عامل بنا کر روانہ کیا اور طلیحہ کی سرکوبی کا حکم دیا۔ ضرار مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ واردات کے مقام پر خیمہ زن تھے اور طلیحہ اپنے حامیوں کے ہمراہ سمیرا کے مقام پر مقیم تھا۔ طلیحہ کی جماعت تھوڑی اور کمزور تھی' اس دوران کسی مسلمان نے اسے پکڑ کر تلوار ماری' مگر یہ اتفاق سے بچ گیا۔ اب اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ اس پر تلوار اثر نہیں کرتی اور یہ اس کا معجزہ ہے۔ اس اثناء میں جناب رسالت مآب ﷺ کا وصال ہوگیا۔ طلیحہ کے حامیوں نے کہنا شروع کیا کہ طلیحہ زندہ ہے اور محمد ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے اور یہ بات اس کی صداقت کی دلیل ہے۔ فتنہ ارتداد کے پھیلنے کے باعث طلیحہ کی قوت میں اضافہ ہوگیا اور بنو اسد کے علاوہ غطفان' فزارہ' عبس' طے اور جدیلہ اس کے ہم نوا ہو گئے۔ اس نے اپنے حامیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے ایک کو مقام ابرق میں ٹھہرایا اور دوسرے کو مدینہ سے نجد کو جانے والی شاہ راہ کے قریب ذوالقصہ میں اکٹھا ہونے کا حکم دیا۔ مگر بعد میں وہ ان مقامات سے ہٹ کر بُزاخہ چلا گیا اور یہاں مسلمانوں سے دو دو ہاتھ کرنے کی تیاریوں میں لگ گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے طلیحہ کی سرکوبی پر حضرت خالد بن ولید کو مامور کیا تھا' چنانچہ وہ بزاخہ کی جانب مسلمان دستوں کی معیت میں روانہ ہوئے۔ اس دوران حضرت عدی بن حاتم نے جو قبیلہ طی کے رئیس تھے اپنی قوم کو طلیحہ کی حمایت سے الگ کرنے اور دوبارہ مسلمان بنانے کی کوشش کی۔ اس میں انہیں کامیابی ہوئی اور بنو طی کے لوگوں نے طلیحہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور ان کے ایک ہزار افراد حضرت خالد کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ حضرت عدی نے طلیحہ کے دوسرے حامی قبیلہ بنو جدیلہ کو بھی طلیحہ کی حمایت سے دست کش ہونے اور اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے پر آمادہ کرلیا اور ان کے بھی پانچ سو آدمی اسلامی فوج سے آملے۔ بنو جدیلہ اور طی کے علیحدہ ہو جانے سے طلیحہ کی قوت گھٹ گئی۔

اس کے بعد حضرت خالد بزاخہ کی جانب بڑھے۔ طلیحہ کی اصل قوت اس کے اپنے قبیلہ بنو اسد کی شاخ بنو فزارہ کی تھی جس کا سردار عینیہ بن حصن الفزاری تھا۔ لڑائی ہوئی تو

دشمن کے پاؤں نہ جم سکے' طلیحہ کے ساتھی ایک ایک کر کے اس کا ساتھ چھوڑنے لگے' چنانچہ اس نے بھی راہ فرار اختیار کی اور شام کی طرف بھاگ گیا۔ بعد میں جب اسد اور غطفان کے قبائل دوبارہ مسلمان ہو گئے تو طلیحہ نے اسلام قبول کرلیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ آیا۔ بعدازاں اس نے عراق کی فتوحات میں حصہ لیا اور نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

طلیحہ اسدی کی شکست کے ساتھ جزیرہ نمائے عرب کے شمال مشرق میں مرتد قبائل کی شورش ختم ہوگئی' اور اسد' قیس' فزارہ' طے' جدیلہ وغیرہ قبائل نے دوبارہ اسلام کے آگے سر اطاعت خم کر دیا۔ ان کے سرداروں میں عیینہ بن حصن' قرہ بن ہبیرہ اور علقمہ بن علاثہ وغیرہ کو معاف کر دیا گیا مگر بنو سلیم کے سردار الفجاءۃ سلمی کو اس کی غداری اور بے گناہ مسلمانوں کو دھوکے سے قتل کرنے کے جرم میں سخت ترین سزا دی گئی۔

بزاخہ سے حضرت خالد بطاح پہونچے یہاں بنو تمیم کے امراء میں سے وکیع' سماعہ اور زبرقان حاضر ہوئے اور زکوۃ ادا کی مگر بنو یربوع کا سردار مالک بن نویرہ جو سجاح کا دست راست اور منکر زکوۃ تھا حاضر نہ ہوا' اسے مسلمانوں کا ایک دستہ گرفتار کر کے لایا اور اس کی اسلام دشمنی' ارتداد و فتنہ جوئی کے سبب اس کے ساتھیوں سمیت قتل کر دیا گیا۔(۱۵)

سجاح تمیمیہ

فتنہ ارتداد کی آگ کو بھڑکانے میں جن لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا انہیں میں سجاح نامی عورت بھی تھی اس کی کنیت ام صادر اور ولدیت بلاذری کے بیان کے مطابق اوس تھی مگر طبری نے اس کے باپ کا نام حارث بن سوید لکھا ہے۔ اس کی دادھیال بنو تمیم کی شاخ بنو حنظلہ کے بطن (ذیلی شاخ) بنو یربوع میں تھی اور ننہال ربیعہ کے مشہور قبیلہ تغلب میں تھی۔ بنو تغلب کی رہائش الجزیرہ عراق میں تھی اور انہوں نے عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ سجاح بھی مذہباً عیسائی تھی۔ اس نے عراق میں اپنی نبوت کا دعوی کیا۔ بنو تغلب اور بنو ہذیل کے عیسائی عرب بکثرت اس کے ساتھ ہو گئے وہ ان کی بھاری جمعیت کے ساتھ سرزمین حجاز میں اپنی

قوم بنوتمیم کے پاس آئی۔ یہاں بنویربوع کا رئیس مالک بن نویرہ مسلمانوں کی مخالفت پر پہلے ہی کمر بستہ تھا اور زکوۃ کی رقم مدینہ بھیجنے سے انکار کر چکا تھا۔ اسے سجاح کی صورت میں ایک مایہ شور و شر ہاتھ آیا اور وہ اس کا دست راست بن گیا۔ سجاح کا دوسرا حامی بنوحنظلہ کی دوسری شاخ بنو مالک کا رئیس وکیع تھا۔ ان دونوں کے مشورے سے اس نے بنوتمیم کے ان قبائل سے نبرد آزما ہونا چاہا جو اس کی نبوت کے قائل نہ تھے۔ اس حملہ میں اسے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی، فریقین کے آدمی گرفتار و قتل ہوئے اور بالآخر آپس میں صلح ہو گئی۔ بعد ازاں سجاح نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ ظاہر کیا مگر بنوتمیم کے قبائل اس کے لشکر کے اپنے علاقوں سے گزرنے کے خلاف تھے، کیوں کہ سجاح کے ہمراہی عراق کے عرب قبائل بنوتغلب، بنوہذیل، نمر، ایاد اور شیبان وغیرہ تھے اور ان سے بنوتمیم کو خطرہ تھا، سجاح کو راستہ نہ ملا تو اس نے اچانک اپنا رخ مسیلمہ کذاب کی جانب پھیر دیا۔ جب مسیلمہ کو سجاح کے حملہ کی خبر ملی تو اسے تشویش ہوئی کیوں کہ اگر وہ سجاح سے الجھ جاتا تو بنوحنیفہ کے وہ قبائل جو مسلمان تھے اور ثمامہ بن آثال کی سرکردگی میں اس کے لئے خطرہ بنے ہوئے تھے اسے آسانی سے شکست دیدیتے۔ اس لئے مسیلمہ نے لطائف الحیل سے سجاح کو ہموار کر لیا، اس سے ملاقات کی اپنے ہاں مدعو کیا اور پھر اس سے شادی کر کے اپنا حامی بنا لیا۔ اس کے بعد مسیلمہ نے سجاح کو یمامہ کی نصف پیداوار دینے کا وعدہ کیا اور اس سے صلح کر لی۔ سجاح یہاں سے الجزیرہ (عراق) واپس چلی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے حضرت امیر معاویہ کے عہد میں اسلام قبول کر لیا بصرہ کی سکونت اختیار کی اور وہیں اس کا انتقال ہوا (۱۶)

مسیلمہ کذاب

مسیلمہ کا تعلق ربیعہ کے مشہور نسلی گروہ بکر بن وائل کی شاخ بنوحنیفہ سے ہے۔ بنوحنیفہ کا ایک بطن (ذیلی شاخ) بنوعدی ہے اور مسیلمہ کا یہی خاندان ہے۔ بلاذری کے مطابق اس کے باپ کا نام کبیر اور دادا کا نام حبیب اور خود اس کا نام ثمامہ تھا، لیکن طبری کے نزدیک مسیلمہ کے باپ کا نام حبیب تھا۔ اس شخص کا قد پست، چہرہ زرد اور ناک چپٹی تھی۔ مسیلمہ

نہایت کم رو اور بدصورت آدمی تھا۔ قتل کے بعد جب حضرت خالد نے اس کی لاش دیکھی تو انہیں حیرت ہوئی کہ ایسے مجہول شخص کو بنوحنیفہ نے اپنا سردار اور نبی کیسے مان لیا۔ یہ مسیلمہ ۹ھ میں بنوحنیفہ کے وفد کے ہمراہ مدینہ آیا اور آنحضرت ﷺ سے کہا کہ اگر آپ مجھے اپنا جانشین بنانے کا وعدہ کریں تو میں آپ کی بیعت کرلوں، جناب رسول اکرم ﷺ نے اسے سختی سے منع کر دیا۔ یہاں سے یمامہ واپس جانے کے بعد مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اور عجیب عجیب قسم کی عبارتیں وضع کر کے لوگوں کو سنانے لگا کہ یہ وحی الٰہی ہے جو اس پر نازل ہوتی ہے۔ اس نے آپ ﷺ کو خط لکھا کہ ساری زمین ہم دونوں نصف نصف تقسیم کر لیں۔ اس پر آپ نے جواب میں لکھا کہ ''فان الارض للّٰہ یورثہا من یشاء من عبادہ'' یعنی زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ مسیلمہ کی شعبدہ بازی کے باوجود بنوحنیفہ اور ربیعہ کے بعض دوسرے قبائل اس کے مطیع فرمان ہو گئے کیوں کہ مضر کے سچے نبی (محمد ﷺ) کے مقابلے میں انہیں ان کا ہم قبیلہ ربیعہ کا جھوٹا نبی (مسیلمہ کذاب) زیادہ محبوب تھا۔ ''کذاب ربیعۃ احب الینا من صادق مضر'' مسیلمہ نے اپنی جھوٹی نبوت اور قبائلی عصبیت کے بل پر ربیعہ کے قبائل کی بالعموم اور حنیفہ کے بطون کی بالخصوص حمایت حاصل کی اور یمامہ میں کہ بنوحنیفہ کا وطن تھا، چالیس ہزار جنگ جو افراد کا جم غفیر اکٹھا کر لیا۔ بنوحنیفہ کے بعض بطون و افراد جو اپنے اسلام پر قائم تھے اور جن میں ثمامہ بن آثال بھی تھے، ان مرتدین کے حملوں کا پہلا نشانہ وہی بنے اور ان کے لئے اپنی جان و مال کی حفاظت دشوار ہو گئی۔

حضرت ابوبکر صدیق نے یمامہ میں مسیلمہ سے نبرد آزما ہونے کی غرض سے جو دستہ فوج روانہ کیا اس کی کمان عکرمہ بن ابی جہل کے ہاتھ میں تھی۔ بعد میں اس فوج کو دشمن کی طاقت کے مقابلہ میں ناکافی سمجھ کر ایک اور دستہ فوج حضرت شرحبیل بن حسنہ کی قیادت میں روانہ کیا گیا۔ عکرمہ کو یہ حکم دیا گیا کہ جب شرحبیل پہنچ جائیں تو دونوں فوجیں متحدہ طور پر مسیلمہ سے لڑیں، لیکن عکرمہ نے شرحبیل کا انتظار کئے بغیر مسیلمہ سے جنگ چھیڑ دی اور

شکست کھائی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اس پر سخت عتاب کا ظہار کیا عکرمہ کو عمان و مہرہ کے مرتدین کے خلاف لڑنے والی مسلمان افواج کی کمک پر جانے کا حکم دیا اور حضرت شرحبیل بن حسنہ کو لکھا کہ پیش قدمی روک کر حضرت خالد بن ولید کی آمد کا انتظار کریں۔ ادھر حضرت خالد بن ولید طلیحہ اور اسکی ذریات کی مہم سے فارغ ہو چکے تھے اس لئے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ مسیلمہ کے خلاف یمامہ کارخ کریں یمامہ کی اس مہم پر صحابہ کرام میں سے شرکائے بدر و حنین اور قرائے قرآن کی ایک بڑی تعداد شریک تھی۔ انہیں میں حضرت عمر فاروق کے بھائی زید بن خطاب' بیٹے عبداللہ بن عمر' حضرت ابوبکر صدیق کے صاحب زادے عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق' حضرت ابو حذیفہ' حضرت سالم' حضرت براء بن مالک انصاری' حضرت ثابت بن قیس انصاری وغیرہ بھی تھے۔ انصار کا علم حضرت ثابت بن قیس انصاری اور دستے کی کمان ان کے اور حضرت براء بن مالک کے سپرد تھی۔ مہاجرین کا علم حضرت ابو حذیفہ اور دستے کی کمان ان کے اور حضرت زید بن خطاب کے ہاتھوں میں تھی۔ مجاہدین میں ہر قبیلہ کا پرچم اس کے اپنے علم بردار کے ہاتھوں میں تھا۔ اسلامی لشکر کے عقب کی حفاظت کے لئے ایک دستہ فوج سلیط بن قیس انصاری کی نگرانی میں بعد میں روانہ کیا گیا۔

اسلامی لشکر یمامہ میں عقرباء کے مقام پر پہنچ کر ٹھہر گیا کیوں کہ یہیں مسیلمہ اپنا لشکر لئے ہوئے پڑا تھا۔ دوسرے دن مسیلمہ کے لشکر سے مسلمانوں کا معرکہ ہوا۔ یہ جنگ ارتداد کی لڑائیوں میں سب سے سخت اور بھیانک تھی۔ میدان کارزار میں کبھی ایک فریق کا اور کبھی دوسرے کا پلہ بھاری ہو جاتا تھا۔ مسلمان اپنے دین کی سربلندی کے لئے اور مسیلمہ کے ساتھی اپنی نسل کی برتری کے لئے سینہ سپر تھے اور کفار نے اس زور سے ریلا کیا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑنے لگے بنو حنیفہ کے جوان مسلمانوں کے خیموں تک پہونچ گئے' مگر پھر مسلمانوں نے پلٹ کر ایسا سخت وار کیا کہ مسیلمہ اور اس کے حامی اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور میدان چھوڑ کر پاس کے ایک قلعہ نما باغ میں جسے اس جنگ کی نسبت سے تاریخ میں حدیقۃ الموت یا موت کا باغ کہا گیا ہے' پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ مسلمانوں نے بڑھ کر حدیقۃ

الموت کا محاصرہ کر لیا۔ مشہور صحابی رسول حضرت براء بن مالک انصاری نے باغ میں تنہا کود کر سرفروشانہ دشمن پر حملہ کیا اور لڑتے بھڑتے دروازے تک پہونچ کر اسے کھول دیا مسلمان باغ میں گھس گئے' بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ بنو حنیفہ کے دس ہزار سے اوپر آدمی مارے گئے۔ انہیں میں مسیلمہ کذاب بھی تھا جسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو جنگ احد میں شہید کرنے والے غلام وحشی اور ایک انصاری نے مل کر قتل کیا۔ مسیلمہ کا دست راست نہار رجال حضرت زید بن خطاب کے ہاتھوں مارا گیا اس کا خطیب اور مشہور شہسوار محکم بن طفیل حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق کے تیر کا نشانہ بن گیا۔ جنگ کے خاتمہ پر جہاں دس ہزار سے اوپر کفار مارے گئے وہیں بارہ سو مسلمانوں نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ ان شہداء میں مہاجرین کے مشہور حضرات تھے' زید بن خطاب' ابو حذیفہ بن ربیعہ' سالم مولی ابی حذیفہ' خالد بن اسید اموی' حکم بن سعید اموی' طفیل بن عمرو دوسی' سائب بن عوام اسدی برادر زبیر بن عوام' ولید بن عبدشمس مخزومی اور عبداللہ بن حارث بن قیس رضی اللہ عنہم' انصار میں سے جو حضرات شہید ہوئے ان میں چند یہ تھے' عباد بن حارث' عباد بن بشر' مالک بن اوس' سراقہ بن کعب' معن بن عدی' ثابت بن قیس' خطیب رسول اللہ' ابو دجانہ سماک بن اوس' رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن ابی سلول کے مومن صادق فرزند حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن ابی سلول اور یزید بن ثابت خزرجی رضی اللہ عنہم۔

مسیلمہ کذاب کے قتل اور اس کی جماعت کے منتشر ہو جانے کے بعد قریب کے قلعہ میں کچھ بھگوڑوں نے پناہ لی۔ یہاں عورتوں اور بچوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ بنو حنیفہ کی درخواست پر ان لوگوں کو امان دے دی گئی اور یوں یمامہ کی یہ خوف ناک جنگ اختتام کو پہونچی' جو ارتداد کی جنگوں میں سب سے سخت تھی اور جس میں بنو حنیفہ اور ان کے حامی قبائل کی بہت بڑی تعداد یا تو کام آئی یا اسے قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ خود مسلمانوں میں بارہ سو کے قریب مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا ان میں قرآن کے قراء (قاری حافظ) کی بڑی تعداد بھی تھی جو درجہ شہادت پر فائز ہوئی۔ مگر یہ جنگ فیصلہ کن

ثابت ہوئی اس میں کامیابی سے مسلمانوں کے قدم جم گئے اور اس کے بعد جو جنگیں ہوئیں ہر چند کہ وہ بھی اہم تھیں، لیکن باغی قبائل کی قسمت کا فیصلہ مسیلمہ کی شکست اور اس کے قتل کے ساتھ ہی ہو گیا۔ اس لئے جب اس کامیابی کی خوش خبری مدینہ پہونچی تو شہداء کی بڑی تعداد کے باوجود مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے اس فتح پر خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

بلاذری کے ایک مندرجہ سے پتہ چلتا ہے کہ جس مقام پر حدیقۃ الموت یا باغ موت تھا، جہاں گھمسان کا رن پڑا تھا، خلیفہ مامون عباسی کے دور میں قیس کے موالی (آزاد کردہ غلام یا حلیف) اسحاق بن ابی خمیصہ نے ایک جامع مسجد تعمیر کرادی اور اس زمانے میں اس باغ کی ''اباض'' کے نام سے شہرت تھی۔

مسیلمہ کو کس نے قتل کیا

مسیلمہ کذاب کو کس نے واصل بہ جہنم کیا؟ بلاذری کا بیان ہے کہ بنو عامر بن لوی بن غالب (قریش کی ایک شاخ) کا یہ کہنا تھا کہ اسے ان کے قبیلے کے ایک صاحب خداش بن بشیر نے قتل کیا۔ بعض انصاری یہ کہتے ہیں کہ مسیلمہ کو قبیلہ خزرج کے ایک صاحب عبداللہ بن زید نے قتل کیا، بعض دوسرے انصاریوں نے مسیلمہ کے قتل کرنے والے کی حیثیت سے حضرت ابودجانہ انصاری کا نام لیا ہے جو خود بھی اس معرکہ میں شہید ہوئے۔ انصار ہی میں سے کچھ کا کہنا ہے کہ مسیلمہ کو عبداللہ بن زید نے کہ بنونجار سے تعلق رکھتے تھے جہنم رسید کیا۔ حضرت حمزہ کا قاتل وحشی کہ جبیر بن مطعم کا غلام تھا، خود کو مسیلمہ کا قاتل بتاتا تھا، وہ کہتا تھا: ''قتلت خیر الناس (یعنی حمزۃ) وشر الناس (یعنی مسیلمۃ)'' میں نے بہت اچھے آدمی یعنی (حمزہ) کو اور بہت برے آدمی (یعنی مسیلمہ) کو قتل کیا۔'' ایک گروہ کا بیان ہے کہ ان سب نے مسیلمہ کے قتل میں شرکت کی۔ معاویہ بن ابی سفیان اس بات کا دعویٰ کرتے تھے کہ انہوں نے مسیلمہ کو قتل کیا اور بنو امیہ کا بھی یہی دعویٰ تھا۔ بنو حنیفہ کے ایک شخص نے جو جنگ یمامہ میں مسیلمہ کے ساتھ لڑ رہا تھا اس کے قاتل کی جو نشان دہی کی اور حلیہ بتایا وہ بعینہ

حضرت معاویہ کا تھا۔

طبری کے مندرجات سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مسیلمہ کو ایک انصاری اور وحشی نے مشترکہ طور پر قتل کیا وہ یوں کہ وحشی نے حبشیوں کے انداز میں اپنا حربہ (چھوٹا نیزہ) کھینچ کر مسیلمہ پر وار کیا اور ساتھ ہی اس انصاری نے تلوار کا وار مسیلمہ پر کیا۔ مسیلمہ مر گیا۔ وحشی کا کہنا ہے کہ پتہ نہیں ہم میں سے کس کا وار کارگر ہوا اور کس نے اس کو قتل کیا۔ بہر کیف بنو حنیفہ میں عین ہنگامہ دار و گیر میں یہ شور تھا کہ اسے ایک حبشی غلام نے مار ڈالا (قتلہ العبد الاسود) (۱۷)

اسود عنسی

سب سے پہلا شخص جس نے مرتد ہو کر نبوت کا دعویٰ کیا وہ اسود عنسی ہے۔ اس شخص کا نام عبہلہ بن کعب تھا اور قحطانی عربوں کے مشہور قبیلے کہلان کی شاخ مذحج کی ذیلی شاخ عنس سے اس کا نسبی تعلق تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ یہ شخص شعبدہ باز اور کاہن تھا اور اوڑھنی یا دوپٹہ سے اپنا چہرہ ڈھانپے رہتا تھا اس لئے اسے ذوالخمار یعنی خمار یا اوڑھنی والا کہتے تھے۔ اسی طرح اس کی سیاہ رنگت کے سبب اسے اسود کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ آخری حج سے روانگی کے بعد جب جناب رسول اللہ ﷺ کا مزاج اقدس ناساز ہوا اور اسود کو اس کی اطلاع ملی تو اسے حوصلہ ہوا اور اس نے اپنی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ قبائلی عصبیت کے سہارے اس نے سارے قبیلہ مذحج کو اپنا ہم نوا بنا لیا اور پیش قدمی کر کے یمن کے مشہور شہر نجران پر قبضہ کر لیا۔ وہاں سے یمن کے دارالسلطنت صنعاء کا رخ کیا اور یہاں کے مسلمان عامل شہر بن باذان کو قتل کر کے شہر اور قلعہ پر قابض ہو گیا۔ صنعاء پر قبضہ ہو جانے سے اسود کی قوت میں اضافہ ہو گیا اور یمن میں کوئی اور اس کا مدمقابل نہ رہا۔ اسود کی چیرہ دستیوں کی اطلاع جناب رسالت مآب ﷺ کو ہوئی تو آپ نے مقامی مسلمان امراء کو اس فتنہ سے عہدہ برآ ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ فیروز دیلمی، داذویہ اور قیس بن ہبیرہ اور دوسرے مسلمانوں نے منصوبہ بندی کے تحت اسود کے قلعہ میں گھس کر اسے قتل کر کے اس کا سر قلعہ سے باہر پھینک دیا۔ اسود کے

حامی ڈر کر منتشر ہو گئے اور اگر کسی نے مقاومت کی تو اسے تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اسود کے قتل کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے وصال سے پانچ روز پہلے پیش آیا اور مخبر صادق علیہ السلام نے اسی وقت اس کی اطلاع مسلمانوں کو دے دی تھی مگر مدینہ میں اس کی باقاعدہ اطلاع آپ کی وفات کے دس دن بعد پہونچی۔ جب سارے عرب میں ارتداد کی لہر دوڑی تو اسود کے حامیوں نے یمن میں پھر سر اٹھایا اور فتنہ وفساد کا بازار گرم کر دیا۔ ان شورہ پشتوں میں عمرو بن معدیکرب زبیدی اور قیس بن عبدیغوث بن مکشوح پیش پیش تھے اور باغیوں کے سرغنے تھے۔ باغیوں کی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی کہ یمن سے مدینہ کا راستہ مخدوش ہو گیا اور ان مخلص مسلمانوں کے لئے جو ان کے درمیان گھرے ہوئے تھے اپنی حفاظت حد درجہ مشکل ہو گئی۔
جب یمن کے حالات سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مطلع ہوئے تو آپ نے فیروز دیلمی کو وہاں کے اصلاح حال پر مامور فرمایا۔ فیروز کا تعلق یمن کے ایرانی النسل ابناء یا ابناء الملوک سے تھا انہوں نے بنو عقیل' بنو عک اور اسلام پر ثابت قدم رہنے والے قبائل اور ذوالکلاع حمیری وغیرہ کے تعاون سے صنعاء کے باہر قیس بن عبدیغوث سے مصاف کیا۔
اس دوران میں مرکز خلافت سے متعین ہونے والے دستوں کے سپہ سالار مہاجر بن ابی امیہ وعکرمہ بن ابی جہل اپنی اپنی مہمات سے فارغ ہو کر صنعاء پہونچ گئے۔ مسلمانوں کی اس متحدہ قوت نے مرتدین کو شکست دے کر یمن کے اضلاع کو فتنہ وفساد سے پاک کیا۔ قیس اور معدی کرب وغیرہ اہل ادعاء گرفتار کر کے مدینہ بھیج دیئے گئے۔ جہاں انہوں نے تجدید اسلام کی اور انہیں معاف کر دیا گیا۔ (۱۸)

کندہ اور حضر موت

حضر موت کے باشندوں اور قبائل کندہ پر آنحضرت ﷺ کی جانب سے حضرت زیاد بن لبید انصاری عامل تھے۔ جب قبائل عرب میں ارتداد کی وبا پھوٹی تو یہاں کے لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آگئے اور اپنے سردار اشعث بن قیس کی سرکردگی میں بغاوت کر دی۔ یہاں کے عامل اس بغاوت کا مقابلہ نہ کر سکے۔ چنانچہ جب عکرمہ بن ابی جہل اور مہاجر بن ابی

امیہ یمن میں اسود عنسی کے پیروؤں کا خاتمہ کر کے یہاں آئے تو یہاں کے مسلمانوں کو حوصلہ ملا۔ اب اسلامی افواج کا مقابلہ اشعث بن قیس کی فوجوں سے ہوا۔ مرتدین شکست کھا کر قریب کے قلعہ میں محصور ہو گئے' لیکن انہیں یہاں بھی دم لینے کا موقع نہ ملا اور اشعث اور دیگر مرتدین نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اشعث کو مدینہ بھیج دیا گیا۔ انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کیا اور مدینہ کی مستقل سکونت اختیار کی۔ عہد فاروقی اور عثمانی میں انہوں نے ایران و خراساں کی فتوحات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کوفہ میں آباد ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی اشعث کو اہمیت حاصل رہی اور ان کا شمار کوفہ کے روساء اور ارباب حل وعقد میں ہوتا تھا۔ وہ قبائل کندہ کے بالخصوص اور یمنی قبائل کے بالعموم سردار اور سربرآوردہ فرد تھے۔ ان کی اولاد نے بھی کوفہ میں بڑا نام پیدا کیا اور بعد کی جنگوں میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ (۱۹)

بحرین

بحرین کا علاقہ ساحل سمندر سے قریب واقع ہے اور وہاں عہد زیر نظر میں جو عرب قبائل آباد تھے' ان میں ربیعہ کے قبائل عبدالقیس اور بکر بن وائل کی بڑی تعداد تھی۔ اس کے علاوہ بنو تمیم کے قبائل بھی بحرین میں بستے تھے۔ بحرین میں بعض عرب قبائل عیسائی اور کچھ مجوسی بھی تھے۔ یہاں ایرانی اور ہندستانی بھی رہتے تھے' اس طور سے بحرین مختلف النوع قوموں کی آبادی اور ساتھ ہی ساتھ ایک اہم تجارتی مرکز بھی تھا۔ سیاسی اعتبار سے ایران کی بالادستی قائم تھی' عراق کے لخمی خاندان کے حکمران بحرین پر بھی اقتدار رکھتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے جب مختلف حکمرانوں کے نام تبلیغی خطوط ارسال کئے تو بحرین پر ایران کی جانب سے مقرر کردہ سردار منذر بن ساوی کو بھی مکتوب روانہ کیا تھا۔ اس کے بعد ۸ھ میں بحرین سے ایک وفد آیا اور یہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا انہیں میں منذر بن ساوی اور ہجر کے مرزبان (گورنر) بھی تھے جو مسلمان ہو گئے۔
آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد بنو عبدالقیس اور بنو بکر کے قبائل مرتد ہو گئے۔

لیکن حضرت جارود بن بشر عبدی کی کوششوں سے بنو عبدالقیس تو دوبارہ مسلمان ہو گئے مگر بنو بکر اپنے ارتداد پر اڑے رہے اور انہوں نے حطم بن ضبیعہ کی سرکردگی میں مسلمانوں سے محاذ آرائی شروع کر دی۔ مسلمانوں کی حالت نازک تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق کے مقرر کردہ سپہ سالار حضرت علاء بن حضرمی ایک لشکر لے کر پہونچ گئے۔ ایک ماہ کی تگ و دو کے بعد مسلمانوں کو حطم اور اس کے ساتھیوں پر فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی اور وہ مارا گیا۔ (۲۰)

دارین

بحرین کے شکست خوردہ مرتدین قریب کے ایک جزیرہ دارین بھاگ گئے۔ حضرت علاء نے ان کا تعاقب کیا ایک گھمسان کے رن کے بعد کفار کو عبرت ناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ بحرین پر مسلمانوں کے دوبارہ تسلط سے جہاں یہ فائدہ ہوا کہ بنو ربیعہ کے مخالف قبائل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے وہیں اس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ سرزمین عرب سے ایرانیوں کا ایک اہم مرکز جس سے عرب قبائل پر ان کا اثر و نفوذ تھا ختم ہو گیا جس سے انہیں ریشہ دوانیوں کا آئندہ موقع نہ مل سکا۔ (۲۱)

عمان

عمان بھی ایک ساحلی مقام ہے اور یہاں مشہور قحطانی قبیلہ ازد کثرت سے آباد تھا۔ ۸ھ میں جناب رسالت مآب ﷺ نے یہاں حضرت ابو زید انصاری کو تبلیغ اسلام کی غرض سے اور حضرت عمرو بن عاص کو یہاں کے دو رئیس بھائیوں جیفر بن جلندی اور عبد بن جلندی کے نام خط دیکر روانہ فرمایا۔ ان سرداروں اور ان کے ہم قبیلہ عربوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مگر جب ارتداد کی ہوا چلی تو عمان بھی اس کی زد میں آ گیا اور ازد مرتد ہو گئے۔ لقیط بن مالک ان مرتدین کا قائد بن بیٹھا اور ساتھ ہی ساتھ نبوت کا دعویدار بھی۔ لقیط کا زور اتنا بڑھا کہ جیفر اور عباد کو مجبوراً پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اس محاذ پر حذیفہ بن محصن اور عرفجہ بن ہرثمہ کو اور ان کے عقب میں عکرمہ بن ابی جہل کو روانہ کیا۔

اسلامی افواج نے عمان پہونچ کر صحار کے مقام پر پڑاؤ کیا جبکہ لقیط اپنے ساتھیوں کے ساتھ دباء میں خیمہ زن رہا۔ مسلمانوں نے پیش قدمی کر کے لقیط سے مصاف کیا۔ دوران جنگ خریت بن راشد بنو ناجیہ کے دستے کے ساتھ مسلمانوں سے آ ملے۔ اس نئی کمک سے دشمن کی ہمت ٹوٹ گئی اسے شکست ہوئی اور دس ہزار لاشیں چھوڑ کر وہ میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ (۲۲)

مہرہ

عمان کی تسخیر کے بعد عکرمہ بن ابی جہل نے مہرہ پر بھاری لشکر کے ساتھ چڑھائی کی، ایک سیاسی چال سے مہرہ کے ایک مخالف گروہ کو جس کی قیادت شخریت کر رہا تھا توڑ لیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس سے مسلمانوں کی طاقت میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا اور انہوں نے دوسرے باغی گروہ کو جو بنو محارب کے ایک عرب سردار مصبح کی کمان میں تھا، بڑی آسانی سے شکست دے کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ ہنگامہ دار و گیر میں مصبح اور اس کے بہت سے ساتھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ (۲۳)

فتنہ ارتداد کا خاتمہ

اس طور سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بصیرت، جرأت و قیادت کی بدولت ارتداد کا فتنہ عظیم ایک سال سے بھی کم مدت میں پامال ہو گیا اور ملک میں امن و امان کی عملداری دوبارہ قائم ہو گئی۔

''حواشی''

(۱) طبری' ۳:۱۲۲و۱۲۳

(۲) القرآن سورۃ توبہ' آیت ۹۷و۹۸

(۳) القرآن سورۃ توبہ' آیت ۹۹

(۴) طبری' ۳:۲۸۶

(۵) ابن ہشام ۲:۳۰۸' طبری' ۳:۹۰

(۶) بخاری' ۲:۶۲۶

(۷) ابن ہشام ۲:۳۰۶؛ طبری ۳:۸۷

(۸) القرآن' توبہ آیت ۹۸

(۹) طبری' ۳:۲۴۱

(۱۰) انسائی کلوپیڈیا' ج ۱' ص ۱۱۱

(۱۱) مولوی چراغ علی' تحقیق الجہاد' مطبوعہ نفیس اکیڈمی' کراچی ۱۹۶۷ء
صفحہ ۸۲_۸۶

(۱۲) سیوطی' تاریخ الخلفاء' صفحہ ۶۲

(۱۳) فتوح البلدان' صفحہ ۱۰۴ و بعد؛ طبری ۳:۲۴۱ و بعد

(۱۴) طبری' ۳:۲۴۸_۲۵۱

(۱۵) طبری' ۳:۲۵۳_۲۶۷

(۱۶) طبری' ۳:۲۶۷_۲۷۵

(۱۷) فتوح البلدان' ۹۷' ۹۸' ۹۹' ۱۰۳؛ طبری ۳:۲۸۱_۲۹۵

(۱۸) طبری' ۳:۲۲۷ و بعد' ۳۱۸ و بعد' فتوح البلدان' ۱۱۳

(۱۹) طبری' ۳:۳۳۰ و بعد؛ فتوح البلدان' ۱۰۹

(۲۰) طبری ۳:۳۰۱

(۲۱) طبری' ۳:۳۱۰و۳۱۱

(۲۲) طبری' ۳:۳۱۳ و بعد ابن سعد اول ۲۶۲

(۲۳) طبری ۳:۳۱۶

باب پنجم

فتوحات

عراق وشام پر حملے کے اسباب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا نہایت اہم واقعہ فتنہ ارتداد ہے اور آپ نے اس ملک گیر فتنے کو جس منصوبہ بندی و سرعت کے ساتھ فرو کیا وہ آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے۔ ایک سال سے بھی کم مدت میں فتنہ ارتداد پر قابو پالینا، اہل ادعاء کو کیفر کردار تک پہونچا دینا اور سرزمین عرب پر اسلام کی حاکمیت کو دوبارہ قائم کر دینا ایسا حیرت انگیز کارنامہ ہے کہ یورپ کے فضلاء حیرت اور استعجاب سے ششدر ہیں اور انہیں اس کی توجیہہ میں دور از کار تاویلوں سے کام لینا پڑا۔ اس سے بھی زیادہ محیر العقول وہ فتوحات ہیں جو بے سروسامان صحرانشینوں نے روم وایران کی مستحکم وقدیمی سلطنتوں کے خلاف مختصر عرصے میں حاصل کیں ان فتوحات کے اسباب کی نشان دہی کرنے میں بھی ہمارے ان مغربی فضلاء کو عجیب عجیب توجیہات کا سہارا لینا پڑا۔ ۱۱ھ کے اختتام تک حروب ردہ عملاً ختم ہو چکی تھیں اور اگر دور دراز یمن کے بعض علاقوں میں ان کا سلسلہ جاری بھی تھا تو وہ اختتامی کارروائیوں کی حیثیت رکھتی تھیں اور بچے کھچے باغی صاف کئے جا رہے تھے ۱۲ھ کا آغاز ایک دور کی ابتداء ثابت ہوا۔ عراق کی تسخیر کا کام اس کے ساتھ ہی شروع ہوا اور اگلے سال یعنی ۱۳ھ میں شام کے محاذ پر کارروائی کا آغاز ہوا۔ یہ فتوحات جو عہد صدیقی میں شروع ہوئیں اسلامی فتوحات کی پہلی لہر کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ لہر سیدنا عثمان غنی کے دور خلافت میں جا کر تھمی۔ سو فتوحات کے بحر بے کراں کی یہ پہلی لہر جو ایران کے ساسانیوں کے تخت وتاج کو بہا لے گئی اور جس نے رومیوں سے مصر وشام کے زرخیز علاقے بزور چھین

لیئے، دنیا کی حربی تاریخ میں ایک شاندار کارنامے کی حیثیت سے یاد رکھی گئی ہے۔

عہد صدیقی میں حروب ردہ کے فوراً بعد بلکہ ان کے باقاعدہ خاتمہ سے پہلے ہی عراق پر فوج کشی اور بعد ازاں شام پر حملہ اور نتیجۃً شاندار کامیابی کا حصول کن اسباب کی بناء پر ممکن ہوا نیز یہ کہ ان کی ضرورت کیوں پیش آئی ان میں واقعات وحوادث کے اسباب وعلل تلاش کرنے والوں کے لیئے دلچسپی کے کئی سامان موجود ہیں۔ مسلمان مورخین نے فوج کشی اور حملے کے جو اسباب بیان کیئے ہیں یا جو اسباب واقعات کی روشنی میں بدیہی نظر آتے ہیں، فضلائے مغرب ان کے برعکس ان کے ایسے اسباب تجویز کرتے ہیں جو واقعات سے یکسر مختلف بلکہ متضاد نظر آتے ہیں۔ کہیں تو انہوں نے مفروضات پر اپنے دعوؤں کی بنیاد کھڑی کی ہے، کہیں نتیجہ کو سبب بنا دیا ہے اور کہیں بعد کے حالات کو پہلے کے واقعات کا سبب قرار دیا ہے۔ اس طرح تقدیم وتاخیر اور واقعات کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھے بغیر مستشرقین نے عراق وشام کی تسخیر کے جو اسباب بیان کیئے ہیں ان سے نہ تو علم کی کوئی خدمت ہوتی ہے اور نہ ان کی مشہور زمانہ وسعت نظر ہی کا پتا چلتا ہے۔ اسلامی فتوحات کے آغاز اور ان کے اہتمام سے متعلق جو وجوہ واسباب مستشرقین نے بیان کیئے ہیں ہم پہلے ان کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے اور دیکھیں گے کہ ان میں حقیقت کتنی اور طرز استدلال کی ملمع سازی کتنی ہے۔

مستشرقین کے مزعومہ اسباب

پہلا سبب

مستشرقین کے نزدیک فتوحات کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ عرب اپنی فطرت میں جنگ جو تھا۔ تاریخ عرب کے طالب علم کی نگاہ سے قبائلی لڑائیوں یا ایام عرب کے واقعات پوشیدہ نہیں ہیں۔ عرب جس کا آئین حیات جنگ وجدل تھا اور انتقام کی آگ میں جلنا اور دوسروں کو اس کی بھٹی میں جھونک دینا اس کی زندگی کا نصب العین تھا، نچلا بیٹھ نہیں سکتا تھا۔

ارتداد کے فتنے کے فرو ہونے کے بعد جیسے ہی اس کے زخم مندمل ہوتے وہ پھر کسی نئے فتنے اور کسی نئی جنگ کی آگ میں کود پڑتا۔ اس لئے خلفیہ رسول کے لئے ایک محفوظ صورتحال یہی ہو سکتی تھی کہ ان جنگ جو اور خوں خوار قبائل کو فارغ بیٹھنے نہ دیا جائے اور ایک نئی جنگ میں جھونک دیا جائے۔ اس کے لئے عرب سے ملے ہوئے عراق و شام کے علاقے موجود تھے جہاں تاریخ معلوم سے عرب قبائل سرحدی جھڑپوں اور غارت گری میں ملوث رہتے تھے اور جہاں اس زمانے میں بھی بنو بکر کے قبائل عراق پر برابر چھاپے مار رہے تھے۔(۱)

اگر فتوحات کے آغاز کی اس توجیہہ کو قبول کرلیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ایک موہوم خطرے یعنی قبائل عرب کی آئندہ بغاوت کو روکنے اور اس کا انسداد کرنے کی غرض سے خلفیۂ رسول نے ایک معلوم خطرہ مول لینا پسند کیا۔ اور عرب کی بے سروسامان قوم کو روم و ایران کی دولت مند مضبوط سلطنتوں سے ٹکرا کر اپنے لیۓ بربادی کا سروسامان کرلینا چاہا۔ ایک ایسی نوزائیدہ سلطنت جیسی کہ مسلمانوں کی اس وقت تھی اور ایک ایسی مسائل سے گھری ہوئی امت جیسی کہ اہل اسلام کی تھی اس کا محض وقتی مصلحتوں کی خاطر روم و ایران سے زور پنجہ کرنا' نظر بظاہر دانش مندی کی بات نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت ابو بکر صدیق جیسا دانشمند اور صائب الرائے خلیفہ جس کی اصابت رائے اور جس کی فہم و فراست کے ہمارے مغربی فضلاء بھی قائل ہیں' محض خانہ جنگی کے موہوم خطرے کے پیش نظر روم و ایران کی مضبوط طاقتوں سے ٹکر لینے اور شکست کھانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ پھر جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق کا حکم تھا عراق و شام کی ان ابتدائی جنگوں میں اہل ارتداد کو شرکت سے روک دیا گیا تھا۔ (۲) تو جن کے مزعومہ شورو ہنگامہ کو روکنے کی غرض سے نئے محاذ کھولے جا رہے تھے انہیں ان میں شرکت کی اجازت نہ دے کر اس بات کی امید کیسے کی جا سکتی تھی کہ وہ ان میں مشغول ہو کر اپنی فتنہ انگیزی سے باز آ جائیں گے اس کے علاوہ سرکش قبائل کی اس حد تک سرکوبی کر دی گئی تھی کہ ان کے لئے کافی عرصہ تک سر اٹھانا ممکن نہیں رہا تھا۔ حضرت عمر فاروق کے عہد تک بنو حنیفہ اور بعض دوسرے قبائل افرادی قوت کی کمی کا شکار تھے اور ان کے

بہت سے افراد جنگوں کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔ (۳) بناء بریں باغی قبائل کے لئے سر اٹھانا اور نئے فتنے کا سر انجام دینا' بظاہر ممکن نہیں رہا تھا۔ یوں ان کی جنگی حوصلہ مندیوں کی خاطر ایران و روم کی طاقتوں سے ٹکر لینے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ یہ درست ہے کہ عرب اپنی فطرت میں جنگ جو تھا اور اسکی اس خصوصیت سے مثبت فائدے حاصل کرنا معیوب نہیں بلکہ اصول سیاست کاری کے نقطۂ نظر سے قرین مصلحت بھی تھا' چنانچہ خلفیۂ رسول نے دین کی حفاظت اور سرحدات اسلام کی صیانت کے مثبت مقصد کے حصول میں اس جذبے سے کام لیا۔

دوسرا سبب

مستشرقین نے فتوحات کا ایک دوسرا سبب معاشی و اقتصادی بتایا ہے۔ یعنی عرب مادی وسائل سے تہی دامن تھا اور وہاں بسنے والوں کی زندگیاں تنگی ترشی سے بسر ہوتی تھیں۔ ان کے اپنے بنجر اور اجاڑ ملک سے شام و عراق کی سرحدیں ملی ہوئی تھیں۔ ان ملکوں کی زرخیزی اور یہاں کی زمینوں کی سیر حاصلی اور نتیجۃً یہاں بسنے والوں کی اقتصادی خوش حالی' عربوں کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھی۔ زرخیز علاقوں کی جانب نقل مکانی کا سلسلہ ایک مدت سے جاری تھا اور اسی مہاجرت کی آخری کڑی وہ تھی جس کا سرا عہد صدیقی میں عراق و شام کی فتوحات سے ملتا ہے۔ اس لیۓ عرب کی سرزمین سے معاشی دباؤ کم کرنے اور بہتر زندگی گزارنے کی توقع نے قبائل عرب کو جوق در جوق اپنے ریگستانی ٹھکانوں سے نکلنے اور عراق و شام کے زرخیز میدانوں میں داخل ہونے پر آمادہ کیا۔ (۴) حتی نے اپنے اس دعوی کے ثبوت میں بلاذری کے حوالہ سے خود حضرت ابو بکر صدیق کا ایک بیان نقل کیا ہے اور حماسہ کے ایک شعر سے بھی استدلال کیا ہے' اور اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ فتوحات کا اصل سبب معاشی و اقتصادی تھا۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اسلام نے ترک دنیا کا حکم نہیں دیا ہے اور جہاں بھی خیر و برکت کے حصول کا ذکر کیا ہے تو اس میں دین و دنیا دونوں کی بھلائیوں کو شمار کیا ہے۔ مسلمان کے لئے جو دعا تجویز کی گئی ہے اس میں دنیا اور آخرت دونوں کی حسنات

کے عطاء کئے جانے کی درخواست ہے۔ اس لئے معاش سے یک سر غفلت اور زندگی کے مادی تقاضوں کو بالکل نظر انداز کر دینا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ مگر دنیا دین کے تابع اور معاش معاد سے موخر ہے۔ جہاد کے اخروی ثواب کے ساتھ ہی دنیوی منفعت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اسے انفال یا شئے زائد کہا گیا ہے یوں جہاد سے اصل مقصود اعلائے کلمۃ اللہ ہے اور اس سے مالی فائدے کی حیثیت ثانوی ہے۔ اسلام نے کہیں یہ نہیں کہا ہے کہ جہاد کے دنیوی برکات و فیوض سے صرف نظر کر لی جائے اور اسے درخور اعتناء نہ سمجھا جائے۔ جو بات کہی گئی ہے وہ یہ کہ حق کی سربلندی' اسلام کی بالادستی اور دین کی صیانت جہاد کے اولین مقاصد ہیں اور اس کے نتیجہ میں جو مادی فوائد حاصل ہوتے ہیں ان سے ضرور استفادہ کرنا چاہئے' یہ مجاہدین کا حق ہے مگر مقصود بالذات نہیں بلکہ نفل اور شئے زائد اضافی فائدہ ہے۔ یہ تعلیم دراصل کشور کشائی اور تسخیر کے عمل میں اصلاح کی جانب واضح پیش رفت ہے کہ دیگر اقوام کا مقصد صرف مادی فوائد ہوتا ہے اور اس ضمن میں کسی اعلیٰ نصب العین کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا جس سے جنگ' فساد و بربادی کے سوا کچھ اور نہیں رہ جاتی ہے لیکن اگر اس کا مقصد باطل کا قلع قمع کرنا اور حق کی اشاعت کرنا ہو تو اس کا انجام اصلاح و آبادی ہوتا ہے۔ اسلام نے آئین جنگ میں یہ اصلاح کی لیکن اس کے مادی حاصلات کی نفی نہیں کی اس لئے اگر اسلامی فتوحات کا محرک صرف معاشی و اقتصادی ہوتا تو بات قابل اعتراض تھی لیکن اگر اس کا مقصد نیکی کی اشاعت اور برائی کا خاتمہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ اس کے نتیجے کے طور پر مادی فوائد اور معاشی منافع حاصل ہوں تو یہ بات معیوب نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق کے جس مقولہ کا حتی نے حوالہ دیا ہے کہ اس میں بھی جہاد و تسخیر کے یہ دونوں پہلو موجود ہیں مگر فاضل پروفیسر نے ایک پہلو کو اجاگر کیا اور دوسرے کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا ہم اسے بلاذری سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

لما فرغ ابوبکر رضی اللہ عنہ من امر اهل الردة رای توجیه الجیوش الی الشام فکتب الی اهل مکة و الطائف والیمن و جمیع

العرب بنجد وا لحجاز یستنفر هم للجهاد ویرغبهم فیه وفی غنائم الروم (۵)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب مرتدین کے معاملات سے نپٹ چکے تو انہوں نے شام کی طرف فوجوں کی روانگی کا ارادہ کیا۔ اس مقصد سے آپ نے مکہ' طائف اور یمن کے لوگوں اور نجد و حجاز کے تمام عربوں کو خطوط لکھے انہیں جہاد کی نیت سے بسرعت آنے' ان سے مدد طلب کرنے اور انہیں جہاد اور رومیوں سے لوٹ کے مال کی ترغیب دینے کی غرض سے خطوط لکھے۔

اسی شامی محاذ پر فوجوں کی روانگی کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق نے لوگوں کے روبرو جو خطبہ دیا اس میں جہاد فی سبیل اللہ کا بطور خاص ذکر کیا اور قرآن میں اس کا جو ثواب ہے اسے بھی بیان فرمایا: "الا وان فی کتاب اللہ من الثواب علی الجهاد فی سبیل اللہ "(۶)۔ اس سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ اصل غرض جہاد فی سبیل اللہ تھی اور وہ ثواب جس کا اللہ نے مجاہدین سے وعدہ فرمایا ہے اس کی بار بار یاد دھانی کرائی گئی، جبکہ مالی منفعت اور مال غنیمت کا حصول ثانوی و جزوی مقصد تھا۔

پروفیسر حتی کی تردید

اب رہا حماسہ کا وہ شعر جس سے پروفیسر حتی نے فتوحات کے معاشی عوامل پر استدلال کیا ہے، یہ شعر حکیم بن قبیصہ ضبی کا ہے، یہ شخص عہد اسلامی سے تعلق رکھتا ہے اور اپنے بیٹے کی اندرون عرب سے عراق کی جانب ہجرت پر اس نے چند تعریفی اشعار کہے تھے۔ یہ ہجرت فتوحات کے بعد ہوئی اور آبادکاری کے مرحلہ سے اس کا تعلق ہے۔ فتوحات کے نتیجے میں اندرون ملک سے قبائل کی ہجرت ہوئی اور حکیم بن قبیصہ ضبی کا بیٹا بھی اس کو چھوڑ کر عراق کے نئے شہروں کی جانب منتقل ہو گیا۔ مگر فاضل پروفیسر نے اس کی ہجرت کو فتوحات کا سبب قرار دیا ہے۔ حالانکہ ان اشعار میں بیان کردہ ہجرت فتوحات کے نتیجے میں ہوئی نہ یہ کہ ان کی وجہ سے فتوحات کا آغاز ہوا۔ حماسہ کے باب السیر والنعاس سے ہم ان

اشعار کو ذیل میں نقل کرتے ہیں جن میں ایک بوڑھے باپ (حکیم بن قبیصہ ضبی) نے اپنے جوان بیٹے کو ہجرت سے ذاتی وجوہ کی بناء پر روکا اور شہری و بدوی زندگی کا موازنہ کر کے بدوی زندگی کی برتری ثابت کی ہے:۔

لعمرُ ابی بشر لقد خانه بشر   علی ساعة فیها الی صاحبٍ فقر
فماجنة الفردوس هاجرت تبتغی   ولکن دعاك الخبز احسب والقمر
اقرص" تصلی ظهره نبطیته"   بتنور هاحتی یطیر له قشر
احب الیك ۲۱ لقاح کثیرة   معطفة فیها الجلیلته والبکر (۷)

"بشر کے باپ یعنی میری زندگی کی قسم بشر نے اس وقت ساتھ چھوڑ دیا جب کہ اس کے باپ کو اس کی ضرورت تھی، سوائے بشر تم نے اس لئے ہجرت نہیں کی کے جنت الفردوس کی تلاش تھی بلکہ تمہیں اس پر میرے خیال سے روٹی اور کھجور کی طلب نے آمادہ کیا۔ کیا روٹی کی وہ ٹکیاں جسے نبطی عورتیں اپنے تنور کی آگ میں اس وقت تک سینکتی رہتی ہیں کہ اس کا پرت اور چھلکا اڑنے لگتا ہے یعنی وہ پک جاتی ہیں ان بہت ساری دودھ دینے والی اونٹنیوں سے جو اپنے بچوں پر مہربان ہوتی ہیں، تمہیں زیادہ محبوب ہے۔"

ان سطور کی گزارشات کا ماحصل یہ ہے کہ فتوحات کے عوامل میں معاشی بہتری کا خیال ایک ثانوی و جزوی سبب کی حیثیت رکھتا ہے نہ کہ وہی مقصود بالذات رہا ہو۔ یہ ممکن ہے کہ کچھ ایسے لوگ بھی ہوں جنہوں نے صرف مادی فوائد کی خاطر فتوحات کی تگ و دو میں شرکت کی ہو لیکن مجاہدین کی بھاری اکثریت بہرصورت جذبہ جہاد سے اس میں شامل ہوئی۔

کیا فتوحات کسی منصوبہ بندی کے بغیر ہوئیں؟

پروفیسر حتی کا یہ بھی خیال ہے کہ فتوحات کسی منصوبہ بندی کے تحت نہیں کی گئیں تھیں۔ مسلمانوں کو کامیابیاں ہوتی گئیں اور وہ بڑھتے گئے اور جوں جوں نئے علاقے فتح ہوتے نئے حالات کے تحت نئے انتظامات کئے جاتے رہے (۸) اگر ایسا درست ہوتا تو دنیا کے

بہت سے فاتحین کی فتوحات کا جو حشر ہوا، وہی اسلامی فتوحات کا بھی ہوتا، کہ یہ فتوحات تند و تیز طوفانوں کی صورت میں آئیں، تباہی بربادی پھیلاتی ہوئی اسی تندی و تیزی کے ساتھ گزر گئیں، ان کے اثرات وقت کے ساتھ مٹ گئے اور ایسا لگا جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ ہنی بال، سکندر، چنگیز، ہولاکو، تیمور اور نادر کی فتوحات اس زمرے میں آتی ہیں جنہوں نے ایک وقتی اور عارضی تباہی مچانے کے سوا تہذیب انسانی اور تاریخ اقوام پر کوئی نمایاں مثبت اثر نہ چھوڑا، اس کے برعکس اسلامی فتوحات اپنی عالم گیری کے ساتھ ساتھ ہمہ گیر بھی تھیں وہ سلسلۂ تسخیر و کشور کشائی جو سیدنا صدیق اکبر کے عہد میں شروع ہوا، اور جسے حتی نے بے ربط اور کسی منصوبہ بندی کے بغیر شروع کیا جانے والا سلسلۂ جنگ قرار دیا ہے، ایک مستقل تبدیلی کا آئینہ دار تھا اور جن خطوں پر اس کے فوری اثرات پڑے وہ صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی انہیں فتوحات کے حلقہ اثر میں ہیں۔ عراق، شام، مصر، شمالی افریقہ، ایران، خراسان، ترکمانستان، بجستان اور پاکستان جو مختلف زمانوں میں اسلامی فتوحات کے زیر اثر آئے ان پر فاتحین کی گہری چھاپ پڑی، ان کے مذہب، ان کی زبان، ان کی تہذیب، ان کی ثقافت غرض ان کی زندگی کے ہر پہلو کو خواہ وہ مادی تھے خواہ روحانی عرب فاتحین نے متاثر کیا اور ان کی روحانی و مادی اقدار کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ فتوحات سے پہلے ان ممالک کی جو زبان تھی فتوحات کے بعد وہ ویسی نہ رہی، ان کا جو مذہب تھا وہ بدل گیا، ان کی تہذیب و ثقافت یکسر تبدیل ہوگئی اور نظام حیات کے ہر گوشے میں تسخیر نو کے اثرات واضح و نمایاں طور پر محسوس کئے گئے اس واضح حقیقت کے باوجود یہ دعویٰ کہ عمل تسخیر کسی منصوبہ بندی کے بغیر بے ربطی سے شروع ہوا اور بے ربط ہی رہا، قیاس مع الفارق اور حقیقت کے برعکس ہے۔

فتوحات کے واقعی اسباب

پہلا سبب

رومیوں کے خطرات

فتوحات کے مذکورہ بالا اقتصادی سبب کے علاوہ ان کے واقعی اسباب میں سب سے پہلا سبب دفاعی ہے۔ اسلام کی نوزائیدہ ریاست کو اپنی دو عظیم پڑوسی حکومتوں سے سخت خطرہ تھا۔ رومیوں کے اثرات صرف عرب اور شام کی سرحدوں تک محدود نہ تھے، جہاں بصریٰ میں غسانیوں کی حکومت قائم تھی جو رومیوں کی باج گزار اور عرب میں ان کے مفاد کی نگراں تھی، بلکہ ان کے اثرات اندرون ملک بھی گہرے تھے۔ اندرون عرب جو عیسائی قبائل آباد تھے دراصل وہ اپنے ہم مذہب رومیوں کے طرف دار اور ان کے زیر اثر تھے۔ ان عیسائی عربوں پر اگر کبھی کوئی افتاد پڑی تو رومیوں نے براہ راست یا اپنے ہم مذہب حبشہ کے حکمرانوں کے ذریعہ ان کی مدد میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ یمن پر حبشیوں کا حملہ، وہاں یہودی حکمرانوں (تابعہ) کو ختم کر کے اہل حبشہ کی اکسومی ریاست قائم کرنا اور یہودیوں کو سخت سزا دینا، دراصل نجران کے ان عیسائیوں کی حمایت میں ہوا تھا جنہیں تبع یمن ذونواس نے آگ کے گڈھوں میں جلوا دیا تھا۔ (۹) رومیوں کے اثرات براہ راست عیسائی قبائل پر تھے اور بعض دوسرے قبائل پر ان کے ماتحت غسانیوں کے سیاسی وقبائلی اثرات تھے۔ خود مدینہ کے انصار (اوس وخزرج) ہم نسبی کی بنا پر غسانیوں سے قریب تر تھے اور اسلام سے پہلے یہود کے مقابلہ میں غسانی ان کی مدد کر چکے تھے۔ (۱۰) اس طور سے رومیوں کے اثرات اور ان کا سیاسی نفوذ اسلامی ریاست کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھا۔ چنانچہ جناب رسالت مآب ﷺ نے ان کا سدباب کرنے کی غرض سے عرب وشام کی سرحدوں پر آباد قبائل سے صلح وجنگ کے تعلقات قائم کئے اور ان سے معاہدوں کے ذریعہ روابط استوار کئے مثلاً ایلہ کے عیسائی حاکم یحنہ بن روبہ سے، جرباء اور اذرح کے یہود سے، معان کے حاکم فردہ بن

عمرو سے اور دومہ کے رئیس اکیدر سے مختلف وقتوں میں آپ نے معاہدے کئے۔ غسانیوں اور رومیوں کے زیر اثر یہ عیسائی قبائلی اور ان کے سردار اس حد تک شورہ پشت ہو گئے تھے کہ ۷ھ میں جناب رسول اکرم ﷺ کے قاصد حضرت حارث بن عمیر کو غسانی رئیس شرحبیل بن عمرو نے شہید کر دیا۔ چنانچہ انہیں کا انتقام لینے کی غرض سے ۸ھ میں تین ہزار مسلمانوں کا ایک دستہ فوج حضرت زید بن حارثہ کی سرکردگی میں مشارف (سرحدات) شام کے مقام بلقاء کی جانب روانہ کیا گیا تھا، ان مجاہدین کو رومیوں کے ماتحت ایک لاکھ عرب قبائل لخم، جذام، بلقین، بہراء اور بلی سے، جن کا سپہ سالار مالک بن رافلہ بلوی نصرانی تھا و نیز ہرقل کے اپنے لشکر سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ ایک غیر منفصلہ جنگ کے بعد فریقین الگ ہو گئے اور اسلامی فوج اپنے تین لائق سپہ سالاروں کو کھو کر حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں مدینہ واپس آئی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرو بن عاص کو سرحدات شام پر آباد قضاعہ کے قبائل کے پاس بھیجا۔ حضرت عمرو کی ان سے قرابت داری تھی اور خیال تھا کہ وہ قضاعہ کو رومیوں سے توڑ لینے میں کامیاب ہو جائیں گے، مگر ایسا نہ ہو سکا۔ (۱۱) اسی دوران رومی مدینہ پر حملے کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے اور یہ خدمت ان کی طرف سے بنو غسان کو انجام دینی تھی، چنانچہ رسول اکرم علیہ السلام کو ان کے حملے کے خطرات کے پیش نظر حفاظتی اقدامات کرنے پڑے۔ ان کا خطرہ اتنا قریب اور تشویش ناک تھا کہ مسلمان ہر ناگہانی کو غسانیوں کی آمد سمجھ بیٹھتے تھے مثلاً واقعہ ایلاء کے موقع پر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک انصاری دوست نے رات کو دروازہ کھٹکھٹایا اور بولے آج ایک بڑا حادثہ رونما ہو گیا "قد حدث الیوم امر عظیم" تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گھبرا کر پوچھا۔ کیا ہوا، کیا غسانی آ گئے؟ "ماھوا جاء غسان" (۱۲)۔ یہی نہیں کہ رومیوں کے اشارے پر ان کے پٹھو غسانی مدینہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے بلکہ یہاں تک خبریں آ رہی تھیں کہ غسانی اپنے گھوڑوں کی نعلیں بنوا رہے ہیں اور حملہ کیا ہی چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے شام سے حجاز بالخصوص مدینہ کو غلہ فروخت کرنے والے

نبطی بنجاروں کو پریشان کرنا شروع کر دیا تھا تا کہ مدینہ غذائی مشکلات سے بھی دوچار ہو جائے۔ ان حالات میں رسول اکرم ﷺ نے سخت گرمی اور خشک سالی کے باوجود ۹ھ میں تبوک کی مہم سر کی اور سرحدات شام تک پہنچ کر رومی اور ان کے باج گزار عیسائی عربوں کی پیش قدمی کا انتظار فرمایا جب وہ مقابلہ پر نہ آئے تو آپ ﷺ قرب و جوار کے قبائل سے معاہدے کر کے اور دومہ کے رئیس اکیدر کو مطیع بنا کر مدینہ واپس تشریف لائے۔ (۱۳) لیکن خطرہ پھر بھی موجود تھا چنانچہ اس کے سدباب کے لئے آپ نے اسامہ کی قیادت میں جیش کی روانگی کا حکم صادر فرمایا۔ اس حکم کی آپ کے وصال کے بعد عہد صدیقی میں بجا آوری عمل میں آئی۔ اسامہ کی مہم سے مشارف (سرحدات) شام کے ان متحارب عیسائی عربوں کو مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہوا اور وہ کسی فوری پیش قدمی سے رک گئے۔ لیکن فتنۂ ارتداد کے دوران میں بھی اس طرف سے مسلمانوں کو خطرہ تھا۔ حروب ارتداد کے سلسلے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو جیوش مختلف امراء کی کمان میں روانہ فرمائے تھے اور جن کی تعداد گیارہ بتائی جاتی ہے، ہر چند کہ انہیں ارباب سیر مرتدین کے خلاف بھیجے جانے والے دستوں میں شمار کرتے ہیں مگر ان میں سے دو دستے جو حضرت عمرو بن عاص اور حضرت خالد بن سعید بن عاص کی کمان میں بالترتیب سرحد عرب و شمال میں آباد قضاعہ، ودیعہ و حارث کے قبائل کے خلاف اور سرحدات شام میں واقع الحمقتان کے سرکش قبائل کے خلاف تیماء کی جانب روانہ کئے گئے تھے، دراصل رومیوں اور ان کے پٹھو قبائل کے متوقع حملوں کی روک تھام کے لئے تعینات کئے گئے تھے اور ان کا براہ راست مرتدین عرب سے تعلق نہ تھا۔ ان دونوں دستوں میں سے جو دستۂ فوج حضرت خالد بن سعید کی کمان میں تھا اسے حکم دیا گیا تھا کہ سرحدی شہر تیماء میں رک کر شام سے مدینہ جانے والی شاہراہ کی حفاظت کرے اور رومیوں کی نقل و حرکت کی نگرانی ہوتی رہے تا کہ ان کے کسی حملہ کا بروقت تدارک کیا جا سکے۔ (۱۴)

دوسرا سبب

ساسانیوں کے خطرات

عربوں کی دوسری ہمسایہ سلطنت ایرانیوں کی تھی۔ عربوں کے تعلقات ان ایرانیوں سے زمانہ قدیم سے تھے۔ ان کے تجارتی کاروان ایران جاتے اور وہاں خرید و فروخت کرتے تھے۔ اسی طرح ایرانی تجار بھی عرب میں کاروباری اغراض سے آتے رہتے تھے۔ عربوں سے ایرانی حکمرانوں کے سیاسی روابط نہایت گہرے اور پرانے تھے۔ پڑوس کے عراق میں عرب تارکین وطن کی آمد کے سلسلے قدیم سے جاری تھے عرب و عراق کی سرحدوں پر اور عراقِ عرب میں ان کی بھاری تعداد آباد تھی۔ انہیں عرب آباد کاروں کی ایک ریاست کوفہ کے قریب حیرہ کے شہر میں قائم تھی۔ حیرہ کے یہ عرب حکمران نسلاً بنو لخم سے تعلق رکھتے تھے اور عراقِ عرب و اندرونِ عرب ایران کے سیاسی مفادات کی نگرانی انہیں کے ذمہ تھی۔ اس کے علاوہ بحرین اور عمان پر بھی ایرانی اقتدار قائم تھا۔ خود یمن پر بعثت نبویؐ سے قریبی زمانے میں اہل ایران کا قبضہ ہو گیا تھا اور وہاں ایرانی فوجی گورنر اور ایرانی سپاہ مقیم تھی۔ اپنے ان عرب باج گزار رؤساء کے ذریعہ ایرانی حکمران عربوں کی سرحدی یلغاروں کی روک تھام کرتے اور عرب کے اندرونی علاقوں کو بھی اپنا مطیع فرمان خیال کرتے تھے۔ ایرانی اثرات سے عربوں میں زردشتی مذہب کی بھی کسی قدر اشاعت ہوئی تھی اور بعض قبائل نے مجوسیت اختیار کر لی تھی، یہ عرب خصوصاً حیرہ کے لخمی حکمران، ایرانی حکومت کے اس قدر وفادار تھے کہ وہ ایران و روم کی جنگوں میں رومیوں کے خلاف بڑی مردانگی سے لڑتے تھے (۱۵) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی اپنے عرب حلیفوں کو اپنے برابر نہ سمجھتے تھے اور انہیں ذلیل کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حیرہ کے لخمی رئیس نعمان بن منذر سوم کو مدائن بلا کر قید کر دیا اسی قید کی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔ نعمان نے حیرہ سے مدائن جاتے وقت اپنی قیمتی زرہیں اور بعض دوسری اشیاء قبیلہ بنو بکر کے رئیس ہانی بن مسعود شیبانی

کے: ہاں امانۃً رکھوادی تھیں۔ نعمان کی موت کے بعد ایرانی حکومت نے حیرہ پر اپنا گورنر مقرر کردیا اور ایک عرب سردار ایاس بن قبیصہ طائی کو برائے نام عرب قبائل کا سردار نام زد کردیا۔ خسرو پرویز کے اس فعل سے ایران کے وفادار عربوں میں بددلی پھیلی اور جب ایرانی حکمران نے ہانی بن مسعود سے نعمان کی امانت کی واپسی کا مطالبہ کیا تو عربوں میں مزید بے اطمینانی پیدا ہوئی۔ ہانی کے انکار پر اس کے خلاف ایک ایرانی فوج اسی ایاس کی سرگردی میں سرکش عرب قبائل کو سزا دینے کی غرض سے روانہ کی گئی اس فوج کے ساتھ ایرانیوں کے وفادار عرب قبائل طے اور ایاد وغیرہ بھی کمک پر تھے۔ اس کا مقابلہ ذی قار نامی چشمہ کے قریب ہوا۔ عربوں نے جان پر کھیل کر حملہ آوروں کا مقابلہ کیا اور انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ یہ ایرانیوں پر عربوں کی باقاعدہ جنگ میں پہلی کامیابی تھی۔ اس واقعہ کی اطلاع جناب رسول اکرم ﷺ کو ہوئی تو آپ نے مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا:۔

"هذا اولُ یومٍ انتصفَ العربُ مِنَ العجمِ وبی نُصِروا" یہ پہلا معرکہ ہے جس میں عربوں نے عجمیوں سے بدلہ چکایا ہے اور میری ذات سے انہیں مدد و نصرت ملی ہے۔ عرب و عجم کے تعلقات میں جنگ ذی قار کو اس لئے نہایت اہمیت حاصل ہے کہ اس کام یابی سے عربوں میں اعتماد پیدا ہوا اور ایرانی فوجی قوت کا سحر ٹوٹنے لگا۔ ایرانی حکومت عمان، بحرین اور عرب کے ساحلی علاقوں پر بھی اپنا اقتدار رکھتی تھی۔ عمان پر جلندی کا خاندان کسریٰ کی جانب سے حکمران تھا اور اس کے بیٹوں جیفر و عبد کو آنحضرت ﷺ نے خط لکھا تھا۔ بحرین حیرہ کے لخمیوں کی ماتحتی میں تھا۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے قبائلی سرداروں کے بھی ایرانیوں سے ماتحتانہ تعلقات تھے اور ان میں سے کچھ کو کسریٰ نے تاج عطا کر کے ایک طرح کا حق حکم رانی بخشا تھا مثلاً بنو حنیفہ کا سردار ہوذہ بن علی، جو اس لئے ذوالتاج یعنی صاحب تاج کہلاتا ہے، کہ حکمران ایران نے اسے ایک جواہر نگار کلاہ عنایت کی تھی۔ ان سیاسی اثرات اور قبائلی سرداروں کے وفود کی حاضری کے سبب ایرانی حکومت عربوں کو اپنا باج گزار اور مطیع فرمان سمجھتی تھی اور ذی قار کے معرکہ میں شرم ناک شکست کے باوجود

عربوں کو اپنے سے کم تر سمجھتی تھی۔ (۱۶) چنانچہ ۷ھ میں سرور کائنات ﷺ نے جو تبلیغی مراسلے حکمرانان وقت کے نام روانہ کئے ان میں خسرو پرویز کے نام سے بھی دعوت اسلام کا مکتوب تھا جسے عبداللہ بن حذافہ سہمی لے کر گئے تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا یہ خیال ہے کہ یہ مکتوب نبویؐ غالباً بحرین کے ایک عرب نژاد ایرانی افسر منذر بن ساویٰ کے توسط سے دربار مدائن کو روانہ کیا گیا تھا یا پھر عبداللہ خود ہی مدائن گئے تھے۔ بہرکیف ایرانی مطلق العنان نے مکتوب گرامی کو چاک کردیا اور قاصد سے گستاخانہ پیش آیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: "اللہ اس کے ملک کو بھی پارہ پارہ کردے گا" اس کے بعد یمن کے گورنر کو دوبارہ مدائن سے یہ حکم بھیجا گیا کہ مدینہ کے نبی کو برضا رغبت یا بہ جبر گرفتار کر کے مدائن روانہ کرے۔ اگرچہ اس حکم کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور نہ نکل سکتا تھا مگر اس سے دربار ایران کے عربوں سے اہانت آمیز رویہ کا واضح ثبوت ملتا ہے (۱۷) ایران کی مضبوط شہنشاہیت جس نے خسرو پرویز کی سرکردگی میں رومیوں کو عبرت ناک شکست دی تھی، شام پر قبضہ کر کے صلیب مقدس نکال کر مدائن پہونچادی تھی اور ایرانی فوجیں شہر قیصر یعنی قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے پڑی تھیں کہ یکایک حالات نے پلٹا کھایا، ہوا کا رخ بدلا اور قیصر ہرقل برق و باد کی طرح اٹھا، بکھرے ہوئے ذرات کو اکٹھا کیا، ٹوٹی ہوئی طاقت کو جوڑا اور نہ صرف یہ کہ اپنے کھوئے ہوئے مقبوضات ایرانیوں سے واپس لے لئے، صلیب مقدس کو واگزار کرلیا بلکہ ایرانیوں کے دارالحکومت کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور نینوی کی جنگ میں ایرانیوں کو شکست فاش دے کر ان کی کمر توڑ دی۔ جناب رسول اکرم ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع صلح حدیبیہ کے دن ہوئی اور آپ نے اس پر مسرت کا اظہار فرمایا۔ اس کے ساتھ ایرانی سلطنت کی شکست و ریخت کا آغاز ہوگیا اور مخبر صادق علیہ السلام کی پیشن گوئی پوری ہوئی (۱۸) خسرو پرویز کے بیٹے شیرویہ نے اپنے باپ اور سترہ بھائیوں کو بے رحمی سے قتل کر کے خود تخت مدائن پر قبضہ کرلیا اور یوں خانہ جنگیوں کے سلسلے شروع ہوگئے۔ طبری کے بیان کے مطابق چار سال کے مختصر عرصے میں دس افراد تھوڑے

تھوڑے وقفوں سے تخت کیانی پر متمکن ہوئے جن میں خسرو پرویز کی دو بیٹیاں بوران دخت اور آذرمی دخت، غیر شاہی خاندان کے افراد اور کیانی نسل کے کم سن و نالائق اشخاص شامل تھے۔ آخر میں خسرو پرویز کے پوتے یزدجرد بن شہریار کو تخت نشین کیا گیا مگر اس کی حکومت خواب و خیال سے زیادہ نہ تھی اور امراء و اعیان حکومت اپنی من مانی کرتے تھے (۱۹) ساسانیوں کی اس نااتفاقی اور امراء کی شورہ پشتی کے سبب ملک پر انتشار کی کیفیت طاری ہوگئی۔ عراق عرب کے عرب قبائل جو ایرانیوں کی ظالمانہ حکومت سے متنفر تھے انہیں بھی سر اٹھانے کا موقع مل گیا اور انہوں نے سرحدات عراق عرب پر دور دور چھاپے مارنے شروع کئے انہیں سرداری میں بنی بکر بن وائل کے دو سردار مثنیٰ بن حارثہ شیبانی اور سوید بن قطبہ ذہلی نے اپنے اپنے جتھے اکٹھا کر کے عراق میں حیرہ اور ابلہ کے مضافات پر بالترتیب حملے شروع کر دیئے۔ یہ زمانہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز کا ہے۔ (۲۰) مگر اپنے تمام تر ضعف اور انتشار کے باوجود ایرانی حکومت عرب میں اسلام کی اشاعت اور عربوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی فکر سے غافل نہ تھی چنانچہ حروب ارتداد کے دوران میں مقامی ایرانی آبادی اور ساسانی حکمرانوں کو شہ پر حیرہ کے لخمی خاندان کے ایک فرد منذر بن نعمان کو اہل بحرین نے اپنا حاکم بنا کر مسلمانوں کے خلاف لڑائی کا ڈول ڈالا تھا (۲۱) نیز سجاح تمیمیہ نے دعویٰ نبوت کے بعد جب مدینہ پر حملہ کی غرض سے حجاز کا رخ کیا تو اس میں بھی ایرانی حکومت اور اس کے عراقی کارپردازوں کی ریشہ دوانیوں کا دخل تھا (۲۲) غرض مسلمانوں کے وجود کے لئے ایرانی بھی ویسے ہی عظیم خطرہ تھے جیسے کہ رومی تھے۔

سطور بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شام کے رومی حکمران اور عراق کے ایرانی حکام عرب میں اسلام کی نوزائیدہ قوت کو ابھرتے ہی ختم کر دینا چاہتے تھے اور ان کی چھیڑ چھاڑ کے سلسلے جناب رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارک ہی سے شروع ہو چکے تھے۔ عہد صدیقی میں ہنگامہ ارتداد کے دوران بھی مسلمان شام و عراق کی جانب سے رومیوں اور ایرانیوں کے متوقع حملوں سے غافل نہ تھے اور اس نازک گھڑی میں بھی نگراں

دستے مقرر کر کے کسی قدر حفاظتی انتظامات کئے گئے تھے تاکہ دشمن کے اچانک حملہ آور ہونے کی صورت میں ان کا مقابلہ کیا جا سکے اور اسلام کو اس دو طرفہ خطرے سے ہر ممکن ذریعہ سے محفوظ رکھا جا سکے۔

تیسرا سبب

جذبۂ جہاد

عراق و شام پر مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کا ایک سبب جذبہ جہاد بھی ہے۔ اسلام کی تبلیغ کی غرض سے آنحضرت ﷺ نے ۶ھ یا ۷ھ میں (باختلاف تعبیر روایات) ان علاقوں کے حکمرانوں کے ہاں سفارشات روانہ کی تھی اور انہیں اسلام کی دعوت دی تھی۔ فتوحات کے آغاز میں بھی جذبہ جہاد اور دعوت اسلام کی کارفرمائی تھی، چنانچہ ہر مقابلہ سے پہلے عموماً مخالفوں کو اسلام کی دعوت دی گئی اور ان کے انکار پر ان سے جنگ کی گئی۔ (۲۳) ہم نے صفحات ماسبق میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جن خطبات کا حوالہ دیا ہے ان میں حملہ کی اصل غرض و غایت جہاد اور غلبہ اسلام کو ہی ٹھہرایا گیا ہے۔ اس لئے صحرائے عرب سے سرفروشانہ نکل پڑنا اور مختصر عرصے میں دنیا کی دو عظیم طاقتوں کو نیچا دکھا دینا اسی جوش ایمانی کی بدولت تھا۔

حملوں کی غایت و غرض

مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کے ان تمام اسباب کے تجزیہ کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ عراق و شام پر اسلامی افواج کے حملہ کا بنیادی سبب سرحدات عرب کا دفاع اور اسلامی ریاست کو اپنے مضبوط حریفوں سے محفوظ رکھنا تھا۔ اس میں جذبہ جہاد کی بھی کارفرمائی تھی، عربوں کی فطرتِ جنگ پسند سے بھی اسے تقویت پہونچی اور شام اور عراق کی زرخیزی و نیز رومیوں اور ایرانیوں کی دولت مندی سے بھی تحریک میں سرعت پیدا ہوئی لیکن ان تمام اسباب کے باوجود اگر مسلمانوں کو اپنے ان حریفوں سے سخت خطرہ نہ ہوتا تو یقین ہے کہ

مسلمان ان سے ٹکرانے کا خطرہ ہرگز ہرگز مول نہ لیتے۔ ہمارے اس خیال کی تائید سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ ''کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں آگ کا پہاڑ ہوتا تاکہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے اور نہ ہم ان پر چڑھ کر جا سکتے۔'' (۲۴)

اب جب کہ ظہور اسلام، یعنی عرب سے نکل کر غازیان اسلام کے عراق و شام کی سرحدوں کے عبور کرنے اور ان ملکوں کو اسلام کے دائرہ اثر میں لے آنے، کے اسباب کی نشان دہی کی جا چکی ہے، ہم سطور آئندہ میں ان فتوحات کو کسی قدر اختصار کے ساتھ سپرد قلم کریں گے جو ان دونوں محاذوں پر عہد صدیقی میں ہوئی اور جو ان عظیم فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں جن سے عہد فاروقی کو تاریخ میں شہرت و عظمت حاصل ہوئی۔ تاریخی تسلسل کے خیال سے عراق کے محاذ کی روئیداد پہلے آئے گی اور شام کی تسخیر کے واقعات کا ذکر ظاہر ہے کہ اس کے بعد کیا جائے گا۔ مگر واقعات کے تسلسل کے لحاظ سے عراق کی عام بغاوت کا بیان جو تسخیر شام اور حضرت خالد بن ولید کی عراق سے غیر حاضری کی وجہ سے ہوئی، عراق کی عام تسخیر کے ساتھ ہی کیا جائے گا تاکہ واقعاتی سلسلہ نہ ٹوٹنے پائے۔

عراق پر لشکر کشی

عرب قبائل کی نقل مکانی، وقتاً فوقتاً آبادی کاری اور دریائی نظام کے سبب عربوں نے عراق کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک عراق عرب جو سرزمین عرب سے ملحق اور عرب قبائل کی کثیر آبادی پر مشتمل تھا۔ دوسرا عراق عجم جس کی تسخیر کا آغاز عہد فاروقی میں ہوا۔ یہ عراقِ عرب، شمال میں الجزیرہ (بالائی عراق)، جنوب میں خلیج فارس، جنوب مشرق میں خوزستان، مشرق میں عراق عجم اور مغرب میں صحرائے شام سے گھرا ہوا تھا۔ اس کے بڑے شہروں میں اُبُلّہ کا ساحلی شہر (جو بصرہ کا پیش رو تھا) حیرہ (جو کوفہ کے قریب آباد تھا)، قادسیہ، انبار وغیرہ تھے۔ خود ساسانیوں کا دارالحکومت مدائن جو دریائے دجلہ کے مشرق و مغرب میں دونوں کناروں پر آباد تھا اور جو سات شہروں کا مجموعہ تھا، اسی حصہ عراق میں واقع تھا۔ (۲۵)

عراق پر لشکر کشی کی تحریک حضرت مثنی بن حارثہ شیبانی نے کی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا

جا چکا ہے تخت کیانی کے ضعف کے دوران میں مثنی اور ان کے ہم قبیلہ سوید بن قطبہ سرحداتِ عراق کے ایرانی علاقوں پر تاخت و تاراج کر رہے تھے۔ فتنہ ارتداد کے زمانے میں مثنی نے اپنے آٹھ ہزار ساتھیوں کے ساتھ مل کر بحرین میں اسلامی افواج کی مدد اور مرتدین کی بیخ کنی کی تھی۔ اس کامیابی کے بعد مثنی بن حارثہ مدینہ آئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عراق پر فوج کشی اور بنو بکر بن وائل پر اپنی سیادت کی درخواست کی۔ ان کی یہ درخواست منظور کی گئی اور حضرت خالد بن ولید کو جو تازہ تازہ یمامہ کا معرکہ سر کر کے مدینہ واپس لوٹے تھے مہمات عراق کا کمان دار مقرر فرمایا گیا۔ مثنی اور سوید و نیز دیگر قبائلی سرداروں کو حضرت خالد کی کمان میں دیا گیا۔ حضرت خالد دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ محرم ۱۲ھ میں عراق کی تسخیر کی غرض سے روانہ ہوئے۔ بنو بکر کے ان سرداروں کے جتھوں کے علاوہ حضرت عیاض بن غنم کو بھی جو سرحدی نگرانی پر مامور تھے، حضرت خالد کے ساتھ ہو کر عراق کی جانب پیش قدمی کا حکم دیا گیا۔ اسی طرح مذعور بن عدی عجلی کو جنہیں اس سے پہلے عراق میں ایرانیوں سے مصاف کرنے کی اجازت دی جا چکی تھی حضرت خالد کی کمان میں دے دیا گیا۔ جب حضرت خالد حدود عراق میں داخل ہوئے تو مثنی بن حارثہ اپنے آٹھ ہزار لشکریوں کے ساتھ ان سے آملے۔ حضرت خالد نے مسلمان فوجوں کو تین حصوں میں بانٹ کر مختلف راستوں سے حفیر پہونچ کر اکٹھا ہونے کا حکم دیا۔ ایک حصہ لشکر مثنی بن حارثہ کی، دوسرا عدی بن حاتم کی اور تیسرا حصہ خود حضرت خالد کی کمان میں تھا۔ یہ تینوں لشکر دو اور تین دن کے فاصلے سے حفیر کی سمت روانہ ہوئے۔

جنگِ حفیر یا جنگِ ذات السلاسل

حفیر خلیج فارس کے قریب اور کاظمہ کی سرحد پر واقع ہے مدینہ سے بصرہ جانے والی شاہ راہ پر وہی پہلا اہم شہر ہے۔ یہاں ایرانی حاکم ہرمز متعین تھا جو اپنی بحری و بری معرکہ آرائیوں اور سخت گیری کے باعث خاصی اچھی اور بری شہرت کا مالک تھا۔ حضرت خالد نے حفیر پر پیش قدمی سے پہلے ہرمز کے نام قبول اسلام بصورت دیگر ادائے جزیہ اور ان دونوں

صورتوں کو قبول نہ کرنے کی صورت میں جنگ کرنے کا پیغام روانہ کیا۔ جب ہرمز کو مسلمانوں کا خط اور اسلامی افواج کی نقل وحرکت کی اطلاع ملی تو اس نے بادشاہ ایران کو اس کی اطلاع دی اور خود آگے بڑھ کر مقابلہ کی نیت سے کواظم میں فوجیں اتار دیں مگر جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت خالد حفیر کی جانب پیش قدمی کر رہے ہیں تو ہرمز کواظم سے اٹھ کر مسلمانوں سے پہلے حفیر پہونچ گیا اور وہاں پڑاؤ کر کے پانی پر قبضہ کرلیا۔ اس اطلاع پر حضرت خالد کاظمہ سے چل کر حفیر پہونچے اور حریف کے مدمقابل صف آرا ہوئے۔

ایرانیوں میں غضب کا جوش تھا، ان کے میمنہ ومیسرہ کے دستوں نے اس خیال سے کہ کہیں میدان جنگ سے فرار نہ ہو جائیں اپنے پیروں میں زنجیریں (سلاسل) ڈال رکھی تھیں اس لئے اس جنگ کو ذات السلاسل (زنجیروں والی لڑائی) بھی کہا جاتا ہے۔ جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو ہرمز نے حضرت خالد سے تنہا نبردآزمائی کی خواہش کی اور وہ انہیں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے بعد بڑے گھمسان کا رن پڑا مگر حضرت قعقاع بن عمرو اور دوسرے سرداروں کی جاں بازی اور مسلمانوں کی بے جگری کی بدولت ایرانیوں کو سخت شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ مسلمانوں کو کافی مال غنیمت ملا جس میں ایک ہاتھی بھی تھا۔ (۲۶)

اُبلّہ پر قبضہ

فتح کے بعد حضرت خالد نے ابلہ کی جانب فوجیں روانہ کیں۔ وہاں سوید بن قطبہ ذہلی کی فوجوں سے ایرانی اور ان کے حامی عرب قبائل جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حضرت خالد نے یہاں پہونچ کر ایرانیوں کو عبرت ناک شکست دے کر ابلہ پر قبضہ کرلیا۔ یہ ابلہ پر مسلمانوں کا پہلا کامیاب حملہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے ایرانیوں نے بحری امداد کے بل پر عہد فاروقی میں بغاوت کردی تھی اور اسے اس زمانے میں دوبارہ فتح کیا گیا (۲۷)

جنگ مذار

جنگ حفیر کے موقع پر ہرمز نے دربار ایران کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع دی

تھی اور کمک کی درخواست کی تھی۔ اس درخواست اور ایرانیوں کی شکست کے نتیجہ میں حکومت ایران نے مسلمانوں سے نبردآزما ہونے کی غرض سے ایک بڑا لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر کے ساتھ جنگ حفیر کے شکست خوردہ ایرانی بھی آکر مل گئے۔ دریائے دجلہ وفرات کے سنگم پر اس لشکر نے جس مقام پر پڑاؤ کیا اس کا نام مذار ہے۔ جنگ شروع ہوئی تو ایرانی مسلمانوں کے سامنے ٹک نہ سکے ان کے نامی گرامی سردار قارن، نوشجان اور قباد مارے گئے۔ باقی فوج تیس ہزار لاشیں چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ یہ معرکہ صفر ۱۲ھ میں پیش آیا۔ (۲۸)

جنگِ وُلجہ

مذار کی شکست کی خبر جب دربار مدائن میں پہونچی تو نئے جوش وخروش کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر جرار بسر کردگی اندرزغر روانہ کیا گیا۔ اس کے عقب میں ایک دوسرا لشکر جادویہ کی کمان میں بھیجا گیا۔ ان افواج کے علاوہ دجلہ وفرات کے دوآبہ میں آباد عرب قبائل کو جن کی اکثریت عیسائی تھی اسلام دشمنی وقبائلی عصبیت کے ناطے مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کیا گیا۔ عرب وعجم کا یہ متحدہ لشکر وُلجہ کے مقام پر آکر رکا جو دجلہ وفرات کے سنگم کے قریب ہی واقع تھا۔

حضرت خالد کو ایرانیوں کے اس اجتماع کی اطلاع مذار ہی میں مل گئی تھی۔ چنانچہ وہ پوری تیاری سے نکلے راستے میں دو دستوں کو الگ الگ سرداروں کی قیادت میں روانہ کیا کہ عقب سے ایرانی فوج پر حملہ آور ہوں۔ حضرت خالد نے ولجہ پہونچ کر جنگ کا ڈول ڈالا، مگر معرکہ نہایت سخت تھا اور فریقین کا پلہ برابر تھا اس اثناء میں دونوں مسلمان دستے آپہونچے اور انہوں نے ایرانیوں کے عقب میں پہونچ کر حملہ شروع کیا۔ ایرانی اس دو طرفہ حملہ کی تاب نہ لاسکے اور بھاگ کھڑے ہوئے اندرزغر بھی جان بچا کر بھاگ نکلا۔ مگر راستے میں بھوک اور پیاس کے مارے جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ فتح کے بعد حضرت خالد نے مقامی آبادی سے نرمی کا سلوک کیا اور انہیں امان دیدی۔ (۲۹)

جنگِ اُلیس

دجلہ کی جنگ میں ایرانیوں کے ساتھ عراق کے عیسائی اور بت پرست عرب قبائل کو بھی شکست ہوئی تھی۔ اس شکست سے برہم ہو کر عراق کے عیسائی عرب بڑی تیاریوں سے ابلہ اور حیرہ کے عین وسط میں دریائے فرات کے کنارہ واقع الیس کے مقام پر اکٹھا ہوئے۔ دربار مدائن سے ان عربوں کی مدد کے لئے ایک بڑی فوج بہمن جادویہ کی سرکردگی میں روانہ کی گئی۔ بہمن تو مدائن چلا گیا اور اپنے نائب جابان کو فوجوں کے ساتھ الیس پہونچ کر عرب قبائل سے جا ملنے کا حکم دیتا گیا۔ مدائن میں بہمن جادویہ کا قیام ایرانی دربار کی ابتری کے باعث طویل ہو گیا، ادھر الیس میں جابان کے ایرانی لشکری اور عیسائی عرب مالک بن قیس کی کمان میں تذبذب کے عالم میں تھے کہ حضرت خالد ان کے سروں پر موت کی طرح پہونچ گئے۔ عرب عیسائی سردار مالک کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا، دشمن ان حملوں کی تاب نہ لا سکا اور اس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان کی بھاری تعداد جنگ اور جنگ سے فرار کی حالت میں ماری گئی۔

امغیشیا پر قبضہ

الیس کی فتح کے بعد حضرت خالد نے قریبی شہر امغیشیا کا رخ کیا۔ اہل شہر بے لڑے بھڑے مطیع ہو گئے اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر نے فرمایا:
''عورتیں خالد جیسا بیٹا پیدا نہ کر سکیں گی۔'' (۳۰)

حیرہ کی فتح

پے در پے شکستوں سے ایرانیوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ علاوہ بریں شہر یار ایران اردشیر کی موت سے دربار ایران ابتری کا شکار تھا۔ ان حالات میں عیسائی اور بت پرست عرب، مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھے، اس لئے ان کے مرکز اور عراق عرب میں عربوں کے دارالحکومت حیرہ پر قبضہ کر کے ان عربوں کا زور توڑنا نہایت ضروری

تھا۔ اس زمانے میں حیرہ کا ایرانی گورنر آزاد بہ نامی ایک سپہ سالار تھا۔ اسے جب یہ اطلاع ملی کہ حضرت خالد دریائی راستے سے حیرہ کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں تو اس نے اپنے بیٹے کو اس مقصد سے روانہ کیا کہ دریا کے بہاؤ کو کاٹ کر سارے میدانی علاقے کو دلدل میں تبدیل کر دے تاکہ مسلمان کیچڑ اور پانی میں پھنس کر رہ جائیں۔ خود آزاد بہ اسلامی افواج کا راستہ روکنے کی غرض سے دوسرے راستے سے آگے بڑھا۔ حضرت خالد نے دریائی پانی کے پھیل جانے اور کشتی رانی کے قابل نہ رہنے کی وجہ سے کشتیاں چھوڑ دیں اور پانی سے پار اتر کر آزاد بہ کے بیٹے کی ٹکڑی پر چھاپہ مار کر دریائے فرات کے دہانہ پر مقام باوقلی میں ان سب کا کام تمام کر دیا۔ جب ایرانی گورنر آزاد بہ کو اس کی اطلاع ملی تو اس کی ہمت چھوٹ گئی اور اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ حیرہ سے بھاگ نکلا۔ یہ حالت دیکھ کر اہل حیرہ قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور ایک رات شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اپنی تباہی آنکھوں سے دیکھ کر حیرہ کے باشندوں نے مسلمانوں کو صلح کا پیغام دیا اور ان کی طرف سے عمرو بن عبدالمسیح بن بقیلہ اور ایاس بن قبیصہ طائی نے معاہدہ صلح پر دستخط کئے۔ یہ صلح ایک لاکھ نوے ہزار درم سالانہ جزیہ کی ادائیگی پر ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی اہل حیرہ کے ذمہ ایرانیوں کی جاسوسی کی خدمت بھی کی گئی۔ اس کے عوض حیرہ والوں کو امان دی گئی، ان کے گرجا سے کوئی تعرض نہ کیا گیا اور انہیں ہر طرح کی آزادی عطا کی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق کو جب اس صلح کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کی توثیق کر دی۔

حیرہ میں حضرت خالد نے طویل قیام کیا اور ہر چند کہ وہ مدائن پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنا رہے تھے، مگر انہیں حضرت ابوبکر صدیق نے فی الوقت اس کی اجازت نہ دی۔ اس دوران انہوں نے قرب و جوار کے روساء اور زمینداروں سے انہیں شرائط پر جو اہل حیرہ کے ساتھ روا رکھی گئی تھیں صلح کر لی، جس سے مسلمانوں کے اثرات مقامی آبادی میں بڑھنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت خالد نے چھوٹے چھوٹے دستے مختلف مقامات میں روانہ کر کے ممالک مقبوضہ میں امن و امان قائم کیا۔ اس اثناء میں انہوں نے ایران کے

مرزبانوں (مقامی سرداروں) کو اطاعت کے خطوط لکھے اور مفتوحہ علاقوں کے نظم و نسق میں مشغول رہے۔(۳۱)

معرکہ انبار

حیرہ کی فتح سے دربار مدائن میں کھلبلی مچ گئی اور اپنے داخلی مسائل کے باوجود انہوں نے مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کی غرض سے انبار اور عین التمر میں اپنی نئی اور تازہ دم فوجیں اکٹھا کرنی شروع کیں۔

حضرت خالد بن ولید کو ایرانیوں کے اس اجتماع کی خبر ملی تو حضرت قعقاع بن عمرو کو حیرہ میں چھوڑ کر دریائے فرات کے کنارے کنارے انبار کی طرف چل پڑے۔ ایرانیوں کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو قلعہ بند ہوگئے۔ قلعہ کے چاروں طرف خندق تھی اس لئے مسلمان قلعہ کی فصیلوں تک نہیں پہونچ سکتے تھے، علاوہ بریں قلعہ کی فصیل سے ایرانی سپاہ تیروں کی بارش کرتی رہی جس سے مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا۔ اس سے نپٹنے کی غرض سے حضرت خالد نے مجاہدین کو حکم دیا کہ ایرانی تیراندازوں کی آنکھوں کا نشانہ لے کر تیر چلائیں، اس حکمت عملی کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمان تیراندازوں نے ایک ہزار ایرانی سورماؤں کی آنکھیں تیروں سے پھوڑ دیں۔ جب ایرانی محافظوں کی تیر باری سے مسلمانوں کو نجات مل گئی تو حضرت خالد نے کمزور اور بڈھے اونٹوں کو ذبح کر کے ان کی لاشوں سے خندق پٹوا دی۔ یوں مسلمان خندق پار کر کے قلعہ پر جا پڑے۔ ایرانی قلعہ دار شیرزاد مقابلہ کو بے سود سمجھ کر مطیع ہوگیا اور انبار پر مسلمانوں کا صلح کے ذریعے قبضہ ہوگیا۔(۳۲)

فتح عین التمر

فتح انبار سے فارغ ہوکر حضرت خالد بن ولید نے وہاں زبرقان بن بدر کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود فوج لے کر عین التمر کی جانب پیش قدمی کی عین التمر عراق اور بادیہ شام کے درمیان صحرا کے کنارہ پر واقع تھا۔ حضرت خالد تین دن کے سفر کے بعد یہاں پہونچے۔

بہرام چوبیں کا بیٹا مہران یہاں کا ایرانی حاکم تھا۔ اس کے پاس ایرانی سپاہ کے علاوہ عراق اور شام کے عربوں کا ایک بڑا گروہ موجود تھا یہ عرب بنونمر، بنوتغلب اور بنوایاد وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا سردار عقہ بن ابی عقہ تھا۔ عقہ نے مہران سے یہ درخواست کی کہ اسے حضرت خالد کی فوج سے مقابلہ کرنے دیا جائے، چنانچہ ایرانی افواج سے چند میل کے فاصلہ پر عقہ نے اپنے عربوں کی صف بندی کی اور مسلمانوں سے جنگ شروع کردی۔ حضرت خالد نے دست بدست جنگ میں عقہ کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھالیا اور گرفتار کرکے اسلامی لشکر میں لے آئے۔ اس کی اسیری سے اس کے عرب ساتھی جی ہار بیٹھے اور بھاگ نکلے۔ عقہ اور اس کے بہت سے شرپسند عرب گرفتار ہوئے جنہیں حضرت خالد نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد مسلمان عین التمر کے شہر کی طرف بڑھے تاکہ ایرانیوں کا مقابلہ کیا جائے مگر عقہ اور اس کے عرب حامیوں کی شکست سے مہران پر ایسا خوف چھایا کہ وہ بے لڑے بھڑے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا اور عین التمر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

یہاں ایک گرجا میں جس کا دروازہ اندر سے بند تھا، دروازہ توڑ کر اندر گھسنے پر مسلمانوں کو چالیس لڑکے ملے جنہیں وہاں کے عیسائیوں نے گروی بنالیا تھا۔ یہ لڑکے بیشتر عربی نژاد تھے ان لڑکوں کو اسلامی تاریخ میں اس لئے اہمیت حاصل ہے کہ ان کی اولاد میں ایسے بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اس عہد اور بعد کے عہد کی تاریخ پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں، انہیں میں موسیٰ بن نصیر فاتح شمالی افریقہ واندلس کے والد 'نصیر' مشہور تابعی محمد بن سیرین اور ان کے نامور بھائیوں کے باپ سیرین بھی تھے، اسی طرح عبداللہ بن عبدالاعلیٰ کا دادا ابوعمرہ مولائے حضرت شرحبیل بن حسنہ، حمران بن آبان مولائے حضرت عثمان، اور حریث ابو عبیدہ مولائے معلی انصاری، ابوعبیدہ مولائے بنی زہرہ، خیر مولائے ابوداود انصاری، محمد بن اسحاق سیرت نگار رسول ﷺ کا دادا یسار، افلح مولائے ابوایوب انصاری بھی اسیران عین التمر سے تھے۔(۳۳)

معرکہ دومتہ الجندل

دومتہ الجندل عین التمر سے جنوب مغرب میں تین سو میل کی مسافت پر آباد تھا۔ اس کی زد حیرہ جانے والی شاہ راہ پر پڑتی تھی۔ دومہ کے حکمران رومیوں کے باج گزار تھے۔ عہد رسالت میں عراق سے مدینہ غلہ لے کر جانے والے نبطی بنجارے ان کے رحم و کرم پر تھے اور یہاں کا حاکم ان کی راہ کا سب سے بھاری پتھر تھا۔ آنحضرت ﷺ ۵ھ میں دومہ پر حملہ کی نیت سے روانہ ہوئے تھے مگر قبائل قریش اور مدینہ کے ارد گرد کے اعراب کے خطرے کے پیش نظر اس مہم کو نامکمل چھوڑ کر آپ واپس چلے آئے تھے۔ ۹ھ میں تبوک کی مہم کے دوران میں آپؐ نے حضرت خالد بن ولید کو دومہ کی تسخیر کے لئے بھیجا تھا۔ انہوں نے وہاں کے رئیس اکیدر کو گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کے حضور میں پیش کیا تھا۔ اکیدر نے اطاعت قبول کر لی تھی اور مسلمان ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اکیدر نے اسلام اور اطاعت خلافت کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا اور باغی ہو گیا۔ ارتداد کے عام ہنگامہ کے دوران میں اکیدر کے خلاف کوئی مہم روانہ نہیں کی گئی۔ مگر جب عرب کی طرف سے اطمینان ہوا تو حضرت خالد بن ولید کے ساتھ ہی حضرت عیاض بن غنم کو دومتہ الجندل کے باغی رئیس کی سرکوبی کی غرض سے بھیجا گیا۔ حضرت عیاض کو یہاں سے فارغ ہو کر حضرت خالد سے جا کر مل جانا تھا۔ لیکن اکیدر رئیس دومتہ الجندل کی قوت اتنی زیادہ تھی کہ عیاض اس مہم کو سر نہ کر سکے۔ جب حضرت خالد نے عین التمر کی فتح کی خوش خبری اور خمس غنائم کے ساتھ حضرت ولید بن عقبہ کو مدینہ بھیجا تو انہوں نے حضرت ولید کو ساز و سامان کے ساتھ عیاض بن غنم کو کمک پر روانہ کر دیا۔ دومتہ الجندل میں مقامی عربوں کے علاوہ تنوخ، بنو کلب، بہرا، غسان اور عراق کے شکست خوردہ قبائل جمع ہو گئے تھے اور ان کا وہاں بھاری جمگھٹا تھا۔ حضرت عیاض کو ان کے مقابلے میں سخت مشکلات کا سامنا تھا، اس لئے حضرت ولید کے مشورے سے انہوں نے حضرت خالد کے پاس مدد کا پیغام بھیجا۔ اس کے جواب میں حضرت خالد نے لکھا کہ میں تمہارے پاس آنے ہی والا تھا اور عین التمر پر

عویم بن کاہل اسلمی کو اپنا نائب مقرر کر کے عین التمر میں موجود فوج کے ساتھ دومتہ الجندل کی جانب چل پڑے۔ دس شبانہ روز کی مسافت طے کر کے حضرت خالد دومتہ الجندل پہونچے۔ یہاں مخالفوں کی کمان اکیدر بن عبدالملک اور جودی بن ربیعہ کے ہاتھوں میں تھی۔ اکیدر کو جب حضرت خالد کی آمد کی خبر ملی تو چونکہ وہ ان سے واقف تھا اس نے جودی اور اپنے دوسرے ساتھیوں کو صلح کر لینے کا مشورہ دیا، لیکن ان لوگوں نے اس کی بات نہ مانی اور لڑنے پر تل گئے۔ اکیدر نے اپنے ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ دیا، حضرت خالد کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے عاصم بن عمرو کی سرکردگی میں ایک دستہ اکیدر کی گرفتاری کے لئے بھیجا وہ پکڑا آیا اور ارتداد اور بغاوت کے جرم میں مارا گیا۔ بعد ازاں جودی بن ربیعہ پر حملہ کیا گیا وہ اور اس کے ساتھی قلعہ بند تھے مگر کچھ پیش نہ گئی۔ حضرت خالد نے ان کے قلعے پر قبضہ کر کے جودی کو قتل کر دیا اور اس کے دوسرے ساتھی بھی مارے گئے لیکن بنو کلب کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں میں موجود بنو تمیم کے زمانہ جاہلیت میں حلیف رہ چکے تھے، چھوڑ دیا گیا۔ اس طریقے سے دومتہ الجندل دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ (۳۴)

عراق میں بغاوت

حضرت خالد بن ولید کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عراق کے عرب قبائل اور ایرانی عمال نے ایک عام بغاوت کر دی اور ان کے فوجی دستے حصید و خنافس وغیرہ مقامات میں جمع ہونے لگے۔ جب اس بغاوت کی خبر حضرت خالد کو ملی تو وہ بڑی عجلت میں دومتہ الجندل سے چل پڑے اور جلد ہی حیرہ پہونچ گئے۔ یہاں سے انہوں نے حضرت قعقاع بن عمرو کو حصید روانہ کیا جہاں بنو تغلب کے قبائل اور ان کے حلفاء جمع تھے انہیں میں ایرانی سردار روزمہر بھی تھا۔ ایک سخت لڑائی کے بعد دشمن کو شکست ہوئی اور ایرانی سپہ سالار روزمہر موت کے گھاٹ اتر گیا۔ ان کا دوسرا سردار روزبہ عصمہ بن عبداللہ ضبی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہاں سے شکست کھا کر باغی خنافس میں پھر جمع ہونا شروع ہوئے ان کا سرغنہ مہبوذان تھا۔ مسلمانوں کا دستہ فوج لے کر ابو یعلی یہاں پہونچے مگر کوئی لڑائی نہ ہوئی۔

اسلامی فوج کی آمد کی خبر سن کر ہی ایرانی اور ان کے عرب حامی دم دبا کر بھاگ گئے۔ بعدازاں مسلمان مقام مصیخ میں جمع ہوئے اور ہذیل کے سرکش قبائل پر شب خون مار کر انہیں منتشر کر دیا۔ بنو تغلب کے عیسائی اس ساری بغاوت کے بانی مبانی تھے اس لئے حضرت خالد نے ان کی سرکوبی کے لئے پہلے ثنی میں بعدازاں زمیل میں انہیں شکست دے کر ان کی کمر توڑ دی۔ وہاں سے وہ رضاب آئے مگر باغی فرار ہو چکے تھے اور کوئی مقابلہ نہ ہوا۔ (۳۵)

جنگ فراض

فراض عراق و شام کی سرحد پر دریائے فرات کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ عراق کی بغاوت فرو کر کے حضرت خالد فراض پہونچے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا ۱۵ ذوالقعدہ ۱۲ھ تک دشمن سے کوئی مقابلہ نہ ہوا۔ یہ شہر رومیوں کے قبضے میں تھا۔ مسلمانوں سے جنگ کی نیت سے قرب و جوار کے رومی دستے اور عرب قبائل بھاری تعداد میں جمع ہو گئے تھے اور مسلمانوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے بے تاب تھے۔ آخر انہوں نے دریائے فرات کو عبور کیا اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت خالد نے دشمن کو چاروں طرف سے گھیر کر کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور انہیں بڑی عبرت ناک شکست دی۔ فراض کے معرکہ سے ۲۵ ذوالقعدہ ۱۲ھ کو حضرت خالد بن ولید فارغ ہوئے۔ انہوں نے اپنی فوج کو حیرہ روانہ کیا اور حیرت ناک تیز رفتاری سے وہ مکہ آئے فریضہ حج ادا کیا اور اپنی فوج کے ساتھ ہی اس طور سے حیرہ میں داخل ہوئے کہ کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ جب حضرت ابوبکر صدیق کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت خالد کو سخت تنبیہ کی۔ (۳۶)

فتوحات عراق پر نظر بازگشت

عراق کی یہ تمام فتوحات حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ جنگی مہارت، بہترین فوجی قیادت اور بے نظیر ذاتی شجاعت کی مرہون منت ہیں۔ وہ اس محاذ پر محرم ۱۲ھ سے صفر

۱۳ھ تک کوئی چودہ مہینے کے قریب رہے۔ ان کے مقابل ایرانی فوجیں، عراق کے بت پرست اور عیسائی عرب قبائل اور رومی دستے تھے۔ ان لڑائیوں کا دائرہ خلیج فارس کے دہانہ پر واقع ابلہ سے شام کی سرحد پر فراض تک وسیع تھا مسلمانوں کا حریف اپنے وقت کے بہترین ہتھیاروں سے لیس اور بہتر سامان رسد سے قوی پشت تھا۔ مگر اسے ہر محاذ پر حضرت خالد کے مقابلے میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور ایک موقع بھی ایسا نہ آیا جہاں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف معمولی سی فتح بھی حاصل کی ہو۔ اس سے حضرت خالد کی اعلیٰ فوجی صلاحیتوں کا پتا چلتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ اپنے زمانے کے سب سے اعلیٰ فوجی قائد تھے بلکہ دنیا کے چند عظیم قائدین میں انہیں ہمیشہ شمار کیا جائے گا۔

علاوہ بریں وہ صرف فاتح ہی نہ تھے بلکہ منتظم بھی تھے، انہوں نے جو شہر بھی فتح کیا اس کا باقاعدہ انتظام کیا، اس پر حاکم مقرر کیا اور وہاں امن و امان قائم کیا۔ محصولات کا تعین کیا اور ان کی وصولی کے انتظامات کے ساتھ لوگوں میں امن و اعتماد بحال کیا یوں عراق کے لوگ جو ایران اور روم کی جنگوں کے زمانے سے امن و سکون کو ترس گئے تھے انہیں دوبارہ امن کی فضاء میں سانس لینے کا موقع ملا۔ اسی طرح ایرانی حکام کے استحصال اور ظلم کی چکی میں پسنے والے مقامی باشندے حضرت خالد بن ولید کے عادلانہ انتظام سے عدل و انصاف سے آشنا ہوئے اور انہوں نے آزادی کا صحیح معنوں میں لطف اٹھایا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں "عورتیں خالد جیسا عظیم انسان نہ پیدا کر سکیں گی۔" بلاشبہ خالد عظیم تھے بحیثیت فاتح کے، بحیثیت منتظم کے اور بحیثیت معمار حکومت کے۔

شام کی فتوحات

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حروب ردّہ کے دوران میں سرحدات شام (مشارف شام) کی نگرانی اور رومیوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کی غرض سے حضرت خالد بن سعید کو ایک دستہ فوج کے ساتھ تیماء میں متعین کیا تھا۔ خالد بن سعید کو جنگ کرنے کی اجازت نہ تھی اور ان کی تعیناتی کا مقصد صرف یہ تھا کہ اگر رومی جو

جیش اسامہ کی واپسی کے بعد سے مسلمانوں کے خلاف فوجی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے'
مسلمانوں پر حملہ کی نیت سے پیش قدمی کریں تو مسلمانوں کو اس کی بروقت اطلاع مل جائے
تاکہ فوراً تدارک کیا جاسکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حروب ارتداد کے زمانے میں رومی اس
لئے خاموش رہے کہ انہیں یہ توقع تھی کہ عرب باہمی جنگوں میں الجھ کر برباد ہو جائیں اور
اسلام کا نہال نورستہ اس بادسموم کے جھونکوں سے مرجھا کر مرجائے گا یا پھر اس خاموشی کی وجہ
یہ ہو کہ رومی اہل عرب سے اندرون ملک جنگ کرنے کو قرین مصلحت نہیں سمجھتے تھے اور میدان
بے آب وگیاہ میں فرزندان صحراء سے نبرد آزمائی ان کے لئے سخت تباہی کا باعث ہوسکتی تھی'
شاید ان کے سامنے ایرانیوں کی ذی قار میں ناکامی کی مثال موجود ہو کہ عربوں نے پانی
کاٹ کر ایرانی اور ان کی حامی عرب افواج کو پیاسوں مار دیا تھا۔ اسی طرح حروب ردّہ کے
بعد بھی رومیوں نے جو پیش قدمی نہ کی تو اس کی وجہ بھی صاف سمجھ میں آتی ہے۔ مسلمان
ایرانیوں سے عراق میں جنگ لڑ رہے تھے اور ان کی یہ مشغولیت رومیوں کے لئے یک گونہ
موجب طمانیت تھی اور وہ دو دشمنوں کو باہم الجھا دیکھ کر اپنے لئے سکون محسوس کر رہے تھے۔
اس خیال کو اس بات سے بھی تقویت پہونچتی ہے کہ جب مسلمانوں نے شام کے محاذ پر
معرکہ آرائیوں کا آغاز کیا اور رومیوں سے سفراء کے تبادلے ہوئے تو انہوں نے مسلمانوں
سے بھی یہی کہا تھا کہ ایران میں سیاسی کشمکش جاری ہے' ایک عورت تخت نشین ہے' اس پر تم
لوگ کیوں نہیں حملہ کرتے ہمارے ملک میں کیوں گھس آئے ہو۔ بہرکیف وجہ کچھ بھی ہو
رومیوں نے مسلمانوں پر حملے میں پہل کرنی مناسب نہیں سمجھی' مگر یمن' حضرموت و عمان
میں مسلمانوں کی کامیابی سے رومیوں کے زیر اثر عرب عیسائی قبائل سخت ہراساں تھے اور
انہوں نے قیصر روم کو مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں تیز تر کر دینے کا مشورہ دیا۔ ان
عرب قبائل میں بہراء' تنوخ' غسان' کلب' جذام' سلیم وغیرہ پیش پیش تھے۔ کچھ تو
مسلمانوں کی کامیابی سے گھبرا کر' کچھ حامی قبائل کے اصرار پر اور کچھ عراق میں شام کی
سرحدوں تک مسلمانوں کی یلغار سے خوف زدہ ہو کر قیصر روم نے مسلمانوں سے نپٹنے کے

لئے بڑے پیمانہ پر تیاریاں شروع کر دیں۔ خود قسطنطنیہ سے چل کر حمص آیا اور اپنی نگرانی
میں فوجوں کی بھرتی' ان کے سپہ سالاروں کے تقرر' سامان رسد کی فراہمی اور اسلحہ جنگ کی
درستی کے کام کئے۔

رومیوں کے خلاف تیاریاں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رومیوں کی ان تیاریوں کی اطلاع ملی تو آپ نے
صحابہ کرام سے مشورے کئے اور ان کے مشورے کے مطابق حجاز و یمن کے قبائل کے نام
رومیوں کے خلاف جہاد کے دعوت نامے روانہ کئے۔ اس دعوت پر قبائل نے لبیک کہا اور
بڑی تعداد میں مدینہ آنا شروع کیا۔ ان آنے والے میں سب سے پہلے ذوالکلاع حمیری
اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ آئے' قیس بن ہبیرہ مرادی قبیلۂ مذحج کے مجاہدین کے ہمراہ'
جندب بن عمرو دوسی قبیلہ ازد کے ساتھ اور حابس بن سعد طائی قبیلہ طے کے لوگوں کے ہمراہ
مدینہ آئے۔ مدینہ کے قریب جُرف کے مقام پر ان قبائل کے لئے خیمے نصب کئے گئے اور
وہیں ان کے قیام کا بندوبست کیا گیا۔ ان آنے والوں میں سے بیشتر اپنے اہل وعیال کے
ساتھ آئے تھے' کہ نو مفتوحہ علاقوں میں مستقل بود و باش اختیار کر لیں۔ (۳۷) ان قبائل
کے علاوہ شام کے جہاد میں شرکت کی غرض سے قریش مکہ کی ایک بڑی جماعت آئی' ان
مجاہدین میں ایک ہزار صحابہ تھے اور ایک سو بدری اصحاب نے بھی رضا کارانہ اپنی خدمات
اس جنگ کے لئے پیش کی تھیں۔ شام کے محاذ پر قریش نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔
عمائدین قریش میں عمرو بن عاص' ہشام بن عاص' عکرمہ بن ابی جہل' عمرو بن عکرمہ' حارث
بن ہشام' سلمہ بن ہشام' ابوسفیان بن حرب' یزید بن ابی سفیان' معاویہ بن ابی سفیان' خالد
بن سعید' ابان بن سعید' عمرو بن سعید' طلیب بن عمیر' ہبار بن سفیان' ابوجندل بن سہیل' ہاشم
بن عتبہ' حبیب بن مسلمہ' صفوان بن امیہ اور سہیل وغیرہ شامل تھے۔ کبار صحابہ میں شرحبیل
بن حسنہ' عبداللہ بن مسعود' ابوعبیدہ بن جراح' مقداد بن اسود' ابوالدرداء' عبادہ بن صامت
انصاری وغیرہ تھے۔ ناموران عرب میں قباث بن اشیم' ضرار بن ازور' علقمہ بن مجزز اور

قعقاع بن عمرو تمیمی جہاد شام میں پیش پیش تھے۔ (۳۸) حضرت ابوبکر صدیق نے ان لوگوں کو اس جہاد میں شمولیت سے روک دیا تھا جو فتنہ ارتداد میں ملوث رہ چکے تھے اور جنہوں نے اسلام کے خلاف قتال کیا تھا۔ یہ امر کہ شام کے محاذ پر قریش کے اکابر مشہور صحابہ' نامورانِ عرب اور اسلام پر قائم رہنے والے قبائل کو مامور کیا گیا تھا اور یہ کہ ان لوگوں نے تسخیر کے عمل کی تکمیل کے بعد یہیں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اور اس کے برعکس عراق کے محاذ پر ابتدائی جنگ آزماؤں کی عظیم اکثریت اعراب پر مشتمل تھی اور عہد فاروق میں جو تازہ دم دستے روانہ کئے گئے تھے ان میں ارتداد میں ملوث قبائل وافراد بھی شامل تھے اور کوفہ وبصرہ میں نئے آباد کار انہیں عناصر پر مشتمل تھے' عہد عثمانی میں شورش اور ہنگاموں کی تہ تک پہونچنے میں' تاریخ کے طالب علم کے لئے ممد ومعاون ہوگا۔ ان متضاد عناصر نے دور فتنہ میں جو ایک دوسرے سے یکسر مختلف روش اختیار کی اور ان کے رویہ میں جو نمایاں فرق رہا' اسے سمجھنے کے لئے اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ وہ انقیاد و تنظیم جو اہل شام میں تھی اور جو انحراف وانتشار اہل عراق میں تھا وہ ان کے اپنے مزاج' اپنی روایت اور اپنے سابق رویہ سے عین مطابقت رکھتا تھا اور اس کے محرکات بیشتر داخلی تھے' خارجی اسباب ومحرکات ضرور تھے مگر ان کے اثرات اعراب کی جبلت وفطرت پر کم ہی پڑے ہم اس موضوع پر اپنی دوسری کتاب میں گفتگو کریں گے اور وہاں ان داخلی محرکات پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

قیصر روم کے دربار میں اسلامی سفارت

بہر کیف ان جنگی تیاریوں کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کے پاس ایک سفارت روانہ کی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب ''رسول اکرم کی سیاسی زندگی'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''اسلامی مملکت کو چند مرتدوں' باغیوں اور مدعیان نبوت سے پریشانی رہی' لیکن جب اس سے بے فکری ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ نے قیصر روم کے پاس ایک مرتبہ اور سفارت بھیجی اور اسلام یا سیاسی اطاعت

ں دعوت دی۔ مورخ ذہبی نے اس سفارت کا حال بڑی تفصیل سے قلم بند کیا ہے اور اس میں بعض عجیب قصے بھی لکھے ہیں کہ قیصر کے پاس جملہ انبیاء کی تصویریں تھیں اور مسلمان سفیروں نے آنحضرت ﷺ کی تصویر کو فوراً پہچان لیا تھا۔ ارمنی مورخ سابیوس (SABEOS) نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ اس زمانے میں قیصر کے پاس ایک اسلامی سفارت آئی تھی'' یہ سفارت ناکام لوٹی اور قیصر روم نے نہ اسلام قبول کیا اور نہ سیاسی اطاعت ہی تسلیم کی۔''(۳۹)

فوجوں کی روانگی

جب جرف میں قبائل عرب کا خاصا بڑا مجمع اکٹھا ہوگیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے مجاہدین کو چار لشکروں میں تقسیم کیا۔ ہر لشکر کی تعداد ابتداء میں تین ہزار سپاہ تھی مگر بعد میں تازہ دم دستے آتے گئے اور انہیں ان سے مل جانے کے حکم کے ساتھ محاذ جنگ پر بھیجا جاتا رہا۔ یوں ہر لشکر ساڑھے سات ہزار افراد پر مشتمل ہوگیا اور چاروں لشکروں کی تعداد تیس ہزار ہوگئی۔ ان چاروں لشکروں میں شرحبیل بن حسنہ کا لشکر سب سے پہلے روانہ ہوا' دوسرا لشکر یزید بن ابی سفیان کی کمان میں آگے بڑھا۔ اس میں اہل مکہ اور یمن کے لوگوں کی اکثریت تھی۔ بعد میں ایک دستہ فوج کے ساتھ حضرت معاویہ بن ابی سفیان بھی اس لشکر سے آ کر مل گئے' تیسرا لشکر حضرت ابوعبیدہ بن جراح کی سرکردگی میں روانہ ہوا اور چوتھا لشکر حضرت عمرو بن عاص کی کمان میں آگے بڑھا۔ یہ لشکر مغرب میں وادی عربہ کی سمت بڑھا۔ ان لشکروں میں سے شرحبیل بن حسنہ کے لشکر کو اردن کی تسخیر پر مامور کیا گیا تھا اور اسے تبوک کی سمت سے روانہ کیا گیا۔ عمرو بن عاص کے ذمہ فلسطین کی مہم تھی اور انہیں بھی تبوک کی راہ سے سفر کرنا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ کے ذمہ حمص کا علاقہ تھا اور انہیں بھی تبوک سے بڑھنا تھا۔ بلاذری کے بقول ان لشکروں کی روانگی کی تاریخ یکم صفر ۱۳ھ (مطابق ۶۳۴ء) تھی۔ ان چار لشکروں کے علاوہ ایک امدادی دستہ عکرمہ بن ابی جہل کی کمان میں دیا گیا تھا جس کی تعداد چھ ہزار نفوس تھی۔ پیش قدمی کے آغاز میں ان لشکروں کو رومیوں کی کسی بڑی مزاحمت کا

سامنا نہ کرنا پڑا۔ مثلاً وادی عربہ میں رومیوں کے ایک جمگھٹے کو ابوامامہ باہلی نے تتر بتر کر دیا
اور ایسے ہی داثنہ میں انہیں ابوامامہ نے رومیوں کو شکست دے کر ان کے بطریق کو موت
کے گھاٹ اتار دیا۔ غرض بحر مردار کے ارد گرد کے علاقوں سے رومی اور ان کے حامی عرب
دستوں کا صفایا کرتے ہوئے یہ لوگ جنوبی شام میں متعین رومی افواج کے لئے خطرہ بن
گئے۔ حضرت ابو عبیدہ دمشق جانے والی شاہراہ پر انتہائی مشرقی جانب حضرت عکرمہ کے
قریب جابیہ میں خیمہ زن تھے۔ ان کے پیچھے حضرت شرحبیل بن حسنہ کا لشکر تھا جو طبریہ اور
وادی اردن کے لئے خطرہ تھا۔ حضرت یزید بن ابی سفیان جو بلقاء میں تھے بصریٰ کا غسانی
پایۂ تخت ان کی زد پر تھا اور حضرت عمرو بن عاص وادی عربہ میں رک کر زیریں فلسطین میں
حبرون کے لئے خطرے کا باعث تھے۔ ہر چند کہ یہ چاروں دستے اور ایک امدادی دستہ الگ
الگ کمانوں میں تھے اور مختلف مقامات میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے مگر ان کے امراء آپس
میں مراسلت کے ذریعے مشورہ کرتے رہتے تھے اور ان میں باہم رابطہ قائم تھا (۴۰) ان
چاروں لشکروں کو جلد ہی رومیوں کی چار عظیم فوجوں سے جو چار مختلف سپہ سالاروں کی کمان
میں تھیں، مدمقابل ہونا پڑا۔ مگر رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان کسی بڑے معرکہ سے پہلے
بعض چھوٹے معرکے بھی ہوئے جن میں سے وادی عربہ اور داثنہ کی جھڑپوں کا ذکر اوپر کیا
گیا۔ اسی سلسلہ میں مرج صفر کا معرکہ بھی پیش آیا جو حضرت خالد بن سعید کی غلطی سے
مسلمانوں کی شکست پر منتج ہوا۔ اسکی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

مرجِ صُفّر

حضرت خالد بن سعید، جنہیں فتنہ ارتداد کے وقت سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
نے رومیوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کی غرض سے تیماء میں قیام کرنے کا حکم دیا تھا اور کسی
اقدام کی اجازت نہ دی تھی، انہوں نے جب رومیوں کے اجتماع کی خبریں دربار خلافت کو
روانہ کیں تو پیش قدمی کی بھی اجازت طلب کی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے انہیں بڑی احتیاط
کے ساتھ شام میں آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت خالد بن سعید جب شام میں داخل ہوئے

تو جوش میں آگے بڑھتے چلے گئے اور انہوں نے اپنے عقب کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ
کیا۔ رومیوں کے جس دستے سے ان کا مقابلہ ہوا اس کی قیادت مشہور رومی سالار باہان کے
ہاتھوں میں تھی جو نہایت تجربہ کار اور جنگ آزمودہ قائد تھا۔ چنانچہ ایک معمولی جھڑپ کے
بعد وہ پسپا ہو کر دمشق چل دیا۔ حضرت خالد بن سعید نے اسے باہان کی شکست سمجھ کر اس کا
تعاقب شروع کر دیا۔ اثنائے راہ سے باہان نے پلٹ کر خالد بن سعید کی واپسی کا راستہ
مسدود کر دیا اور انہیں واقوصہ اور دمشق کے درمیان مرج صفر نامی مقام میں گھیر لیا۔
مسلمانوں کے لئے نہ آگے بڑھنے کی گنجائش تھی اور نہ پیچھے ہٹنے کی۔ خالد بن سعید کا بیٹا
سعید جو مسلمانوں سے الگ کسی دستہ کے ہمراہ مقیم تھا، باہان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ خالد بن
سعید نے بیٹے کی موت اور اپنی فوج کے گھر جانے سے ہمت چھوڑ دی اور بے لڑے بھڑے
بھاگ کھڑے ہوئے اور مدینہ کے قریب ذوالمروہ کے مقام پر پہونچ کر دم لیا۔ حضرت
ابوبکر صدیق کو اس شکست کی اطلاع ملی تو آپ نے خالد بن سعید کو سخت تنبیہ کی اور جہاں
تک وہ آ گئے تھے انہیں وہیں رکنے کی ہدایت کی۔ مرج الصفر میں مسلمانوں کا زیادہ نقصان
اس لئے نہ ہوا کہ اس لشکر میں عکرمہ، ولید بن عتبہ اور ذوالکلاع حمیری جیسے آزمودہ کار سالار
موجود تھے۔ عکرمہ نے مسلمانوں کو منتشر ہونے سے بچایا اور باہان کو شکست دے کر چلے
جانے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد وہ شام کے قریب مقیم رہے اور اپنے دستۂ فوج کے ہمراہ
چاروں مسلمان امراء سے واقوصہ میں آ کر مل گئے۔ جو لوگ اس ہنگامہ دار و گیر میں بھاگ
کر مدینہ آ گئے تھے انہیں حضرت معاویہ کی قیادت میں دوبارہ شام میں حضرت یزید بن ابی
سفیان کے دستے کے ساتھ شامل ہونے کی غرض سے روانہ کیا گیا۔ بروایت طبری مرج
الصفر کا حادثہ عربہ اور داثنہ کے معرکوں کے بعد پیش آیا۔ (۴۱)

رومیوں کی جوابی کارروائیاں

قیصر روم ہرقل جو مسلمانوں سے نبرد آزمائی کی کئی سال سے تیاریاں کر رہا تھا اور جسے
ایرانیوں کے خلاف عظیم کامیابیوں اور نینویٰ کی جنگ میں خسرو پرویز کو عبرت ناک

شکست دینے کی وجہ سے اپنی عسکری قوت پر بڑا نازاں تھا' بنفس نفیس حمص آیا جو شام میں رومی افواج کی بڑی چھاؤنی تھی۔ اس نے بڑے اہتمام سے ایک عظیم فوج تیار کی اور اسے چار حصوں میں تقسیم کر کے چار سپہ سالاروں کی کمان میں چاروں مسلمان کمانداروں کے دستوں کو ابتداء میں ہی کچل دینے اور اس مخالفت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی غرض سے روانہ کیا۔ ان عساکر کی ترتیب یوں تھی:۔

۱۔ سب سے بڑی فوج جس کی تعداد روایتوں کے مطابق نوے ہزار بتائی جاتی ہے خود قیصر ہرقل (HERACLIUS) کے حقیقی بھائی تذارق (THEODORE) کی کمان میں تھی اور اسے حضرت عمرو بن عاص کی ساڑھے سات ہزار سپاہ سے جو فلسطین میں وادی عربہ (غمر العربات) میں خیمہ زن تھی اور حبرون جس کی زد پر تھا' معرکہ آرائی کرنی تھی۔

۲۔ دوسرا لشکر جس کی تعداد ساٹھ ہزار تھی' حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے مقابلے پر روانہ کیا گیا جو دمشق کی سمت میں پیش قدمی کر کے جابیہ میں پڑاؤ کئے ہوئے تھے۔ اس رومی لشکر کا قائد فیقار (PETER) تھا۔

۳۔ تیسرا لشکر جرجہ (SERGIUS) کی کمان میں حضرت یزید بن ابی سفیان کے مقابلے پر تھا جو دمشق کی مہم کے کماندار تھے اور فی الوقت بلقاء میں ٹھہرے ہوئے تھے اور بصریٰ کا شہر ان کی زد پر تھا۔

۴۔ چوتھا لشکر حضرت شرحبیل بن حسنہ کو روکنے کی غرض سے بھیجا گیا جو طبریہ اور وادی اردن کے لئے سخت خطرہ ثابت ہو رہے تھے۔ اس لشکر کی قیادت رومی سپہ سالار دراقص (DRACLIUS) کے ذمہ تھی۔

حضرت عمرو بن عاص کی دور اندیشی

رومیوں کی حکمت عملی یہ تھی کہ مسلمان افواج کو یکجا نہ ہونے دیا جائے اور انہیں ایک ایک کر کے کاٹ کے رکھ دیا جائے۔ حضرت عمرو بن عاص کو اس خطرہ کا احساس ہو گیا۔

انہوں نے اپنے ساتھی سپہ سالاروں کو لکھا کہ ہم جلد ایک دوسرے سے آملیں کیونکہ انفرادی طور پر دشمن کا مقابلہ کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دشمن کی کثرت اور ان کی عظیم الشان جنگی تیاریوں کی اطلاع دی۔

حضرت ابوبکر صدیق کا حکم

آپ نے بھی چاروں سپہ سالاروں کو یکجا ہو جانے کا حکم دیا کہ وہ دریائے یرموک کی ڈیلٹی میں جمع ہوں آپ نے انہیں لکھا:۔

اجتمعوا فتكونوا عسكراً واحداً والتقوا زحوف المشركين بزحف المسلمين، فانكم اعوان الله، والله ناصر من نصره وخاذل من خذله، ولن يؤتى مثلكم من قلة واجتمعوا باليرموك متساندين وليتصل كل رجل منكم باصحابه

تم سب ایک جگہ اکٹھا ہو جاؤ تا کہ ایک لشکر بن جاؤ' مشرکین کی بھیڑ کا مسلمانوں کے ہجوم سے مقابلہ کرو' کیوں کہ تم لوگ اللہ کے (دین کے) مددگار ہو اور اللہ اس کا مددگار ہے جو اس کی مدد کرتا ہے اور جو اسے چھوڑ دیتا ہے اللہ بھی اسے چھوڑ دیتا ہے' تم جیسے لوگوں پر قلت تعداد سے دشمن غلبہ نہیں پا سکتا اپنے اپنے پرچم تلے یرموک میں جمع ہو جاؤ اور تم میں سے ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے ساتھی سے مل جائے (اس کے پہلو میں کھڑا ہو)۔ (۴۲)

اسلامی فوج کا یرموک میں اجتماع

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق مسلمانوں کی چاروں فوجیں اپنی اپنی جگہ سے چل کر دریائے یرموک کے جنوب میں اکٹھا ہو گئیں۔ یرموک ایک غیر معروف دریا ہے۔ یہ حوران کے پہاڑوں سے نکل کر جھیل طبریہ (LAKE OF TIBERIAS) کے چند میل جنوب میں دریائے اردن میں گر جاتا ہے۔ اردن کے مقام

اتصال سے کوئی تیس میل اوپر یرموک شمالی کنارہ پر ایک نیم دائرہ نما حلقہ بنا دیتا ہے جو ایک ایسے وسیع میدان کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے یہ ایک بڑی فوج کے پڑاؤ کے لئے نہایت موزوں ہے۔ دریائے یرموک کے کنارے ناہموار پتھریلے اور ڈھلواں ہیں۔ اس حلقہ کے گرد نے پر ایک پہاڑی نالہ ہے جو اندرونی سطح میدان میں داخلے کا کام دیتا ہے۔ اس مقام کو واقوصہ (بروایت بلاذری یاقوصہ) کہتے ہیں۔

واقوصہ میں رومیوں کی مورچہ بندی

جب رومی سپاہ کو مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتا چلا تو ان کے چاروں لشکر اکٹھا ہو کر دریائے یرموک کے کنارے پہونچے اور دریا پار اتر کر شمالی کنارے پر واقوصہ کے قدرتی حصار میں انہوں نے پڑاؤ ڈال دیئے۔ مسلمانوں نے رومیوں کے اس اجتماع کو دیکھ کر دریا پار کیا اور شمالی کنارہ پر رومیوں کے بالمقابل خیمہ زن ہو گئے۔ یوں رومی ایک طرح سے محصور ہو کر رہ گئے۔ حضرت عمرو بن عاص نے اس صورت حال پر خوشی کا اظہار کیا۔ رومیوں نے اپنی فوج کو منظم کیا اور نذوارق نے جو سپہ سالار اعلیٰ تھا، مقدمۃ الجیش پر جرجہ کو دونوں بازوؤں پر باہان اور درانقص کو متعین کیا اور میدان جنگ کا نگران فیقار کو مقرر کیا، اس تیاری کے ساتھ وہ واقوصہ کے حصار میں بیٹھ رہے۔

مسلمانوں اور رومیوں میں جھڑپیں

دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن تھیں اور اگرچہ اکا دکا جھڑپوں کے سلسلے جاری تھے مگر کوئی فیصلہ کن معرکہ نہیں ہو رہا تھا۔ رومی دستے اپنی پناہ گاہ سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے تھے لیکن جب مسلمان انہیں پسپا کر کے آگے بڑھتے تھے تو واقوصہ کا دہانہ جو پہاڑی نالہ تھا آڑے آتا تھا اور مسلمان اپنے دشمن پر کاری ضرب نہ لگا پاتے تھے یہ سلسلہ صفر و ربیع الاول ۱۳ھ دو ماہ تک جاری رہا (۴۳) جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت تشویش ہوئی اور فرمایا کہ یہ معرکہ خالد ہی سے سر ہوگا

(نزلہ لہا)۔ بعد ازاں آپ نے حضرت خالد بن ولید کے نام حکم بھیجا کہ عراق میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کو اپنا نائب مقرر کر کے شام کے محاذ پر روانہ ہو جائیں۔

حضرت خالد کا خطرناک سفر

اس حکم کی تعمیل میں حضرت خالد بن ولید ایک روایت کے مطابق دس ہزار سپاہ کے ساتھ شام کے لئے روانہ ہو گئے۔ مگر ان کے خطرناک سفر کی بنا پر اور نیز اس وجہ سے کہ شام کے محاذ پر فوجوں کی کمی نہ تھی بلکہ خالد جیسے لائق سپہ سالار کی ضرورت تھی بلاذری کا یہ بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کے ہمراہ شام گئے وہ پانچ سو سے آٹھ سو تک تھے۔ طبری کی ایک روایت بھی اسی مضمون کی ہے۔

حضرت خالد بن ولید ربیع الآخر ۱۳ھ مطابق مارچ ۶۳۴ء کو حیرہ سے چلے۔ مغرب کی سمت میں نفوذ (صحراء) کو طے کر کے وہ دومۃ الجندل کے نخلستان میں پہونچے جسے آج کل الجوف کہتے ہیں۔ یہ شام و عراق کے آسان ترین راستے کے بیچوں بیچ واقع ہے۔ یہاں سے حضرت خالد وادی سرحان کے راستے شام کے پہلے دروازے بصریٰ تک جا سکتے تھے مگر راستے میں جا بجا جنگی قلعے اور رومیوں کے مزاحمتی دستے ان کا راستہ روکنے کے لئے موجود تھے۔ اس لئے انہوں نے وادی سرحان کے مشرقی کنارے سے شمال مغرب میں قراقر کی راہ اختیار کی اور وہاں سے شام میں داخل ہونے کے دوسرے دروازے سوی کا رخ کیا جو بے آب و بے جادہ ریگستان میں پانچ دن کا سفر تھا۔ قبیلہ طے کے ایک شخص رافع بن عمیرہ کو رہنما کی حیثیت سے ساتھ لیا گیا۔ سپاہیوں کے لئے مشکیزوں میں پانی بھر لیا گیا جسے نہایت احتیاط سے اس پر خطر سفر میں استعمال کیا گیا۔ گھوڑوں کے پانی کا یہ بندوبست کیا گیا کہ بڈھے اونٹوں کو پانی پلا کر اور ان کے کان اور نتھنوں کو بند کر کے ہمراہ رکھا گیا اور انہیں ذبح کر کے ان کے پیٹ سے نکلے ہوئے پانی کو دودھ ملا کر گھوڑوں کو دیا جاتا رہا یہ پانی چار دن کے لئے کافی ہوا۔ سارا لشکر تنومند اونٹوں پر سوار تھا۔ ساتھ میں جنگی مقاصد کے کچھ کوتل گھوڑے رکھے گئے جب یہ لوگ سوی پہونچے تو پانی ختم ہو گیا، رافع کی آنکھیں ریت

کی چمک سے چندھیا گئیں اور زیر زمین پانی کی علامت عوسج کی جھاڑی کے نشانات نہ مل سکے۔ بڑی مشکل سے عوسج کی سوکھی جڑیں ملیں' انہیں کھودا گیا۔ پانی کا ابلتا ہوا چشمہ نکل آیا۔ سارا لشکر سیراب ہوا' اونٹوں اور گھوڑوں کو پانی پلایا گیا اور تشنہ لب مجاہدین کو اطمینان ہوا۔ صحرائے بے آب و جادہ سے مجاہدین کا یہ سرفروش گروہ باہر نکل کر اس کے شامی سرے پر پہونچ گیا یوں حضرت خالد کی فوجی مہارت و قابلیت کی داستان میں اس دلیرانہ مہم کا اضافہ ہوا اور نئی سرفروشیوں کے لئے نئے میدان ہاتھ آئے جن کے نتیجے میں شام کے محاذ کی صورت حال بالکل بدل گئی۔ (۴۴)

حضرت خالد کے چھاپے

ریگستان کے شامی سرے پر پہونچتے ہی جو دمشق سے ایک سو میل کے فاصلے پر واقع تھا' حضرت خالد بن ولید نے چاروں طرف چھاپے مارنے شروع کئے۔ رومی اور ان کے باج گذار عیسائی عرب اپنے عقب میں اس حملہ سے بوکھلا گئے اور ان میں اس آفت ناگہانی کے آگے ٹھہرنے' اس کا مقابلہ کرنے اور اسے پسپا کرنے کی تاب نہ رہی۔

تدمر

دشمن کو دباتے ہوئے حضرت خالد تدمر پہونچے اور معمولی مزاحمت کے بعد اس شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اہل تدمر سے جزیہ کی ادائیگی اور مسلمانوں کی ضیافت کی شرط پر صلح ہو گئی۔

حوران

تدمر سے چل کر حضرت خالد حوران آئے' اہل حوران کی مدد پر بعل بک اور بصریٰ کے فوجی بھی آ گئے تھے' حضرت خالد نے ان سب کو شکست دے کر حوران پر قبضہ کر لیا۔

مرج راہط

یہاں سے انہوں نے مرج راہط کا رخ کیا جو دمشق سے کوئی پندرہ میل کی مسافت پر ہے' عین ایسٹر کے تہوار کے دن یہاں کے غسانی النسل عیسائیوں پر مسلمانوں نے حملہ کر کے انہیں پسپا کر دیا۔

غوطۂ دمشق

مرج راہط سے حضرت خالد بن ولید نے بسر بن ابی ارطاۃ عامری قرشی اور حبیب بن مسلمہ فہری کو غوطۂ دمشق پر چھاپے مارنے کی غرض سے بھیجا۔ ان دونوں سپہ سالاروں نے غوطہ کے دیہات پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا۔

ثنیۃ العقاب

اب حضرت خالد اس پہاڑی گھاٹی پر آ کر رکے جسے ان کے پرچم العقاب کی رعایت سے ثنیۃ العقاب (عقاب نامی پرچم کی گھاٹی) کہتے ہیں۔ عقاب نامی پرچم انہیں جناب رسول اکرم ﷺ نے عنایت فرمایا تھا اور یہ سیاہ رنگ کا تھا۔ پہاڑی گھاٹی پر کچھ دیر انہوں نے اس مقدس پرچم کو لہرایا۔

دمشق

اس گھاٹی سے گزر کر حضرت خالد دمشق کے قریب پہونچے' مشرقی دروازے پر پڑاؤ کیا' بروایت دیگر باب شرقی کے بجائے انہوں نے باب جابیہ پر قیام کیا' شہر کا اسقف (مذہبی پیشوا) مطیعانہ حاضر ہوا۔ یہیں واقوصہ سے اٹھ کر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اپنے لشکر کے ساتھ حضرت خالد کے لشکر میں شامل ہو گئے اور یہ متحد لشکر بصریٰ کی جانب بڑھا۔

(۴۵)

بصریٰ

بصری غسانیوں کا پایۂ تخت تھا اور عیسائی عربوں کا مرکز بھی یہی تھا۔ اس کے علاوہ دمشق کی فتح کا دروازہ بھی یہی شہر تھا۔ واقوصہ کے میدان سے دو ماہ کی بے کار جھڑپوں کے بعد مسلمان افواج اٹھ آئی تھیں اور شرجبیل بن حسنہ و یزید بن ابی سفیان حضرت ابوبکر صدیق کے حکم کے مطابق بصری کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔

حضرت خالد کے پہونچتے ہی اسلامی لشکر میں نیا جوش اور ولولہ پیدا ہوگیا۔ جلد ہی بصریٰ فتح ہوگیا۔ یہاں کی عرب سپاہ اور سرداروں کے علاوہ پانچ ہزار رومی اپنے سردار رومانس (ROMANUS) کے ساتھ شکست کھا کر فرار ہوگئے۔ (۴۶)

اجنادین

بصری کے بعد حضرت خالد کا ارادہ دمشق کی جانب پیش قدمی کا تھا مگر اس اثناء میں واقوصہ سے مسلمانوں کے اٹھ جانے کے بعد رومی افواج اپنے حصار سے نکل کر اجنادین پہونچ گئی تھیں' اس لئے اسلامی لشکر کو پہلے ادھر ہی کا رخ کرنا پڑا۔ طبری کا بیان ہے حضرت خالد' ابوعبیدہ' شرجبیل اور یزید بن ابی سفیان کو حضرت عمرو بن عاص کی مدد پر فلسطین زیریں کے مقام عربات کی جانب جانا پڑا تھا جہاں رومیوں کا بڑا جمگھٹا ان کے مقابل تھا۔ مسلمانوں کی آمد کا حال سن کر رومی جلق (مقابل عمرو بن عاص) سے ہٹ کر اجنادین میں اٹھ آئے چنانچہ مسلمان بھی یہیں ان کے مقابل خیمہ زن ہوئے۔ اجنادین کا شہر رملہ اور بیت جبرین کے درمیان واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں محسوب ہوتا ہے۔

اجنادین میں ایک لاکھ رومی سپاہ ہرقل کے بھائی تذارق کی کمان میں خیمہ زن تھی۔ عیسائی پادری اور مذہبی پیشوا ان کے مذہبی جوش کو برانگیختہ کر رہے تھے۔ جب اسلامی افواج یہاں پہونچیں تو ہر دستۂ فوج اپنے علیحدہ کماندار کی کمان میں تھا۔ حضرت خالد نے اس صورت حال کو جنگی نقطہ نظر سے انتہائی خطرناک قرار دیا۔ مسلمان امراء کی رضامندی سے

پوری فوج کی کمان خود سنبھالی۔ جب مصاف ہوا تو مسلمان افواج کے عقب میں مسلمان خواتین بھی صف آرا ہوئیں۔ حضرت خالد نے فوج کے میمنہ پر حضرت معاذ بن جبل اور میسرہ پر حضرت سعید بن زید کو مقرر کیا' خود قلب لشکر میں رہے۔ بقول بلاذری پیر ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ یا بروایت ضعیف ۲ جمادی الآخرہ یا بروایت دیگر ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ کو اجنادین کی مہم پیش آئی مگر طبری کے قول اجنادین کی جنگ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ کو ہفتہ کے دن لڑی گئی اور یہی تاریخ درست بھی ہے۔ بقول طبری رومیوں کا سر عسکر ... تھا' جب تذارق اپنی فوجوں کے ساتھ اجنادین آیا تو پھر کمان اسے سونپ دی۔

مسلمانوں نے سنت نبویؐ کے مطابق نماز ظہر کے وقت دشمن پر بھرپور حملہ کیا۔ گھمسان کا رن پڑا' رومیوں کو عبرت ناک شکست ہوئی' ان کا سپہ سالار قبقلار مارا گیا۔ سپہ سالار اعظم تذارق نے بھاگ کر حمص میں پناہ لی' رومیوں کا بھاری جانی نقصان ہوا اور ان کی فوج تتر بتر ہوگئی۔ ہرقل حمص میں موجود تھا' اس شکست سے ایسا خوف زدہ ہوا کہ وہاں سے بھاگ کر انطاکیہ پہونچ کر دم لیا۔ مسلمانوں کے بھی تین ہزار افراد شہید ہوئے۔ جن میں قریش کے متعدد نامی گرامی روساء بھی تھے۔ حضرت خالد کے خط سے حضرت ابوبکر صدیق کو اجنادین کی فتح کی خبر ملی' آپ علیل تھے مگر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور اس کامیابی پر خدائے برتر کا شکریہ ادا کیا۔ (۴۷)

عراق میں بغاوت

عراق سے حضرت خالد بن ولید کی شام روانگی کے بعد مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے شام جانے والے امراء کی جگہ دوسرے امراء کو مقرر کیا اور خود حیرہ میں قیام کر کے مفتوحہ علاقوں کے انتظامات میں مصروف ہوگئے۔ ایرانی اگرچہ داخلی مناقشات میں الجھے ہوئے تھے اور تخت شاہی کی خاطر رسہ کشی جاری تھی' لیکن عربوں سے وہ غافل نہ تھے۔ انہیں جب عراق کا محاذ خالی نظر آیا تو انہوں نے ہرمز جادویہ نامی ایرانی سپہ سالار کی سرکردگی میں دس ہزار ایرانیوں کا لشکر مثنیٰ بن حارثہ سے مقابلہ کر کے انہیں حیرہ سے نکال دینے کی غرض سے روانہ

کیا۔ مثنیٰ کو اپنے امراء کے خطوط سے ایرانی لشکر کی پیش قدمی کا حال معلوم ہوا۔ وہ مسلمانوں کو حیرہ سے لے کر نکلے۔ بابل پہونچ کر دشمن کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ اسی دوران میں ان کے پاس بادشاہ ایران شہر براز کا خط آیا جس میں نہایت غرور سے یہ لکھا تھا کہ تم لوگ اس قدر بے حقیقت اور ذلیل ہو کہ میں نے تمہارے مقابلے کے لئے مرغیاں اور سور چرانے والے (مرعاۃ الدجاج و الخنازیر) بھیجے ہیں اور انہیں کے ذریعہ تم لوگوں سے جنگ کروں گا۔ مثنیٰ نے اس کے جواب میں لکھا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیرے پاس اب اسی درجے اور حیثیت کے لوگ رہ گئے ہیں' سو تو نے انہیں ہمارے مقابلے پر بھیجا ہے۔ اس مراسلت کی اطلاع پر ایرانی امراء اپنے بادشاہ سے سخت ناراض ہوئے اور اسے اس بات کا پابند کیا کہ آئندہ ان کے مشورے کے بغیر مسلمانوں سے خط و کتابت نہ کرے۔

اس اثناء میں ایرانی لشکر مسلمانوں کے قریب پہونچ چکا تھا۔ مثنیٰ نے اپنے میمنہ اور میسرہ پر اپنے بھائیوں معنی و مسعود کو مقرر کیا خود قلب لشکر میں رہے۔ ہرمز نے کوکبد اور خرکبد نامی دو افسروں کو فوج کے دونوں بازو سونپے اور خود قلب میں قیام کیا۔ ایرانیوں کے لشکر میں ایک ہاتھی بھی تھا وہ جدھر کا رخ کرتا' صفوں کی صفیں الٹ دیتا اور ابتری پھیلا دیتا تھا۔ یہ دیکھ کر مثنیٰ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر پوری قوت سے بلہ بول دیا اور ہاتھی کو مار ڈالا' ہاتھی کے گرتے ہی ایرانی ہمت چھوڑ بیٹھے اور بھاگتی ہوئی بھیڑ کی طرح جس کو جدھر موقع ملا اسی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

مثنیٰ کی مدینہ آمد

اس کے بعد ایرانیوں کے داخلی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر مثنیٰ نے مدائن پر حملہ کا منصوبہ بنایا' مگر ان کے ساتھیوں کی تعداد ناکافی تھی اس لئے دربار خلافت کو کمک کے لئے انہوں نے لکھا۔ جب جواب میں تاخیر ہوئی تو سعید بن مرہ عجلی کو عراق میں اپنا نائب مقرر کر کے وہ مدینہ آئے۔ جب وہ یہاں پہونچے تو انہوں نے خلیفۃ الرسول کو بستر علالت پر دراز پایا۔ مثنیٰ کی آمد کی اطلاع حضرت ابوبکر صدیق کو ہوئی تو آپ نے انہیں بلوایا' عراق

کے حالات سنے اور حضرت عمر فاروق کو بلا کر انہیں مثنیٰ کی کمک پر فوجیں بھیجنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ''میری موت کی وجہ سے عراق کے محاذ پر لشکر بھیجنے میں تاخیر نہ کرنا' کیوں کہ کوئی مصیبت اتنی بڑی نہیں ہے جو آدمی کو دین کے معاملات سے غافل کر دے' رسول اکرم ﷺ کے وصال کے وقت بہت بڑی مصیبت ٹوٹ پڑی تھی اگر ہم اس موقع پر ذرا بھی سستی سے کام لیتے تو ایسی آگ بھڑک اٹھتی جس سے سارا مدینہ جل کر راکھ ہو جاتا۔'' اسی شب میں حضرت ابوبکر صدیق نے انتقال فرمایا۔ (۴۸)

فتوحات پر نظر بازگشت

عہد صدیقی میں فتوحات کا آغاز ۱۲ھ سے ہوا اور خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیق کے وصال تک بلکہ اس کے بعد بھی اس کا سلسلہ جاری رہا۔ عہد صدیق میں اس ڈیڑھ سال کے عرصہ میں عراق و شام کے جو علاقے فتح ہوئے ان پر ایک نظر ڈالنے سے ان کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ عراق عرب کے بیشتر خطے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے قبضے میں آگئے بلکہ ان پر ان کا قبضہ مستحکم ہو گیا اور ان میں ضبط و نظم بھی قائم ہوا۔ اسی طرح شام پر چار سمتوں سے یورش کی گئی اور رومیوں کے لئے ان کا مقابلہ کرنا آسان نہیں رہ گیا تھا۔ مسلمان چاروں طرف چھاپے مار رہے تھے شام میں رومی حکومت انتشار کا شکار ہو چکی تھی اور کسی قسم کا انتظام وہاں باقی نہ رہ گیا تھا' حتیٰ کہ قیصر ہرقل اپنے شامی مرکز' حمص سے گھبرا کر انطاکیہ چلا گیا اور شام کے مستقبل سے مایوس ہو گیا۔ اسلامی لشکروں کی یہ شاندار کامیابیاں جہاں مسلمانوں کی شجاعت' تنظیم اور قوت ایمانی کی مرہون منت ہیں' وہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مستعدی' منصوبہ بندی' اور فوجی بصیرت کی وجہ سے یہ کارنامے انجام دیئے جا سکے۔ ساتھ ہی حضرت خالد بن ولید کی فوجی مہارت' جرات' بے نظیر شجاعت' اعلیٰ عسکری تنظیم اور جرات مندانہ اقدام کو بھی ان فتوحات میں دخل ہے' اس کے ساتھ دوسرے فوجی سپہ سالاروں حضرت عمرو بن عاص' یزید بن ابی سفیان' شرحبیل بن حسنہ' معاویہ بن ابی سفیان اور عکرمہ بن ابی جہل کی مساعی کی وجہ سے بھی یہ کارنامے انجام دیئے جا سکے۔ بہر کیف عہد

صدیقی میں اس عظیم عمارت کی بنیاد رکھی گئی جس پر عہد فاروقی وعثمانی میں بلند وبالا عمارت تعمیر کی گئی۔

''حواشی''

(۱) WILLIAM MUIR,THE CALIPHATE, ITS RISE, DE CLINE AND FALL, KHAYATS, BEIRUT, 1963, P.P 43 ,44

(۲) طبری، ۳: ۳۴۷

(۳) طبری، ۳: ۳۴۰

(۴) HISTORY OF THE ARABS. PP 143-146

(۵) بلاذری، فتوح البلدان، صفحہ ۱۱۵

(۶) طبری، ۳: ۳۹۰

(۷) ابوتمام طائی، دیوان الحماسہ، مطبوعہ جمالیہ، مصر ۱۹۱۶ء جلد دوم صفحہ ۳۳۴

(۸) HISTORY OF THE ARABS, PAGE 145

(۹) رسول اکرم کی سیاسی زندگی، صفحہ ۹۹، ۱۰۰، ۱۷۴، ۱۷۵

(۱۰) ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت ۱۳۸۷ھ، جلد اول، صفحہ ۴۰۱، ۴۰۲

(۱۱) رسول اکرم کی سیاسی زندگی، صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰، وبعد؛ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات (اردو ترجمہ از مولانا امام خان نوشہروی)، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۰ء صفحہ ۵۴، ۵۵، ۶۳، ۱۷۳، ۱۷۴

(۱۲) بخاری، ۲: ۷۸۱ و ۸۶۹

(۱۳) رسول اکرم کی سیاسی زندگی، صفحہ ۱۷۷

(۱۴) طبری، ۳: ۲۴۹

(۱۵) رسول اکرم کی سیاسی زندگی صفحہ ۱۹۴۔۱۹۶

(۱۶) طبری، ۲: ۲۰۱ وبعد ۲: ۱۶۹؛ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، صفحہ ۱۹۸

(۱۷) طبری، ۲: ۶۵۴ و ۶۵۵؛ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ۱۴۴، ۱۵۴

(۱۸) طبری، ۲: ۱۸۱ و بعد؛ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ۲۰۲

(۱۹) طبری، ۲: ۲۲۹۔۲۳۴

(۲۰) بلاذری، فتوح البلدان، ۲۴۲۔۲۴۴

(۲۱) طبری، ۳: ۳۰۳ و ۳۰۴

(۲۲) طبری، ۳: ۲۶۹ (سجاح کے ساتھ جو امراء عراق سے آئے تھے انہیں نے بعد میں مسلمانوں سے سخت مصاف کیا تھا)

(۲۳) طبری، ۲: ۶۵۴، ۶۵۵: ۳۴۴

(۲۴) شبلی نعمانی، الفاروق، مطبوعہ سلطان حسین اینڈ سنز کراچی صفحہ ۲۲۹

(۲۵) محمد جمیل الرحمٰن، جغرافیہ خلافت مشرقی (اردو ترجمہ لی اسٹرینج)، مطبوعہ جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد ۱۹۳۰ء صفحہ ۴۴ و ۴۵

(۲۶) طبری، ۳: ۳۴۳۔۳۴۹؛ بلاذری، ۲۴۲ و ۲۴۳

(۲۷) طبری، ۳: ۳۵۰ و بلاذری ۱۴۳

(۲۸) طبری، ۳: ۳۵۱ و ۳۵۲

(۲۹) طبری، ۳: ۳۵۳ و ۳۵۴

(۳۰) طبری، ۳: ۳۵۵۔۳۵۹

(۳۱) طبری، ۳: ۳۶۰۔۳۷۳؛ بلاذری، ۲۴۴ و ۲۴۵؛ الکامل ۲: ۲۶۰ و بعد

(۳۲) طبری، ۳: ۳۷۴ و ۳۷۵؛ بلاذری، ۲۴۷

(۳۳) طبری، ۳: ۳۷۶ و ۳۷۷ و ۴۱۵؛ بلاذری، ۲۴۸۔۲۵۰

(۳۴) طبری، ۳: ۳۷۸۔۳۸۰

(۳۵) طبری ۳: ۳۸۰۔۳۸۳

(۳۶) طبری، ۳: ۳۸۳۔۳۸۵

(۳۷) طبری، ۳: ۳۸۸، ۳۸۹؛ فتوح البلدان، ۱۱۵۔۱۱۷

(۳۸) طبری، ۳: ۳۹۷

(۳۹) رسول اکرم کی سیاسی زندگی، صفحہ ۱۸۷ و ۱۸۸

(۴۰) فتوح البلدان، ۱۱۶ و ۱۱۷؛ طبری ۳: ۳۹۰۔۳۹۵، ۴۰۶ و بعد۔

(۴۱) طبری، ۳: ۳۸۸۔۳۹۱ و ۴۰۶۔ MUIR PP 68, 69. 70

(۴۲) طبری، ۳: ۳۹۲ و ۳۹۳

(۴۳) طبری، ۳: ۳۹۳؛

AMEER ALI, A SHORT HISTORY OF THE SARACENS , LONDON. 1927,P 7

(۴۴) طبری، ۳: ۴۰۶۔۴۱۰؛ فتوح البلدان، ۱۱۸

(۴۵) فتوح البلدان، ۱۱۸، ۱۱۹

(۴۶) فتوح البلدان، ۱۲۰ و طبری، ۳: ۴۱۷

(۴۷) فتوح البلدان ۱۱۶، ۱۲۰ و ۱۲۱؛ طبری، ۲: ۴۱۷ و ۴۱۰

(۴۸) طبری، ۳: ۴۱۲

باب ششم

دینی خدمات

دینی خدمات

رسول اکرم ﷺ کے جانشین وخلیفہ کی حیثیت سے ونیز مسلمانوں کے امام ہونے کی وجہ سے امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سب سے اہم فرض یہ تھا کہ دین کی حفاظت کریں' اسلام کی اشاعت کریں' قرآن کو ایک مصحف میں جمع کریں' ناموس رسول پر آنچ نہ آنے دیں اور ایسے تمام عناصر سے سختی سے نمٹیں جو اسلام اور رسول برحق کے وقار و احترام کے درپے ہوں اور جن سے اسلام کے وجود کو خطرہ اور رسول کی حرمت کے خاتمہ کا اندیشہ ہو۔ منصب خلافت کے بلند مرتبہ حامل کا جیسا کہ حضرت صدیق اکبر تھے' دین کی حراست اور اسلام کی حفاظت میں سعیٔ بلیغ کرنا اولین فریضہ تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس ذمہ داری کو بطریق احسن اور باسلوب انسب پورا کیا۔ ہم سطور ذیل میں ان کے اس سمت میں اقدامات کا اختصار کے ساتھ جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

جمع قرآن

دینی خدمات کے ضمن میں حضرت ابوبکر صدیق کا سب سے عظیم کارنامہ' جس میں حضرت عمر فاروق بھی برابر کے شریک ہیں' قرآن کا ایک مصحف میں جمع کرنا ہے۔ جمع قرآن ایک ایسی دینی خدمت ہے جس کے لئے ساری امت محمدیؐ ان بزرگوں کے زیربار منت ہے۔ جمع قرآن کے سلسلہ میں بخاری میں جو روایت ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ یمامہ کے بعد جو ۱۱ھ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ' خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر صدیق کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اس جنگ میں ستر (۷۰)

کے قریب قراء وحفاظ قرآن شہید ہوئے ہیں اگر قرآن کو جمع کرنے کا جلد بندوبست نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ کتاب اللہ کا کوئی حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس تجویز پر پہلے تو حضرت ابوبکر صدیق اس لیے راضی نہ ہوئے کہ جو کام رسول اکرم ﷺ نے نہیں کیا اسے کیسے کیا جائے مگر بعد میں حضرت عمر فاروق کے اصرار پر وہ رضامند ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت زید بن ثابت انصاری کو جو عہد نبویؐ میں کتابت وحی کی خدمت پر مامور تھے اور اسی زمانے میں سارا قرآن حفظ کر چکے تھے بلا کر یہ حکم دیا گیا کہ قرآن کی مختلف سورتوں کو جو تحریری شکلوں میں موجود ہیں ونیز لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں اکٹھا کر دو۔ ابتداء میں حضرت زید بن ثابت انصاری کو بھی اس کام کی انجام دہی میں عذر ہوا مگر حضرت ابوبکر صدیق کے زور دینے پر وہ راضی ہو گئے اور انھوں نے قریب ایک سال کے عرصے میں اس کام کو انجام دے دیا اور تمام آیات وسور قرآنی کو ایک مصحف میں جمع کر دیا۔(۱)

جمع قرآن کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ کام خود آنحضرت ﷺ کے دور میں ہو چکا تھا۔ اول تو حفظ کے ذریعہ کہ خود سرور عالم ﷺ اور بہت سے صحابہ جامع وحافظ قرآن تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت ابوموسیٰ اشعری' حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت' حضرت سالم' حضرت ابوزید انصاری اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم پورے قرآن کے حافظ تھے۔ ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد صحابہ کی اور تھی جو اس سعادت عظمیٰ سے بہرہ مند تھی۔ جمع قرآن کی دوسری صورت کتابت کی تھی یعنی آیات وسور کو تحریری شکل میں محفوظ کرلیا جائے۔ یہ بات تواتر کی حد کو پہنچتی ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ کاتبین وحی میں سے کسی کو بلوا کر اسے لکھوا دیتے۔ آپ اکثر یہ ہدایت فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورہ کی فلاں آیات کے ساتھ لکھ لو۔ اس طور سے مختلف سورتوں کے تحت آیات قرآنی تحریری شکل میں لکھ لی جاتی تھیں۔ صحابہ اپنے اپنے طور پر ان مکمل یا نامکمل سورتوں کی نقلیں کر کے اپنے پاس محفوظ کر لیتے تھے۔ حاکم نے المستدرک میں حضرت زید بن ثابت

انصاری سے روایت کیا ہے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نولف القرآن من الرقاع یعنی ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے حکم سے سورتوں اور آیتوں کو ترتیب وار لکھتے رہتے تھے۔ اس طرح ہر سورہ کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی لکھتے تھے۔ یوں عہد رسالت میں سور قرآنی میں آیات کی ترتیب اور سورتوں کے نام متعین ہو چکے تھے جو توقیفی تھے اور صاحب وحی کے حکم سے مہبط وحی نے انھیں متعین ومقرر فرما دیا تھا۔ یہ آیات متفرق اجزاء وصحائف میں تحریری شکل میں تھیں اور ایک جگہ مرتب ومجتمع نہ تھیں۔ ایسا اس لئے نہ ہو سکا تھا کہ رسول اکرم ﷺ کے عہد میں نزول وحی کا سلسلہ جاری تھا اور قرآن کو کسی ایک مصحف میں جمع کر دینا عملاً ممکن نہ تھا۔ اب جو کام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں انجام پذیر ہوا وہ عہد رسالت کے اس تحریری مواد کو ایک جگہ بین الدفتین (ایک جلد میں) جمع کر کے ایک مصحف بنا دینا تھا۔ حضرت زید بن ثابت اور ان کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان تحریری مواد کو' جو بقول مورخین عُسُب (عسیب کی جمع) کھجور کی چھالوں' لخاف (لخفہ کی جمع) باریک پتھروں' پتھر کی تختیوں' رقاع (رقعہ کی جمع) چمڑوں یا کاغذ کے ٹکڑوں' اکتاف (کتف کی جمع) اونٹ یا بکری کی خشک کی ہوئی ہڈیوں' الواح (لوح کی جمع) تختیوں' قطع الادیم (چمڑے کے ٹکڑوں)' اقتاب (قتب کی جمع) اونٹ کی کاٹھیوں' صحف (صحیفہ کی جمع) رسالوں' اضلاع (ضلع کی جمع) پسلی کی ہڈیوں اور صدور الرجال (لوگوں کے سینوں) میں محفوظ تھے' قراطیس (کاغذوں) پر تحریر کر کے مختلف سور قرآنی کو مجتمع کر کے ایک مصحف میں مابین الدفتین مرتب کر دیا۔ اس طور سے کسی جز کے الگ رہ جانے یا ضائع ہو جانے کا خطرہ جاتا رہا۔ اس جمع کے سلسلے میں نہایت احتیاط سے کام لیا گیا اور دو گواہوں کی شہادت کے بغیر کسی آیت کا اندراج نہیں کیا جاتا تھا۔ علماء کا یہ خیال ہے کہ تحریری مواد کے بارے میں یہ شہادت لی جاتی تھی کہ آیا وہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے ان کے سامنے لکھا گیا ہے اور نیز یہ کہ کاتب نے اس کی مراجعت آنحضرت ﷺ کے سامنے کی ہے یا نہیں؟ محدث ابن حجر عسقلانی نے دو

گواہوں میں سے ایک تحریری مواد (کتابت) اور دوسرا زبانی مواد (صدور الرجال) کو قرار دیا ہے یا پھر ہر آیت کی کتابت کے وقت دو تحریری اور دو زبانی شہادتیں قبول کی جاتی تھیں۔ ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی نے اپنی کتاب "فہم السنن" میں اسی حقیقت کی وضاحت کی ہے۔ (۲) اب یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو جامع قرآن کہلاتے ہیں' اس کی کیا حقیقت ہے' ہم اس کا ذکر ایک الگ کتاب میں ان کے حالات زندگی کے تحت کریں گے' ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ناموس رسول کی حفاظت

جمع قرآن کے بعد دوسرا اہم ہی کارنامہ جو حضرت ابوبکرؓ نے انجام دیا وہ ناموس رسول ﷺ کی حفاظت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں اور آپ کے وصال کے فوراً ہی بعد جو جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے' یمن میں اسود عنسی' یمامہ میں مسیلمہ کذاب' الجزیرہ وبنوتمیم میں سجاح اور نجد میں طلیحہ اسدی' ان سب کا خاتمہ حضرت ابوبکر صدیق ہی نے کیا۔ نبوت کے منصب کی یہ ارزانی اور ہر کس وناکس کا دعویٰ نبوت' حاملان نبوت کے استخفاف کے مترادف ہے اور نبوت کی حفاظت' انبیاء کے تقدس کی بحالی اور رسول اکرم ﷺ کے ناموس کی یہ حفاظت جس تندہی وسرگرمی سے حضرت ابوبکر صدیق نے کی یہ انھیں کا حصہ ہے (۳)۔

استیصال مرتدین

اسلام کی اس سے بڑی خدمت اور کیا ہو سکتی تھی کہ وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے ساتھ ہی اسلام سے برگشتہ ہو کر اسے بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے میں لگ گئے تھے' ابوبکر صدیق نے ان سب کا ایک ایک کر کے خاتمہ کیا اور دین کو سرزمین عرب میں پھر سے ایک مضبوط قوت کی حیثیت سے نصب کیا۔ اسلام کی کشتی کو طوفان بلاء سے بسلامت ساحل نجات پر لے آنا اور مخالف قوتوں کو کیفر کردار تک پہونچا دینا عہد صدیقی کا

سب سے بڑا دینی و مذہبی کارنامہ ہے۔ اور خلیفۃ الرسول کی حیثیت سے اس کی انجام دہی ان کی اولین ذمہ داری بھی تھی۔

مانعین زکوٰۃ کو سزا دہی

اسلام کے پانچ ارکان میں زکوٰۃ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ زکوٰۃ سے انکار اسلام کے ایک رکن کی فرضیت سے انکار ہے' یوں دین کی مخالفت اور اللہ و رسول سے بغاوت ہے۔ مانعین زکوٰۃ سے وقتی مصلحتوں کے تحت چشم پوشی کرنے سے دین ایک وحدت کی حیثیت سے پارہ پارہ ہو جاتا اور نتیجتہً اس کا وجود ہی ختم ہو جاتا۔ اس لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مانعین زکوٰۃ کو سزا دینا اور ان سے زکوٰۃ کی وصول یابی دین کو شکست و ریخت سے بچانے کی قابل ستائش کوشش تھی اور اس عظیم کارنامے کے لئے ان کو اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

اشاعت اسلام

حضرت ابوبکر صدیق نے یہی نہیں کہ عرب میں اسلام کو دوبارہ قائم کیا بلکہ عراق و شام کے نومفتوحہ علاقوں میں بھی اسلام کی اشاعت کے لئے انھوں نے کوششیں کیں۔ بنو وائل و حدود شام کے بت پرست و عیسائی قبائل ان کے زمانے میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے (۴)۔

"حواشی"

(۱) بخاری' ۲:۶۷۶ و ۷۴۵

(۲) سیوطی' الاتقان فی علوم القرآن' مطبوعہ مصطفیٰ بابی حلبی مصر ۱۹۵۱ء جلد اول صفحہ ۵۷-۵۹' تاریخ الخلفاء' صفحہ ۶۴' صبحی صالح' مباحث فی علوم القرآن مطبوعہ بیروت ۱۹۶۸ء صفحہ ۴۷ و بعد

(۳) طبری' ۳:۳۴۱

(۴) طبری' ۳:۳۸۱

باب ہفتم

انتظام حکومت

(الف) نظام خلافت

مقام خلافت

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق، مالک اور حاکم ہے۔ اسی نے اس کو پیدا کیا، وہی اس کے ذرے ذرے کا مالک ہے کوئی چیز اس کے دائرہ تصرف واختیار سے باہر نہیں ہے اور وہی اس دنیا کا حاکم اور آمر ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کا واضح الفاظ میں اظہار کیا گیا ہے کہ اللہ ہی اس دنیا میں حاکمانہ حیثیت سے متصرف ہے اور یہاں کے جملہ امور میں اسی کا حکم اور اسی کی مشیت وارادے کو دخل کلی حاصل ہے۔ مثلاً سورہ یوسف میں ارشاد ہوا: ان الحکم الا للہ (۴۰) یعنی اللہ کے سوا کسی اور کا حکم نہیں ہے۔ اسی طرح سورہ آل عمران میں فرمایا گیا قل ان الامر کلہ للہ (۱۵۴) کہہ دیجئے، کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ یا سورہ مائدہ میں ارشاد ہوا: ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون (۴۴) یعنی جو اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ کفر کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔ یوں اللہ ہی قانون عطا کرنے والا، آمر وناہی، مالک وخالق اور متصرف وموثر ہے۔ اس کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق انسانوں کو اپنی سیاسی، سماجی، معاشی اور روحانی زندگیوں کو گزارنا ہے اور اسی کے احکام کی اتباع کر کے انسان کامرانی وفلاح وفوز کی اس منزل کو پا سکتا ہے جو اس کی منشائے تخلیق ہے اور جو اس کے لئے سعادت قصوی اور انتہائی خوش بختی وسرخ روئی کا سبب ہے۔

دنیا میں انبیاء علیہم السلام اللہ کی اس حاکمیت کے نمائندے اور ترجمان ہیں۔ یعنی یہ انبیاء ہی ہیں جن کے ذریعے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ شارع کا ہمارے لیئے کیا حکم ہے اور وہ کون سے اصول وضوابط ہیں جن پر عمل کر کے ہم سعادت قصوی کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور اسی لئے ہر نبی کی دعوت یہی تھی کہ اللہ اور اس کی اطاعت کی جائے۔ مثلاً سورہ الشعراء میں فرمایا گیا: فاتقوا اللہ و اطیعونی (۱۰۸) پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ سورہ نساء میں ارشاد ہوا: وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (۶۴) اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن واجازت سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اور ایسا اس لئے ہے کہ رسول کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے: ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء ۸۰) اور جس نے رسول کی اطاعت کی، تو اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں حاکمیت اللہ کی ہے، اور رسول ﷺ اللہ کے نمائندے کی حیثیت سے اس حاکمیت الٰہی کے نفوذ، اجراء وتشریح پر مامور ہیں۔ سو مرکز اطاعت اللہ اور اس کے رسول ہیں۔ انہیں کی قانونی حاکمیت ہے اور وہی ہر قسم کے سیاسی اختیارات کے مرجع ومرکز ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اللہ کی شریعت کے حامل، اس کے شارح اور امت مسلمہ کے مطاع ہیں۔ ان کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ اللہ سے وحی کے ذریعہ ہدایات حاصل کریں، دوسرے یہ کہ احکام الٰہی کی روشنی میں لوگوں کی دینی ودنیوی ضروریات سے متعلق ان کی رہنمائی وہدایت کے فرائض انجام دیں۔ ان کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح اللہ کی اطاعت فرض ہے۔ اس اعتبار سے کہ رسول مہبط وحی، معصوم اور مفترض الطاعۃ ہیں، ان کے بعد کوئی ان کا جانشین یا قائم مقام نہیں ہو سکتا کہ ان پر نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ان کے ساتھ ہی وحی الٰہی کے نزول کا بھی خاتمہ ہو گیا، مگر اس اعتبار سے کہ رسول کی لائی ہوئی شریعت کی ترویج، ان کے منصب سے متعلق کاموں کی تکمیل اور نت نئے امور میں قرآن وسنت کے مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے

اجتہاد کے ذریعہ امت مسلمہ کی رہنمائی و ہدایت کا سلسلہ جاری رہنا ہے۔ رسول ﷺ کی جانشینی کو خلافت کے اصطلاحی لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یوں رسول اقدس ﷺ کی یہ نیابت و خلافت دینی بھی ہے اور دنیوی بھی۔ دینی اس اعتبار سے کہ رسول کی لائی ہوئی شریعت کی تشریح، توضیح و تعبیر جس اجتہاد کے ذریعہ عمل میں آتی ہے اس کا مرکز خلیفہ ہے، پھر شریعت کی صیانت، داخلی و خارجی بداندیشیوں سے اس کی حفاظت و تطہیر بھی اسی نائب اور اسی جانشین کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ ان وجوہ سے خلیفہ کا منصب دینی ہے۔ یہ منصب دنیوی اس لحاظ سے ہے کہ امت مسلمہ کے دنیاوی امور کی نگرانی، انجام دہی اور ان کی اصلاح بھی خلیفہ کی ذمہ داری ہے۔ معاش، سیاست اور معاملات سے متعلق مسائل کا حل اور امت کے لئے درست لائحہ عمل کا تعین بھی اسی کی ذمہ داری ہے۔ اس بناء پر خلیفہ کا منصب دینی بھی ہے اور دنیوی بھی۔ جس طرح اللہ کے احکام واجب الاطاعت ہیں، اسی طرح رسول ﷺ کے احکام بھی واجب الاطاعت ہیں اور خلیفہ کے احکام بھی جو اللہ اور رسول کے احکام کے تحت ہوں واجب الاطاعت ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو خطاب کر کے انھیں یہ حکم دیتا ہے:۔

یا ایھاالذین امنوا اطیعوا اللہ ، و اطیعوا الرسول ، واولی الامرمنکم ۔ (النساء ۵۹)۔

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو رسول کی، اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔

یہ امیر اس اعتبار سے کہ رسول اکرم ﷺ کا جانشین و نائب ہے خلیفہ کہلاتا ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ مسلمانوں کا سربراہ، امیر اور قائد ہے اسے امام کہا جاتا ہے۔ سو، خلافت و امامت اور خلیفہ و امام شریعت میں ہم معنی اصطلاحیں ہیں۔

خلافت کا لغوی مفہوم

خلافت عربی زبان کا مصدر ہے، اس کا مادہ خَلَفَ (خ ل ف) ہے۔ اس کے لغوی

معنی نیابت و قائم مقامی کے ہیں۔ یعنی کسی دوسرے شخص کے بعد ایک شخص کا اس کا نائب و جانشین ہونا خلافت ہے۔ امام راغب اصفہانی خلافت کی لغوی تشریح کے سلسلے میں اپنی کتاب المفردات فی غریب القرآن میں فرماتے ہیں:۔

والخلافة النيابة عن الغير ، اما لغيبة المنوب عنه ، و اماالموته ، واما لعجزه ، واما لتشريف المستخلف ، وعلى هذا الوجه الاخير استخلف الله اوليائه في الارض (۱)

اور خلافت کسی دوسرے شخص کی نیابت ہے، یا تو جس کا اسے نائب بنایا جا رہا ہے وہ غائب ہے، یا اس کی موت واقع ہو چکی ہے یا وہ اپنے فرائض کی بجا آوری سے عاجز ہے یا جسے خلیفہ بنایا جا رہا ہے اسے باعزت و باشرف بنانا مقصود ہے۔ اور اس آخری سبب کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں اور نیک بندوں کو زمین میں اپنا نائب و خلیفہ بنایا ہے۔

اس طور سے خلافت اپنے لغوی مفہوم میں خلافت اللہ فی الارض بھی ہے جو اولاد آدم میں سے صالح و باایمان افراد و جماعت کو ارزانی فرمائی گئی اور ارشاد خداوندی ہوا: ☆وھوالذی جعلکم خلائف فی الارض (الانعام ۱۶۵) اور اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں نائب و خلیفہ بنایا۔ اور اس اجتماعی خلافت کے بعد انفرادی خلافت کے عطیہ کی بشارت ان لفظوں میں دی گئی: ☆یا داود انا جعلناك خليفة في الارض (ص ۲۶) اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ مقرر کیا۔ اس انفرادی خلافت کی خلعت انبیاء علیہم السلام کے پیکر ہائے زیبا پر سجائی گئی اور وہی اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ٹھہرے جناب رسول اکرم ﷺ اس منصب بلند پر سرفراز ہوئے اور اس مفہوم میں خلافت جناب رسول اکرم ﷺ کی نیابت و قائم مقامی بھی ہے۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے کو خلیفۃ الرسول ہی کہلانا پسند کرتے تھے (۲)۔ اور چونکہ اللہ نے خلافت ارضی تمام امت محمدیؐ کو عطا فرمائی ہے اور خلیفہ امت محمدیہ کے نمائندہ کی حیثیت میں اس فرض منصبی کی انجام دہی پر مامور ہے، وہ خلیفۃ المسلمین بھی ہے۔ (۳)

خلافت کا اصطلاحی مفہوم

خلافت کے اس لغوی مفہوم کی وضاحت کے بعد اس کے اصطلاحی معنوں پر بھی غور کرنا چاہیے۔ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں خلافت کی یہ اصطلاحی تعریف کی ہے

☆ فھی فی الحقیقۃ خلافۃ عن صاحب الشریح فی حراسۃ الدین ، و سیاسۃ الدنیا بہ (۴)

سو دراصل خلافت دین کی حفاظت میں اور دین ہی کے مطابق سیاست دنیا میں صاحب شریعت کی نیابت ہے

علامہ ابن خلدون کے اس بیان کی توضیح کرتے ہوئے مشہور مصری عالم ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن تحریر کرتے ہیں: ''امت میں خلیفہ، رسول ﷺ کی جگہ ہے۔ اسے ان پر عمومی حکومت اور ان کی مکمل اطاعت حاصل ہوتی ہے۔ اس کو دینی امور کے انصرام کا حق ہے سو وہ حدود اسلامی و شریعت محمدی کا اجراء و نفاذ کرتا ہے۔ اسی کو امت کے دینوی معاملات کے سرانجام دینے کا بھی بدرجہ اولیٰ حق پہنچتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں امت کے امور کی زمام کار ہے۔ اسی بناء پر ہر حکومت اس کی ذات سے وابستہ ہے اور ہر دینی یا دنیوی طریقہ اس کے منصب سے نکلتا ہے۔ اس لئے وہی مادی و روحانی (دنیوی و دینی) حاکم ہے۔ اس کی حیثیت اس پاپائی نظام کے برخلاف ہے جو ہمیں یورپ کے ازمنہ وسطیٰ میں نظر آتا ہے (یعنی خلافت میں دنیوی اور دینی نظام ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں بلکہ خلیفہ ان دونوں ہی معاملات میں صاحب اختیار و صاحب حکم ہے جب کہ پاپائی نظام میں کلیسا کی سربراہی پوپ کے ذمہ اور دنیوی حکومت کی قیادت بادشاہ کے سپرد ہوتی ہے)۔'' (۵)

انعقاد خلافت

خلافت امور عامہ میں ہے۔ شارع نے اس کے انعقاد کی ذمہ داری امت پر عائد کی ہے۔ قرآنی ہدایات اور اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں امت کے ارباب حل وعقد کے

اجماع سے انعقاد خلافت وانتخاب خلیفہ کے عمل کی تکمیل ہوتی ہے قرآنی آیت: وامرھم شوری بینھم (شوریٰ ۳۸) کے مطابق خلیفہ کا انتخاب اہل اختیار کے مشورہ و باہمی سے سرانجام پاتا ہے۔ بقول ابوالحسن علی الماوردی انتخاب خلیفہ امت محمدیؐ پر فرض کفایہ کے بطور لازمی ہے۔ اگر اس فریضہ کو انجام نہ دیا گیا تو تمام امت اس کی ذمہ دار اور اس کے لئے قابل مواخذہ ہوگی، بصورت دیگر اگر ارباب حل وعقد کی ایک جماعت نے اسے برپا کردیا تو ساری امت کے سر سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔ امت کے ان دونوں گروہوں کے لئے صفات و شرائط کا تعین کیا گیا ہے جن کے بدون وہ ان مناصب کے اہل نہیں ہو سکتے (۶)۔

اہل الاختیار

امت کے وہ لوگ جو امام و خلیفہ کے انتخاب کا حق رکھتے ہیں اور اہل الاختیار کہلاتے ہیں، ان کے لئے اسلامی مفکرین نے جو اوصاف و شرائط متعین کی ہیں، وہ تین ہیں یعنی عدالت، علم اور رائی۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ عدالت: اپنی شروط جامعہ کے ساتھ۔ یعنی اہل الاختیار نیکوکار، راست باز اور زندگی کے عام معمولات میں صدق شعار و صدق گفتار ہوں۔ اس طرح وہ منہیات شرعیہ کا ارتکاب نہ کرتے ہوں اور شریعت کے معروف و منکر پر عامل ہوں۔

۲۔ علم: اہل الاختیار کو اس قدر علم سے بہرہ مند ہونا چاہئے جس سے وہ اس بات کا پتا لگا سکیں کہ خلافت و امامت کے کون لوگ مستحق ہیں تاکہ ان کے انتخاب میں آسانی ہو

۳۔ رائی: اہل الاختیار کو صاحب رائے اور صاحب عقل و دانش ہونا چاہئے تاکہ وہ ایسے شخص کو امام و خلیفہ منتخب کرسکیں جو اس منصب کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور تدبیر مملکت کے لئے سب سے زیادہ معروف و باصلاحیت ہو۔ (۷)

اہل الامامت

اہل الاختیار یا دور جدید کی اصطلاح میں رائے دہندگان کے لئے مندرجہ بالا شرائط و

اوصاف کی تعیین کے بعد اہل الامامت کے لئے جن اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے وہ الماوردی کے مطابق درج ذیل ہیں۔

۱۔عدالت: اپنی تمام ضروری شرائط کے ساتھ یعنی خلافت کے دینی منصب ہونے کے باعث اس منصب کے حامل شخص میں دیانت، امانت، صدق وعدالت کا ہونا ازبس ضروری ہے۔ اگر خلیفہ کے منصب کا امیدوار شخص بدعات شرعیہ کا مرتکب ہو تو اس سے عدالت ختم ہو جائے گی اور ایسا شخص اس منصب جلیل کا حامل نہیں ہو سکتا۔

۲۔علم: ایسا علم جو امور ناگہانی اور احکام پیش آمدہ میں اجتہاد کا درجہ رکھتا ہو۔ کیونکہ خلیفہ کا منصب احکام الٰہی کا نفاذ چاہتا ہے اس لئے خلیفہ کو ان کا کماحقہ علم ہونا چاہئے۔ اور یہ علم اجتہاد کی حد تک ضروری ہے، کیونکہ خلیفہ کا مجتہد ہونا ضروری ہے اور تقلید اس کے لئے وجہ نقص و عار ہے، اور امامت کا اقتضاء کمال اوصاف و احوال ہے۔ اگر اس میں کمال نہ ہو تو ایسا شخص خلافت کے منصب کا اہل نہیں ہے۔

۳۔سلامت حواس: یعنی جس شخص کو خلافت و امامت کے لئے چنا جائے وہ سمع، بصر اور لسان (گویائی) کے نقائص سے پاک ہو تا کہ وہ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی بطریق احسن کر سکے۔

۴۔سلامت اعضاء: خلیفہ کے اعضاء نقائص سے صحیح وسالم ہوں اور وہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں اٹھنے، بیٹھنے وغیرہ کی رکاوٹیں نہ محسوس کرے۔

۵۔رائے: خلیفہ صاحب الرائے ہو جس سے عوام سے حسن سیاست اور حکومت کے مصالح کی تدبیر میں اسے مدد ملے اور وہ مسائل پیش آمدہ میں صحیح فیصلہ کر سکے۔

۶۔شجاعت: خلیفہ میں شجاعت اور بردباری کا ہونا بھی ضروری ہے تا کہ وہ ملت کی حفاظت داخلی تحفظ اور خارجی دشمنوں سے جہاد کر سکے۔

۷۔قریشی النسب: خلیفہ کا قبیلہ قریش سے ہونا ضروری ہے کیونکہ اس ضمن میں نص یعنی حدیث رسولؐ وارد ہے اور اس پر امت کا اجماع بھی ہو چکا ہے (۸)۔

الماوردی کی ان شرائط و اوصاف میں سے پہلے چھ اوصاف سے ابن خلدون نے اتفاق کیا ہے اور انھیں چار الفاظ یعنی علم، عدالت، کفایت اور سلامت حواس و اعضاء میں سمو دیا ہے۔ ان میں کفایت سے یہ مراد ہے کہ خلیفہ حدود (سزاؤں) کے اجراء، جنگوں کے برپا کرنے، ان سے واقفیت، لوگوں کو ان میں شرکت پر آمادہ کرنے، عصبیت سے واقف، سیاست کی سختی کو برداشت کرنے اور احکام کے نفاذ اور مصلحت اندیشی پر جری و کاربند ہو۔ جہاں تک خلیفہ کے قریشی النسب ہونے کا تعلق ہے۔ ابن خلدون کا یہ خیال ہے کہ جب تک قریش میں خلافت کے مستحق افراد پیدا ہوتے رہے اور انھیں مسلمانوں اور عربوں کی عصبیت حاصل رہی یہ منصب ان کے پاس رہا۔ لیکن جب ان میں باصلاحیت افراد کی کمی ہوگئی اور ان کی عصبیت بھی پراگندہ ہوگئی تو خلافت کے لئے انسب قریش کی شرط بھی جاتی رہی (۹)۔ گویا یہ شرط موقت تھی اور وقت کے ساتھ ختم ہوگئی۔

انتخاب خلیفہ کی مختلف صورتیں

جناب رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے جانشین کے تقرر کا مسئلہ سامنے آیا۔ بنو ساعدہ کے سقیفہ میں انصار مدینہ اس نیت سے اکٹھا ہوئے کہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کر دیں۔ اس مجمع میں مہاجرین میں سے حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم پہنچ گئے۔ کافی بحث وتمحیص کے بعد اس مجمع میں موجود لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد اگلے دن مسجد نبویؐ میں تمام مسلمانوں نے آپ کی بیعت کر لی اور آپ مسلمانوں کے خلیفہ چن لیے گئے۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی علالت نے طول کھینچا اور آپ کا وقت آخر آ پہنچا تو آپ نے کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مشورے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت پر فائز کرنا چاہا۔ اس امر کی عام مسلمانوں سے منظوری کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انعقاد عمل میں آیا اور وہ بیعت عامہ کے بعد

مسلمانوں کے امام وخلیفہ ہوئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے پہلے چھ معزز صحابہ کرام کی مجلس شوریٰ کا تقرر کیا کہ یہ لوگ مشورہ باہمی سے اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ چن لیں۔ چنانچہ ارباب شوریٰ نے کہ حضرات عثمان، علی، عبدالرحمان بن عوف، زبیر بن عوام، طلحہ بن عبیداللہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تھے، حضرت عبدالرحمان بن عوف کو حق انتخاب دیا اور انھوں نے باہمی مشورہ، امراء اجناد واصحاب رسول ﷺ کے استصواب سے حضرت عثمان کی خلافت کا اعلان کیا، لوگوں نے اسے قبول کیا اور ان کی بیعت عامہ مجمع عام میں ہوئی جس کے بعد ان کی امامت وخلافت منعقد ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت ایک ایسے وقت میں ہوئی جب کہ مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا، کبار صحابہ میں سے اکثر یا تو مدینہ سے باہر تھے یا فتنہ کے سبب خانہ نشین ہو گئے تھے۔ لوگوں کو آزادانہ انتخاب خلیفہ کا موقع نہ ملا اور ایک گروہ نے جو قاتلین و باغیان عثمان پر مشتمل تھا ان کی اکثریت کو بیعت لینے پر مجبور کیا، جبکہ شروع ہی سے ایک گروہ نے اس کی مخالفت کی۔ (۱۰)

انتخاب خلیفہ کے اصول

خلفائے راشدین کے انتخابات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو اصول خلیفہ کے انتخاب کے وضع کئے جا سکتے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں:

۱۔ خلیفہ کا انتخاب اہل الاختیار کے مجمع عام میں ہونا چاہئے۔

۲۔ اہل الاختیار سے مشورے کے بعد کسی ایک شخص کو جو شروط امامت کا جامع ہو، خلیفہ سابق اپنا جانشین نامزد کرے اور اس پر لوگوں کا اجماع ہونا چاہئے۔

۳۔ اہل الامامت میں سے چند اشخاص کی ایک کونسل بنا دی جائے کہ اپنے میں سے عامۃ المسلمین کے مشورے سے کسی ایک کو منصب خلافت کے لئے منتخب کرلیں۔

۴۔ مذکورہ بالا تینوں اصول میں اجماع امت وارباب شوریٰ سے مشورہ ضروری ہے۔

۵۔ مذکورہ اصول سہ گانہ میں بیعت خاصہ کے بعد بیعت عامہ واقطار وامصار کے مسلمانوں کا اس انتخاب پر متفق ہونا ضروری ہے۔

۶۔ خلیفہ کے انتخاب کا حق امت مسلمہ کو حاصل ہے اور اس کی توثیق کے بدون اس انتخاب کی تکمیل نہیں ہوگی۔

۷۔ امت مسلمہ کو آزادی کے ساتھ کسی جبر کے بغیر اظہار رائے کا حق ہونا چاہئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا استحقاق خلافت

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی آخری علالت کے دوران حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت و جانشینی سے متعلق ایک تحریر لکھوانی چاہی، پھر اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان حضرت ابوبکر صدیق کے سوا کسی اور کی امارت کو پسند نہ کریں گے، اس خیال کو ترک کر دیا۔ (۱۱)

نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمات اسلام، جلالت شان اور افضلیت کا مظہر ہے، اور صحابہ کرام کے درمیان ان کی بلند حیثیت اور اعلیٰ مقام کی نشان دہی کرتا ہے۔ اسلام کی تاریخ میں جاں نثاران نبویؐ میں انھیں نہایت نمایاں و ممتاز مرتبہ حاصل ہے اور امت محمدیہ میں انھیں انبیاء کے بعد افضل الناس یعنی سب سے بڑھ کر موجب فضیلت سمجھا گیا ہے۔ ہم سطور ذیل میں اس شرف افضلیت کا واقعاتی جائزہ لیں گے کیونکہ یہی افضلیت، خلافت نبوی کی احقیت کی بنیاد ہے اور اسی فضیلت کے سبب انھیں جانشینی رسول کا حق حاصل ہوا اور اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں اپنا امیر و قائد چنا۔

اخلاق حسنہ

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جناب سرور کائنات ﷺ کے جوانی کے دوست اور رفیق تھے۔ یہ رفاقت یکسانئ مزاج وہم رنگئ طبع کے بغیر ممکن نہیں۔ روایات سے پتا چلتا ہے

کہ جن پاک نفس لوگوں نے اسلام سے پہلے ہی عربوں کی اخلاقی ومعاشرتی برائیوں سے اپنے دامن اخلاق کو پاک صاف رکھا تھا اور سماج کی آلائشوں سے ان کا شیشہ دل مصفا تھا، ان میں حضرت ابوبکر صدیق بھی تھے۔ اخلاق کی یہی پاکیزگی اور ذہن کی یہی سلامتی حضرت ابوبکر صدیق کو معلم اخلاق وتکمیل خلق حسن کے آستانہ بلند پر لے گئی اور بمصداق دل را بدل رہیست، انھیں جناب رسول اکرم ﷺ کا رفیق، ہم جلیس وشریک محفل کردیا۔ اس شرف رفاقت وہم جلیسی نے حضرت ابوبکر کو پیکر صدق وصفا بنا دیا (۱۲) چنانچہ جب غار حراء سے آفتاب نبوت طلوع ہوا تو سب سے پہلے انھیں کا سینہ اس کی روشنی سے منور ہوا اور انھیں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اور یہ قبول اسلام حضرت ابوبکر کا تھا جو اپنے کردار و منصب کے سبب قریش میں ہر دل عزیز تھے اور اپنے پرائے میں ان کی عزت یکساں تھی اور سبھی ان کی بات سنتے اور مانتے تھے۔ خصوصاً نوجوانوں کے گروہ میں انھیں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ قبول اسلام کے بعد وہ تبلیغی مساعی میں سردار دوعالم ﷺ کے دست راست رہے اور انھیں کی تبلیغ سے حضرات عثمان، عبدالرحمان بن عوف، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوام وسعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے اپنے اسلام کا بانگ دہل اعلان کیا، خانہ کعبہ میں نماز ادا کی، کفار کے ہاتھوں سخت اذیتیں اٹھائیں اور رسول اکرم ﷺ کی حمایت میں سینہ سپر رہے۔ رسول اکرم کو اذیت دینے والوں سے وہ لڑے، اسلام قبول کرنے والے غلاموں کو انھوں نے خرید کر آزاد کیا، غرض رسول اکرم ﷺ کے بعد مکہ میں سب سے زیادہ جاں سپاری اور جاں نثاری انھیں سے ظاہر ہوئی، چنانچہ کفار ان سے اس بناء پر سخت شاکی رہتے تھے، کہ انھوں نے بقول ان کے لوگوں کو خراب کیا تھا (۱۳)

تصدیق رسول

مکہ ہی میں واقعہ معراج (اسراء) کی انھوں نے سب سے پہلے تصدیق کی اور صدیق کے معزز لقب سے سرفراز کئے گئے۔ (۱۴) غرض انھوں نے رسول کی تصدیق میں

کوئی پس وپیش کبھی نہیں کی اور بے چوں وچرا ہر فرمودہ رسول کی تصدیق کی۔ چنانچہ رسول الرحمٰن ﷺ نے ان کے متعلق یہ ارشاد فرمایا: ما دعوت احداً الی الاسلام الا کانت له کبوة و تردد و نظر الاابابکر، ماعتم عنه حین ذکرته وما تردد فیه (۱۵)

میں نے جسے بھی اسلام کی دعوت دی، اس میں اس کی طرف سے یک گونہ کراہت، تردد اور فکر پائی۔ لیکن ابوبکر سے جب میں نے اسلام کا ذکر کیا تو انھوں نے اس کو بلا توقف و تردد قبول کیا۔

انفاق فی سبیل اللہ

اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ اور اسلام کی خاطر مال کی قربانی میں بھی وہ مکہ میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اس مدت میں چالیس ہزار درہم اللہ کی راہ میں خرچ کیے۔ مظلوم غلاموں اور باندیوں کو، جو اسلام کی خاطر ستائے جارہے تھے، خرید کر آزاد کیا، تبلیغ دین کے مالی اخراجات کے وہی کفیل رہے اور سفر ہجرت کے تمام اخراجات انھیں نے برداشت کیے چنانچہ زبان وحی ومہبط وحی سے اس انفاق فی سبیل اللہ کی ابدی شہادت اور گواہی یوں دی گئی:

لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئك اعظم درجة من الذین انفقو امن بعد (الحدید۱۰)

تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا، ان لوگوں کا درجہ نہایت بلند ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا۔

یہ آیت قرآنی ارباب تفسیر کی روایات کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ وہی سب سے پہلے اسلام لائے اور انھیں نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے انفاق فی سبیل اللہ کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے، مثلاً ایک بار فرمایا:

مانفعنی مال احد قط مانفعنی مال ابی بکر یعنی کسی کے مال نے مجھے ایسا نفع نہ دیا جیسا ابوبکر کے مال نے دیا۔(۱۶)

رفاقت رسول

ہجرت کے موقع پر جناب رسالت مآب ﷺ نے انھیں کو اپنی رفاقت کے لئے چنا، وہ رسول مقدس علیہ السلام کے ایک حکم پر بھرا پُرا گھر چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سفر ہجرت پر روانہ ہو گئے۔ ہجرت کے اس پر خطر سفر میں حضرت ابوبکر صدیق کے صاحب زادے حضرت عبداللہ غار ثور میں قیام کے دوران میں خطروں سے گزر کر غار میں آتے اور کفار مکہ کی خبریں پہنچاتے، اسی طرح آپ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ بکریاں لے کر آتے، آمد و رفت کے نشانات مٹاتے اور دودھ سے اپنے آقا اور ان کے آقا کی خاطر تواضع کرتے تھے سو اس سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر صدیق کا سارا گھرانا نصرت و تائید میں شریک رہا۔ یہ ایسا اختصاص تھا جو کسی اور کے نصیب میں نہ آیا اور زبان وحی نے اس شرف کا اعلان کر کے رفاقت، ایثار و انابت الی اللہ کی تاریخ میں سیدنا صدیق اکبر کے لئے مقام بلند مخصوص کر دیا:

الاتنصروہ فقد نصرہ اللہ اذا خرجہ الذین کفروا ، ثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا (التوبہ ۴۰)

اگر تم رسول کی مدد نہیں کرتے ہو (تو کوئی پروا نہیں)۔ اللہ نے ان کی مدد اس وقت کی جب کافروں نے ان کو نکال دیا اور وہ دو میں کے ایک تھے، جب دونوں غار میں تھے، جس وقت وہ اپنے دوست سے کہہ رہے تھے فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یوں علوئے شان کا پایہ بلند ہو جاتا ہے بلکہ اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے جس کے آگے صرف رسالت و نبوت کا رتبہ ہے جب اس ارشاد نبویؐ پر غور کیا جائے کہ ماظنلک باثنین اللہ ثالثہما (اے ابوبکر تمہارا ان دو کی نسبت کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے؟)(۱۷)

ہجرت کے بعد مسجد نبوی کی تعمیر میں ان کا مالی ایثار شامل تھا۔ ہجرت کے بعد جتنے بھی

غزوات، پیش آئے حضرت ابوبکر صدیق ان سب میں شریک تھے۔ سفر ہو یا حضر وہ ہر حال میں رفیق رسول رہے ماسوا ان مواقع کے جب وہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے مدینہ کے باہر گئے وہ آپ کے شامل مشورہ اور شریک صحبت رہے۔ بدر کے معرکے میں، کہ کفر و اسلام کا پہلا معرکہ تھا، مسلمانوں نے آقائے نامدار ﷺ کے لئے ایک بلند مقام پر ایک سائبان (عریش) بنایا، اس عریش میں آپ کے رفیق غار و شریک سفر ہجرت آپ کے ساتھ تھے۔ یہ شرف مشورہ و مواسات، اس خطرناک موقع پر کہ اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی حاصل ہوا۔ احد کے معرکہ میں جب آپ نے کفار کی جانب پیش قدمی کا ارادہ کیا تو جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مِتِّعنی بِبقائِكَ ''(۱۸) یعنی اے ابوبکر اپنی زندگی سے مجھے فائدہ پہنچاؤ۔ یہ بلیغ جملہ محبت و شفقت کے اعلیٰ جذبات کے ساتھ صدیق رسول کی عظمت و اہمیت کی دلیل روشن ہے۔ اس غزوے میں جب مسلمانوں کو وقتی طور سے شکست ہوئی تو اس خطرناک موقع پر بھی جو چند جاں نثار رسول مکرم ﷺ کے گرد ہالہ بنے ہوئے تھے، انھیں میں حضرت ابوبکر صدیق بھی تھے۔ یہی حال دوسرے غزوات کا بھی ہے۔ حدیبیہ کے مقام پر کفار مکہ سے جو صلح ہوئی اس معاہدے پر آپ کے دستخط بھی ثبت تھے۔(۱۹) اسی موقع پر جب بظاہر مغلوبانہ شرائط پر بعض اجلہ صحابہ کو ملال ہوا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اس ملال کا اظہار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی کیا تو اداشناس رسولؐ نے انہیں بڑا بلیغ جواب دیا فرمایا: ☆ایھا الرجل انہ ل اللہ و لیس یعصی ربہ دھونا صرہ فاستمسك بغرزہ فواللہ انہ علی الحق (۲۰)

اے شخص وہ اللہ کے رسول ہیں، اور اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے، وہ ان کا ناصر و مددگار ہے۔ سو تم ان کے دامن کو تھام لو، خدا کی قسم وہ حق پر ہیں۔

غزوۂ تبوک میں مالی ایثار

سلسلہ غزوات کا آخری بڑا غزوہ سرحدات شام کے عیسائی عربوں اور ان کے رومی

آقاؤں کی چیرہ دستیوں اور ان کے متوقعہ حملوں کے سدباب کی غرض سے پیش آیا، اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے مالی اعانت کی درخواست کی۔ سب نے اپنی اپنی استطاعت سے بڑھ کر مالی پیش کش کی، مگر صدیق رسول نے مالی ایثار، ترک تعلق اور انقطاع عن الخلق وانابت الی اللہ کی ایسی مثال پیش کی جو ایثار وقربانی کی تاریخ میں بے مثال ولازوال ہے۔ آپ نے اپنا سارا اثاثہ لاکر شہنشاہ کونین کے قدموں میں ڈال دیا اور جب آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ''اے ابوبکر اپنے بال بچوں کے لئے کیا چھوڑا'' تو یہ جواب دیا ''اللہ اور اس کے رسول کو ان کے لئے چھوڑا ہے'' اس غزوہ میں حضرت ابوبکر صدیق لشکر اسلامی کا جائزہ لینے اور اس کی امارت کی خدمت پر مامور تھے۔

تبوک کے اثنائے سفر میں آنحضرت ﷺ اہل لشکر سے دور ہو گئے جو لوگ ساتھ تھے انہیں تشویش ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔

اگر لشکر فرماں بردارئی صدیق و فاروق کنند، راہ یاب شوند (اخرجہ مسلم)

اگر لشکر ابوبکر صدیق وعمر فاروق کی پیروی کرے گا تو وہ سیدھا راستہ پالے گا اور نہ بھٹکے گا۔(۲۱)

پہلے امیر الحج

۹ھ کا حج جو اسلام کا پہلا حج تھا، اس میں حضرت محمد مصطفی ﷺ خود تشریف نہ لے گئے اور مسلمانوں کی قیادت کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر فرمایا۔ یہ پہلی باقاعدہ نیابت تھی جو حج جیسے رکن دین کی بجا آوری کے لئے حضرت صدیق اکبر کو سونپی گئی۔ اگر آنحضرت ﷺ خود مکہ تشریف لے جاتے تو آپ ہی امیر الحج بھی ہوتے، لیکن آپ کی غیبت میں امارت حج کے عظیم فریضہ کو صدیق رسول نے انجام دیا۔ اس سے بھی صحابہ میں ان کی جلالت شان وعلوئے منزلت کا پتا چلتا ہے۔(۲۲)

فراستِ صدیقی

اپنی آخری علالت کے دوران میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا:

ان عبدا من عباد اللہ خیرہ اللہ بین الدنیا وبین ماعندہ، فاختار ماعنداللہ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور قرب الٰہی میں سے جس کو چاہے پسند کرلے اس نے اللہ کے قرب کو پسند کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی فراست ایمانی سے اس بات کی تہہ کو پہونچ گئے رونے لگے اور عرض کیا: ''بل نفدیك بانفسنا وآبائنا'' نہیں بلکہ ہم اپنی جانیں اور اپنے باپ کو آپ پر سے قربان کردیں گے۔ رسول اکرم ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: علی رسلك یا ابا بکر (۲۳) اے ابوبکر سنبھلو!

امامتِ صلوٰۃ

رسول اکرم ﷺ نے، اپنی علالت کے دوران میں، جب مرض کی شدت کے سبب آپ کے لئے امامت نماز ممکن نہ رہی حضرت ابوبکر صدیق کو نماز میں اپنی نیابت و مسلمانوں کی امامت کا حکم دیا۔ نماز ارکان دین میں سب سے اہم ہے اور مسجد نبوی میں مسلمانوں کی امامت صلوٰۃ کا حکم ان کی خلافت وامامت عام کی جانب ایک اشارہ، بلیغ تھا۔(۲۴)

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض لیالیٔ وایاماً ینادیٰ بالصلوٰۃ، فیقول مروا ابا بکر یصلی بالناس، فلما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نظرتُ فاذا الصلوٰۃ علم الاسلام و قوام الدین، فرضینا لدنیا نامن رضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لدیننا،

فبایعنا ابابکر (۲۵)

رسول اللہ ﷺ چند شب و روز علیل رہے، اس زمانے میں جب نماز کے لئے آپ کو بلایا جاتا تو فرماتے کہ ابوبکر کو حکم دو کہ نماز کی امامت کریں۔ سو جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا۔ میں نے غور کیا کہ نماز اسلام کا علَم اور دین کا قوام (خمیر مایہ) ہے۔ اس لئے ہم نے اپنے دنیاوی امور کی سربراہی کے لئے اسی کو پسند کیا جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے ہمارے دین (کی امامت) کے لئے پسند فرمایا۔ چنانچہ ہم نے (حضرت) ابوبکر کی بیعت کر لی۔

خلافت صدیقی کی جانب اشارہ نبوی

اسی علالت کے دوران میں آپ ﷺ نے لوگوں کو یہ حکم دیا:

لایبعتین فی المسجد باب الاسد، الاباب ابی بکر

مسجد (نبویؐ) میں جتنے بھی دروازے ہیں ان سب کو بند کر دیا جائے، مگر ابوبکر کا دروازہ کھلا رکھا جائے۔

علماء کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی جانب اشارہ ہے، کیونکہ خلیفہ ہونے کے بعد انھیں مسلمانوں کی امامت نماز کے لئے مسجد نبوی میں آنا ہوتا اس لئے وہ اپنے دروازے سے آسانی کے ساتھ آ سکتے تھے بصورت دیگر انہیں ایسا کرنے میں دقت ہوتی۔ سو آنحضرت ﷺ نے امامت صلوٰۃ کا حکم دے کر اور ان کے گھر کے دروازے کو بند نہ کر کے حضرت ابوبکر صدیق کی امامت و خلافت کی جانب واضح اشارہ فرما دیا (۲۶) اور صحابہ کرام کو اس ضمن میں کوئی شبہ بھی نہیں تھا، اس لئے رسول اکرم ﷺ نے یہ بھی فرما دیا کہ اللہ اور مومنین ابوبکر کے سوا کسی اور کو خلیفہ بنانا پسند نہ کریں گے

استقامت

پھر جب امت پر وہ سخت وقت آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے پردہ فرمایا اور مسلمان

حیران و پریشان مسجد نبویؐ میں حد درجہ اضطراب کے عالم میں جمع تھے اور حضرت عمر فاروق جیسا عظیم انسان یہ کہہ رہا تھا کہ "منافق کہتے ہیں رسول اللہ (ﷺ) نے وفات پائی، واللہ انھوں نے وفات نہیں پائی ہے بلکہ اپنے رب کے پاس حضرت موسیٰ کی طرح گئے ہیں اور انہیں کی طرح پھر واپس آئیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جو کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی۔" حضرت ابوبکر صدیق اس وقت اپنے سنخ کے گھر میں تھے جو مدینہ سے کئی میل کے فاصلہ پر تھا، آپ کو وہیں اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع ملی، آپ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مسجد نبوی میں آئے، یہاں کے حالات سے یکسر متاثر ہوئے بغیر وہ حجرہ مبارک میں گئے، چہرہ اقدس سے چادر اٹھائی، جبین اقدس کو چوما اور رو کر کہا:

بابی انت، وامی طبت، حیاً و میتاً، والذی نفسی بیدہ لایذیقك اللہ موتیتن ابداً، اماالموتة التی کتب اللہ علیك فقد متّها۔

آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، آپ حیات میں بھی اور وفات دونوں ہی میں پاک ہیں۔ جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقدر فرمائی تھی اس کا ذائقہ آپ نے چکھ لیا۔

اس کے بعد وہ مسجد نبویؐ میں آئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

الامن کان یعبد محمداً فانّ محمداً صلی اللہ علیه وسلم قدمات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت، (قال اللہ) "وما محمد الارسول قدخلت من قبله الرسل، افان مات اوقتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر اللہ شیاءً وسیجزی اللہ الشاکرین" (آل عمران ۱۴۴)

اے لوگو! جو شخص محمد کی پرستش کرتا تھا تو وہ سن لے کہ محمدؐ نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا تو وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے اور جو شخص برگشتہ ہو جائے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچائے گا اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب جزائے خیر دے گا۔

حضرت ابوبکر صدیق کی اس تقریر سے لوگوں کی حیرت ختم ہوگئی امر واقعہ ان پر منکشف ہوگیا اور لوگوں نے جان لیا کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی (۲۷) ایسے جاں فرسا اور کٹھن وقت پر یہ حضرت صدیق اکبر کی فراست ایمانی ہی تھی جس نے صحیح صورت حال کو بھانپا اور مسلمانوں کی راہ نمائی کی کیونکہ وہی مسلمانوں کی سربراہی اور رسول اکرم کی نیابت کے مستحق تھے۔

ان واقعاتی شہادتوں کی بناء پر جن کا صرف اجمالی بیان سطور ماسبق میں پیش کیا گیا، یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اصحاب رسول پاک میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک نمایاں اور اعلیٰ و ارفع مقام حاصل تھا، ایک ایسا مقام جس میں کوئی ان کا سہیم و شریک نہ تھا اس لئے ان کے ہوتے کسی اور کی خلافت و امامت کا انعقاد ممکن نہیں تھا۔ اپنی خدمات اسلام، اپنی فراست ایمانی اور اپنی نرم گفتاری کے سبب انہیں رسول مکرم ﷺ کی نگاہ میں اور صحابہ کرام کے حلقوں میں ایسی وقعت و مقبولیت حاصل تھی کہ ان کے سوا کسی اور کے آگے سر اطاعت خم کرنا کبار صحابہ، عامۃ المسلمین، اعراب و روسائے قبائل کے لئے ممکن نہ تھا۔ اسی حقیقت کی عکاسی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے:

ولیس منکم من تقطع الیه الاعناق مثل ابی بکر۔(۲۸)

اور تم میں کوئی اور (حضرت) ابوبکر جیسا نہیں ہے جس کے پاس لوگ دور دراز کا سفر طے کر کے آئیں۔

کارنامہ ہائے خلافت

ان واقعاتی شہادتوں کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کارنامہ ہائے خلافت پر ایک نگاہ ڈالنے سے اس بات کی توثیق ہو جاتی ہے کہ وہ بجا طور پر خلافت نبوی

کے مستحق تھے۔ اور صحابہء کرام نے جو انہیں اپنا امام اور رسول اکرم ﷺ کا خلیفہ و جانشین منتخب کیا تھا تو ان کا یہ فیصلہ درست و صحیح تھا۔ ان کے استحقاق کا دعویٰ محض دعویٰ نہیں ہے بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی صداقت پر واقعات پیش آمدہ نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات میں استحقاق و استقرار دونوں ہی باتیں مجتمع ہوگئیں۔ وہ امت محمدیؐ کے افضل فرد تھے، ان کی خدمات اسلام، محبت رسول، فراست ایمانی اور اعلیٰ اخلاقی صفات نے انہیں صحابہ کی صفوں میں سب سے ممتاز بنا دیا اور انھوں نے اپنے کارناموں سے اس امتیاز کو ممتاز تر اور اس شرف کو اشرف و ارفع کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب منصب خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو دنیائے اسلام کی کیا حالت تھی؟ یمن میں اسود عنسی اور یمامہ میں مسیلمہ کذاب جیسے فتنہ پرور مدعیان نبوت اور ان کے ہم خیالوں کی بھاری جمعیتیں بغاوت و فساد کی آگ بھڑکا رہی تھیں۔ بحرین، حضر موت اور سارا جنوبی عرب باغی قبائل کی گرفت میں تھا۔ وسطی و شمالی عرب کے قبائل بھی اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے سرگرم عمل تھے چنانچہ بنی اسد اپنے جھوٹے نبی طلیحہ کی سرکردگی میں اسلام کے مرکز مدینہ پر یلغار کی تیاریاں کر رہے تھے، غرض عرب کے آسمان و زمین اسلام کے ماننے والوں پر تنگ اور یہاں کا بہت بڑا گروہ اہل ایمان کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا تھا۔ صرف مدینہ، مکہ اور طائف کے لوگ اور بعض چھوٹے چھوٹے غیر مؤثر گروہ اسلام کے زیر اثر رہ گئے تھے۔ یہ خیال کرنا حقائق سے انکار کے مرادف نہ ہوگا کہ اگر انصار مدینہ میں سے کسی کو یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چن لیا جاتا تو قریش مکہ ان کی سیادت و امارت کو قبول نہ کرتے اور طائف کے بنو ثقیف جو قریش مکہ کے ہم نوا تھے وہ بھی قریش کی آواز میں آواز ملا کر اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتے اور اسلام صرف مدینہ میں محدود ہو کر رہ جاتا اور مدینہ کی اس محدود نفری سے سارے عرب میں لگی ہوئی بغاوت کی آگ کو بجھانا ممکن نہ ہوتا۔ باغی عربوں کی اس شورش کی سنگینی کا یہ عالم تھا کہ اکابر صحابہ میں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک کی یہ رائے تھی کہ مانعین زکوٰۃ کے

ساتھ رعایت برتی جائے اور ان سے زکوٰۃ کی وصولی موقوف کردی جائے۔ اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اس سیلاب بلا میں ہمت ہار کر ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتا اور امت محمدیہ کی کشتی عیاذاً باللہ غرق ہو جاتی، یا پھر حالات سے مفاہمت کرنے کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو جاتا اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے بعض قبائل کو مستثنیٰ کرنا پڑتا، پھر کسی منکر قبیلہ کو نماز کی ادائیگی سے، کسی اور کو روزے کی بجا آوری سے مستثنیٰ قرار دینا پڑتا اور اسلام اپنے آغاز ہی میں دم توڑ دیتا۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عزم صمیم، یقین محکم اور قوت ایمانی تھی جس نے اصولوں پر کوئی مفاہمت نہ کی وہ باطل کے خلاف سینہ سپر ہو گئے اور طوفان بلا میں سیلاب حوادث سے کشتی اسلام کو صحیح سلامت ساحل نجات پر لا کھڑا کیا۔ (۲۹) اگر حضرت صدیق اکبر نے صرف یہی ایک خدمت انجام دی ہوتی تو ان کا استحقاق خلافت ثابت و محقق ہو جاتا مگر ان کی خدمات کا سلسلہ دراز ہے۔ اسلام دشمن قوتیں عرب کے باہر گھات لگائے بیٹھی تھیں اور اسے کچل دینے کے لئے بیقرار اور موقع کی منتظر تھیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق تھے جن کی نگاہ دور بین نے روم وایران کے خطروں کو تاڑ لیا اور ان کا سد باب ہی نہیں کیا بلکہ شام و عراق پر پیش قدمی کر کے رومیوں اور ایرانیوں کو دفاعی جنگیں لڑنے پر بھی مجبور کر دیا۔ (۳۰)

فتنوں کا سد باب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کتاب مناقب کے صرف یہی دو باب نہیں ہیں، بلکہ بنو ساعدہ کے سقیفہ میں انصار کو بحث وتمحیص سے قائل کر کے انھوں نے اس فتنہ کا دروازہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا کہ "امنا امیر و منکم امیر" یعنی مسلمانوں کا ایک سربراہ انصار میں سے ہو اور دوسرا مہاجرین میں سے۔ یہ تجویز اسلام کی وحدت اور بحیثیت ملت اہل ایمان کے وجود کو از خود ختم کر دیتی اور آنحضرت ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی اسلام انتشار کا شکار ہو کر فنا ہو جاتا۔ (۳۱)

جمع قرآن

قرآن کو ایک مصحف میں جمع کر دینے اور اس کی تدوین وحفاظت کی خدمت بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات سے وابستہ ہے۔ اس قرآنی ارشاد کی کہ "ہم نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت بھی کریں گے (۳۲) (انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون (الحجر۔۹)) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں تعمیل ہوئی۔ اسی طرح ناموس رسول ﷺ کی جو جھوٹے دعوے داران نبوت کے ہاتھوں پامال ہونے والی تھی حفاظت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نے کی۔ غرض اپنے دور خلافت میں اپنے گوناگوں کارناموں، عہد نبوی میں اپنی شاندار خدمات اور بحیثیت مجموعی اپنے خصائل ومحاسن، ایثار وفدائیت اور فراست وعزم کے سبب منصب خلافت کو ان کی ذات سے افتخار ہے اور ان جیسا افضل واشرف خلیفہ کوئی ہوا بھی نہیں۔

ہم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے استحقاق خلافت کے بیان واثبات میں روایات سے بھی بحث کر سکتے تھے اور ہم روایات سے ان کی افضلیت کے باب میں کسی قدر استناد بھی کریں گے، مگر تاریخ کے طالب علم کی نگاہ میں واقعاتی شہادتیں اور پھر عملی تصدیقات کو زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ کسی کی عظمت، احقیت وافضلیت کا معیار، زبانی اقوال و بیانات سے زیادہ اس کی خدمات وافعال، کو سمجھا جاتا ہے۔ یہی سبب ہے جس کی بناء پر ہم نے روایتی طرز استدلال ومعیار فضلیت سے صرف نظر کر کے صرف واقعاتی شہادتوں اور کارناموں کو استحقاق کا پیمانہ ٹھہرایا ہے اور اس معیار پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی اور پورا نہیں اترتا۔

(ب) ملکی نظام

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے، مطلق العنان حکم راں نہ تھے۔ اس بنا پر وہ اپنے احکام وفرامین میں مختار مطلق نہ تھے کہ ہوائے نفس کے مطابق جو حکم چاہیں دیں، نہ قرآن وسنت نبویؐ کا تتبع کریں اور نہ شوریٰ ہی سے استصواب کریں۔ قاعدہ یہ تھا کہ ان کے سامنے جو نئے مسائل وامور آتے، وہ پہلے ان سے متعلق قرآن سے رجوع کرتے اور اگر اس میں ان کا حل نہ ملتا تو احادیث نبویہ وسنت رسول ﷺ کا استقصاء فرماتے اور یہاں بھی مسائل پیش آمدہ کا حل نہ ملتا تو اجتہاد سے کام لیتے اور اس کے لئے کبار صحابہ سے مشورے کرتے۔ یہ مشورہ کبھی مخصوص صحابہ کرام سے کرتے اور کبھی مدینہ میں موجود تمام صحابہ سے کیوں کہ خلافت کی روح اور ملوکیت سے مابہ الامتیاز یہی مشورہ ہے۔ (۳۳)

مجلس شوریٰ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت مختصر ہے، اس بناء پر تصفیہ طلب مسائل کے حل کے لئے مجلس شوریٰ کے اجلاس کے مواقع کم ہی پیش آئے، مگر چند ایسے اہم مسائل ضرور اٹھے، کہ امت کے لئے موت وزیست کے بمنزلہ تھے اور خلافت راشدہ کی تاریخ ہی میں نہیں، بلکہ اسلام کی تمام تاریخ میں ایسے نازک مواقع کم ہی آئے ہوں گے۔ ان مواقع پر صحابہ کی مجلس مشاورت کا انعقاد ہوا۔ مثلاً جیش اسامہ کی روانگی یا اس کے التواء کا مسئلہ۔ صحابہ میں سے کبار صحابہ کی رائے تھی کہ رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد عرب میں اسلام کے خلاف شور قیامت برپا ہے، نوزائیدہ اسلام اپنے عہد کے بدترین بحران سے دوچار ہے، اسلام کی صیانت وحفاظت کی ذمہ داری مدینہ کے انہیں مسلمانوں پر ہے۔ اگر انہیں بھی سرحدات شام کی جانب روانہ کر دیا گیا، تو مدینہ کی حفاظت اور اسلام کے دفاع کی کوئی اور صورت نہ رہ جائے گی۔ سو جیش اسامہ کی روانگی ملتوی کر دی جائے اور فتنہ ارتداد کے فرو ہو جانے کے بعد، اسے روانہ کیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اس تجویز کی اس بناء پر

مخالفت کی کہ اس سے حکم رسول کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور مسلمانوں کے امیر کو اپنے دور امارت کے آغاز ہی میں رسول اکرم ﷺ کی حکم عدولی کر کے ایک بری مثال قائم نہیں کرنی چاہئے (۳۴)، اس کے علاوہ حُبّ رسول جو ان کے رگ وریشہ میں سرایت کیے ہوئے تھی، اس کا بھی اقتضاء تھا کہ ہادی برحق کے آخری حکم کی تعمیل اسی عقیدت کے ساتھ کی جائے، جیسی کہ ان کی حیات دینوی کے وقت کی جاتی تھی، پھر حضرت ابوبکر صدیق کا ایمان تھا کہ نبی کا کوئی عمل مشیت ایزدی کے برخلاف نہیں ہوتا۔ سو جیشِ اسامہ کی تیاری اور اس کی روانگی کا حکم بھی منشاءِ الٰہی کے عین مطابق تھا اور اللہ و رسول کی نافرمانی اولوالامر کے لئے جائز نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق کے استدلال اور ان کے عزم مصمم کے سامنے جیشِ اسامہ کے موخر کرنے کی تجویز منظور نہ ہوئی اسی طرح مانعین زکوٰۃ کے ساتھ نرمی برتنے کی رائے جو حضرت عمر فاروق جیسے سخت بزرگ نے دی تھی، اور دوسرے اصحاب بھی ان کے ہم خیال تھے، حضرت ابوبکر صدیق کے اس استدلال کے آگے شرف قبولیت حاصل نہ کر سکی کہ زکوٰۃ کے ساقط کیے جانے سے دین میں نقص پیدا ہوگا اور ان کی حین حیات ایسا نہیں ہو سکتا، پھر صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں تفریق کرنے والوں کو وہ برسر باطل سمجھتے تھے، آخر دوسرے اصحاب نے جو ابتداء میں مانعین زکوٰۃ کے ساتھ نرم حکمت عملی کے حامی تھے، اپنی رائے سے رجوع کیا اور حضرت ابوبکر کی رائے کی اصابت و مصلحت سب پر عیاں ہو گئی۔ (۳۵) اسی طرح جمع قرآن کے مسئلہ میں وہ ابتداء میں جمع قرآن بین الدفتین کے خلاف تھے، لیکن بعد میں انھوں نے حضرت عمر فاروق کی رائے سے اتفاق کیا اور حضرت زید بن ثابت کو جمع قرآن کی خدمت پر مامور کیا (۳۶) خمس اور فئی میں جو اللہ، رسول اور ذوی القربیٰ کے سہام تھے، آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد ان کا سوال بھی اٹھا۔ صحابہ کی تین رائیں تھیں۔ بعض کا خیال تھا کہ انہیں قرابت داران رسول کو دیا جانا چاہئے، کچھ کی رائے تھی کہ ان کو خلیفہ وقت اور ان کے اہل خاندان کی جانب لوٹا دینا چاہئے، جب کہ ایک جماعت کی رائے تھی کہ ان سہام کو مسلمانوں کے عمومی عسکری مصالح میں صرف کرنا چاہئے۔ اسی تیسری رائے پر اتفاق

ہوا اور اس کے مطابق عمل کیا گیا۔ (۳۷)۔ شوریٰ کی ایک صورت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نامزدگی میں بھی نظر آتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اس سلسلہ میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو کچھ نے ان کی تائید کی جب کہ بعض دوسروں نے اس استخلاف کی مخالفت کی۔ حضرت ابوبکر صدیق کے استدلال اور اس نامزدگی کی درستی کے متعلق ان کے خطاب کے بعد صحابہ کرام نے اس سے اتفاق کیا اور مشورہ باہمی سے حضرت عمر فاروق کا منصب خلافت پر تقرر ہوا (۳۸)

شوریٰ کے سلسلہ میں ایک نکتے کی اور وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کی یہ شان بتائی گئی ہے کہ ☆ "وامرهم شوریٰ بينهم" (شوریٰ ۳۸) یعنی ان کے معاملات آپس کے مشورے سے طے پاتے ہیں۔ بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ اہل شوریٰ کا مشورہ خلیفہ کے لئے صرف سفارش کی حیثیت رکھتا ہے، ان مشوروں پر عمل کرنا یا نہ کرنا خلیفہ کی اپنی صواب دید پر موقوف ہے۔ وہ اس ضمن میں قرآن مجید کی ایک دوسری آیت پیش کرتے ہیں کہ "وشاورهم فی الامور فاذا عزمت فتوكل على الله" (آل عمران۔ ۱۵۹) اور (اے رسول) آپ مسلمانوں سے (دنیوی) معاملات میں مشورہ کریں، لیکن جب کسی رائے پر آپ کا ارادہ پختہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کر کے (اس پر عمل کیجئے)۔ مگر یہاں اللہ کا خطاب سرور کائنات ﷺ سے ہے اور آپ کے لئے مشورہ پر عمل کرنا یا اسے نظر انداز کر دینا، جائز ہے کہ یہ منصب نبوت کا امتیاز خصوصی ہے جب کہ خلفاء کو یہ شرف حاصل نہیں ہے۔ خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تعامل سے یہ پتا چلتا ہے کہ شوریٰ کے اجلاس میں انھوں نے دو موقعوں پر صحابہ کی رائے سے اتفاق کیا اور وہی رائے معمول بہ بھی ہوئی اور جن مواقع پر انھوں نے صحابہ سے اختلاف کیا وہاں قوی دلیل سے ان کو معقول کیا، چنانچہ صحابہ نے ان کی رائے کی اصابت کو تسلیم کیا اور واقعات نے بھی ان پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس بناء پر ہماری رائے میں مجلس شوریٰ کی حیثیت محض سفارش کرنے والی مجلس کی نہیں ہے، بلکہ ایک با اختیار ادارے کی حیثیت اسے حاصل ہے اور قوی

استدلال سے قائل کئے بغیر خلیفہ کو اپنی رائے منوانے کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح ارباب شوریٰ کو بھی استدلال کے بدون اپنی رائے کے مطابق خلیفہ کو کاروائی کرنے پر مجبور کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ارباب شوریٰ

یوں تو ہر صحابی اور ہر مسلمان کو جو بحث وتمحیص کے وقت مسجد نبویؐ میں موجود ہوتا مشورہ میں شریک ہونے کا حق حاصل تھا۔ مگر جو لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشورہ میں بطور خاص شریک ہوتے تھے ان میں حضرات عمر، عثمان، علی، عبدالرحمان بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی آتے ہیں (۳۹)

انتظامی وحدتیں

حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں ہر چند کہ عراق وشام پر فوج کشی کی جا چکی تھی اور عراق کا ایک بڑا حصہ فتح بھی ہو چکا تھا و نیز شام کے کچھ علاقے بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے تھے، لیکن عرب کے سوا کسی اور علاقے میں باقاعدہ حکومت قائم نہ ہوئی تھی، اس لئے ملکی نظم ونسق کے سلسلے میں جزیرہ نمائے عرب کے علاوہ کسی دوسرے علاقہ میں ولاۃ وعمال کے تقرر نہ ہو پائے تھے جن انتظامی وحدتوں میں والیوں کا تقرر کیا گیا انہیں عہد حاضر کی اصطلاح میں صوبہ نہیں کہا جا سکتا، بلکہ خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب ملکی انتظامیہ کی ساخت ہوئی، عہد نبویؐ وصدیقی کے بہت سے انتظامی خطوں کو بڑے خطوں میں ضم کر دیا گیا، بہرکیف حضرت ابوبکر صدیق کے دور میں عرب کو جن انتظامی اکائیوں میں تقسیم کیا گیا تھا، ان کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے (۴۰):

۱۔ مدینہ: یہ مرکز خلافت تھا اور براہ راست حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زیر انتظام تھا

۲۔ مکہ: یہاں کے والی حضرت عتاب بن اسید اموی تھے جنہیں اس منصب پر عہد نبویؐ میں فائز کیا گیا تھا

۳۔ طائف: یہاں کے والی حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی تھے۔ یہ بھی عہد رسالت سے یہاں کے والی چلے آرہے تھے

۴۔ صنعاء: (یمن) حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی یہاں کے والی تھے، یہ عہد نبوی، میں کندہ کے والی تھے اور صنعاء کے والی خالد بن سعید تھے

۵۔ جَنَد: یہاں کے والی حضرت معاذ بن جبل تھے۔ عہد رسالت میں بھی جند کے والی یہی تھے۔

۶۔ نجران: یہاں کے والی حضرت جریر بن عبداللہ بجلی تھے، عہد نبویؐ میں یہاں کے والی عمرو بن حزام انصاری اور ان کے بعد والی ابوسفیان تھے۔

۷۔ خولان: اس کے والی حضرت یعلیٰ بن منیہ تھے۔

۸۔ رِمَع (یمن کا ایک مقام): حضرت ابوموسیٰ اشعری یہاں کے والی تھے یہ عہد رسالت میں بھی یہاں کے والی تھے۔

۹۔ زُبید (یمن کا ایک مقام) اس کے والی بھی حضرت ابوموسیٰ اشعری ہی تھے جو عہد نبویؐ میں بھی یہاں کے والی تھے۔

۱۰۔ بحرین: حضرت علاء بن حضرمی یہاں کے والی تھے۔ عہد نبویؐ میں پہلے بھی یہاں کے والی تھے، پھر حضرت ابان بن سعید اموی کو بحرین کا والی مقرر کیا گیا، عہد صدیق میں اہل بحرین کی درخواست پر حضرت علاء بن حضرمی کو یہاں کا والی دوبارہ مقرر کیا گیا۔

۱۱۔ حضرموت: یہاں کے والی حضرت زیاد بن لبید انصاری تھے۔ عہد رسالت میں بھی یہی حضرموت کے والی تھے۔

۱۲۔ جُرش: یہاں کے والی حضرت عبداللہ بن ثور تھے۔ عہد نبویؐ میں یہاں کے والی حضرت ابوسفیان تھے۔

۱۳۔ دومۃ الجندل: حضرت عیاض بن غنم فہری یہاں کے والی تھے۔

سطور بالا میں جن والیوں کے نام مذکور ہیں، ان میں سے صرف دو افراد ایسے ہیں، جو عہد نبوی، میں کسی عہدے پر فائز نہ تھے یعنی حضرت یعلی بن منیہ والی خولان (یمن) اور حضرت عبداللہ بن ثور والی جرش۔ جہاں تک دومۃ الجندل کا تعلق ہے تو وہ عہد نبویؐ میں اس کے اصل حاکم اکیدر کے قبضے میں رہنے دیا گیا تھا عہد صدیقی میں اس کے ارتداد کے بعد اس پر مکمل قبضہ ہوا۔ (۴۱) ان کے علاوہ بقیہ حضرات رسول اکرم ﷺ کے دور میں بھی مختلف علاقوں کے حاکم و والی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو یا تو ان کے پرانے عہدوں پر باقی رکھا، یا پھر ضروری ردوبدل کر کے انھیں نئے مقامات پر تعینات کیا (۴۲)

عمال کے تقرر کے اصول

حضرت ابوبکر صدیق حکومت کے عہدہ داروں کے تقرر کے وقت اس بات کا بطور خاص خیال رکھتے تھے کہ ایسے لوگوں کو مقرر کیا جائے جو رسول اکرم ﷺ کے عہد میں کسی منصب پر فائز رہے ہیں، اسی لئے انھوں نے زیادہ تر عہد نبویؐ کے عمال و ولاۃ کو ان کے عہدوں پر بحال رکھا اور جہاں نئے لوگوں کا تقرر فرمایا وہاں اس امر کو ملحوظ رکھا کہ یہ لوگ سابق الاسلام ہوں اور اس کے ساتھ ہی اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک بھی ہوں۔ چنانچہ ان کے عہد میں قریب قریب سبھی تقرر اچھے اور کارگزار لوگوں کے ہوئے۔ تقرر میں ذاتی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کے بجائے صرف صلاحیت ان کے پیش نظر ہوتی تھی۔ اقرباء پروری یا احباب نوازی سے انھوں نے ہمیشہ احتراز کیا، بلکہ جن لوگوں کو عہدے دیئے انھیں بھی اقرباء نوازی سے باز رہنے کا حکم دیا (۴۳)۔ اسی طرح عمال کے تقرر میں وہاں کے باشندوں کی رائے کا بھی احترام کرتے تھے۔ مثلاً بحرین میں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں حضرت علاء بن حضرمی والی تھے، پھر آپ نے انھیں ہٹا کے حضرت ابان بن سعید کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ بعد ازاں فتنہ ارتداد کے وقت وہ بھی بحرین سے چلے آئے۔ بحرین کے

دوبارہ اسلامی قبضے میں آنے کے بعد وہاں کے لوگوں نے یہ درخواست کی کہ حضرت علاء بن حضرمی کو وہاں کا والی مقرر کیا جائے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق نے ایسا ہی کیا (۴۴)

عمال کا محاسبہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے عمال کی نگرانی کرتے اور ان کی غلطیوں پر انہیں سخت تنبیہ کرتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید جیسے عظیم سپہ سالار بھی ان کی اس تنبیہ سے نہ بچ سکے، چنانچہ جب وہ عراق میں حیرہ کی مہم سے ایک طوفانی دورے کے ذریعہ بلا اجازت حج ادا کر کے مکہ سے حیرہ واپس گئے تو حضرت ابوبکر صدیق نے انہیں اس پر سخت فہمائش کی۔ (۴۵) اسی طرح حضرت عکرمہ کو عجلت میں اہل یمامہ کے خلاف جنگ چھیڑنے اور نتیجے میں پسپا ہونے پر نہایت سختی سے ڈانٹا۔ (۴۶) حضرت خالد بن سعید کو بھی شام کے محاذ پر بے احتیاطی سے دشمن کے ملک میں گھس جانے اور پھر شکست کھانے پر سختی کے ساتھ ڈانٹا (۴۷)۔ غرض عمال پر ان کی کڑی نگاہ رہتی تھی اور ان کی غلطیوں پر ان سے سخت باز پرس فرماتے تھے۔

عمال کے فرائض

حضرت ابوبکر صدیق کے دور میں حکومت کے مختلف محکموں کی علیحدہ علیحدہ درجہ بندی نہیں ہوئی تھی اس لئے ان کے عمال، حکومت سے متعلق قریب قریب جملہ امور کی انجام دہی کے ذمہ دار تھے۔ وہ فوج کے افسر اعلیٰ بھی تھے۔ مالیات کے امور بھی انہیں سے متعلق تھے اور مالیہ کی وصولی بھی انہیں کے ذمہ تھی، قضا، وعدلیہ کے معاملات بھی وہی انجام دیتے تھے اور اپنے علاقے کی مجموعی فلاح و بہبود بھی انہیں کے ذمہ تھی۔ ان گوناگوں فرائض کے باوجود عہد صدیقی کے عمال مستبد نہ تھے، ان پر خلافت مآب کی جانب سے سخت قدغن ہوتی تھی اور وہ اپنے اعمال میں امیر المومنین کے حضور جوابدہ تھے۔

دوسرے عہدہ دار

انتظامی وحدتوں (صوبوں) کے والیوں کے علاوہ، کچھ اور لوگ بھی مختلف عہدوں پر فائز کئے گئے تھے اور ان کے ذمے مختلف نوعیتوں کے فرائض تھے۔ مثلاً قبائل سے صدقات کی وصولیابی کے لئے عمال کا تقرر کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص اور حضرت ولید بن عقبہ کو قبیلۂ قضاعہ پر عامل و محصل صدقات مقرر کیا گیا (۴۸)

مرکز حکومت

مدینہ مرکز خلافت تھا۔ یہیں خلیفۂ اسلام کا قیام تھا اور یہیں مجلس شوریٰ کے ارکان رہتے تھے۔ مدینہ ہی ہر قسم کی سیاسی، مالی، عسکری و مذہبی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہیں سے تقرری و معزولی کے احکام جاری ہوتے تھے اور یہیں صلح و امن کے معاہدے تحریر کئے جاتے تھے۔ ان سب کاموں کے لئے ایک مرکزی دفتر اپنی ابتدائی حالت میں مدینہ میں اسی طرح موجود تھا جیسا کہ جناب رسول اکرم ﷺ کی حیات پاک میں تھا۔ عہد صدیقی میں حسب سابق مسجد نبوی کی حیثیت ایوان خلافت کی تھی، یہیں خلیفہ کے اجلاس ہوتے تھے، یہیں مجلس شوریٰ کے جلسے منعقد ہوتے تھے، یہیں مقدمات کے تصفیے کئے جاتے تھے اور یہیں امراء عساکر، وفود قبائل اور محصلین صدقات آتے تھے غرض تمام امور خلافت یہیں انجام پذیر ہوتے تھے۔

وزیر

اس حکومت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وزیر کی حیثیت حاصل تھی گو وہ باقاعدہ طور پر منصب وزارت سے سرفراز نہ تھے اور نہ باضابطہ طور پر وزارت کے عہدے کا قیام اس عہد میں عمل میں آیا تھا کیونکہ اسلام میں ایک ادارہ، حکومت کی حیثیت سے وزارت کا آغاز خلافت عباسیہ سے پہلے نہ ہوا تھا، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بالعموم وزیر کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا اور یہ حیثیت انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شراکت

میں عہد نبوی ﷺ میں بھی حاصل تھی (۴۹)

افسر مالیات

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو عہد صدیقی میں افسر مالیات کا درجہ حاصل تھا اور جملہ مالی امور کا انتظام و انصرام انھیں کی ذات سے وابستہ تھا (۵۰)

قاضی

قاضی کے منصب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فائز تھے۔ روایتوں میں مذکور ہے کہ ان کے دور قضاء میں کوئی مقدمہ ان کی ہیبت وجلالت شان کے باعث پیش نہ ہوا۔ (۵۱) ہمارے خیال میں مقدمات کے عدم اندراج کا سبب' ہیبت فاروقی سے زیادہ اس مقدس زمانے کے لوگوں کا حسن معاملہ' صدق مقال وتقویٰ تھا' جس کی وجہ سے ان کے مابین ذاتی نزاع پیدا نہ ہوتی تھی۔

کاتب

عہد جدید کی اصطلاح میں کاتب کو حکومت کا سکریٹری کہنا چاہیئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نظام دیوان قائم نہ ہوا تھا' لیکن سرکاری احکام و فرامین کی تحریر' معاہدوں کی ترقیم اور دوسرے تحریری کاموں کے لئے کچھ حضرات مخصوص تھے۔ کتابت کی خدمت پر حضرت عبداللہ بن ارقم عہد نبوی ﷺ سے مامور تھے' چنانچہ عہد صدیقی میں بھی ان کے سپرد یہ خدمت تھی۔ ان کے علاوہ حضرات عثمان' علی و زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ان حضرات کی عدم موجودگی میں جو صاحب حاضر ہوتے تحریر کا کام وہی کر دیتے تھے (۵۲)

افتاء

قانون کی پابندی پر ہر مذہب اور ہر نظام سیاست میں زور دیا گیا ہے' لیکن قانون

سے واقف کرانے کا اہتمام کہیں نظر نہیں آتا اور اس پر یہ قدغن بھی لگائی جاتی ہے کہ قانون سے عدم واقفیت ارتکاب جرم کے لئے کوئی جواز اور مجرم کے لئے معافی کا باعث نہیں ہے۔ یہ ایک بڑی مخمصہ کی کیفیت ہے جس سے ہر قانون کی پابندی کرنے والا دوچار ہو سکتا ہے۔ اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے جہاں قانون کی پابندی کی سخت تاکید کی ہے' وہیں لوگوں کو قانون سے آگہی حاصل کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے۔ ادارہ افتاء اسی ضرورت کو پورا کرتا ہے اور مفتیان شرع اسی خدمت کو سرانجام دینے کے مکلف ہیں۔ چنانچہ عہد نبوی میں بھی بعض فاضل صحابہ کرام خدمت افتاء پر مامور تھے اور عہد صدیقی میں بھی کبار صحابہ مثلاً حضرات عمر' علی' عبداللہ بن مسعود' زید بن ثابت' ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم افتاء کی خدمت انجام دیتے تھے اور مسائل پیش آمدہ میں لوگ انھیں سے رجوع کرتے اور فتویٰ حاصل کرتے تھے (۵۳)

عمال حکومت کو ہدایات

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے عمال اور عسکری سربراہوں کو ان کے تقرر کے وقت بالعموم نصیحتیں فرماتے تھے۔ ان نصائح و ہدایت کا تعلق حسن خلق' خشیت الٰہی' حسن سلوک اور ادائیگی فرض سے ہوتا تھا۔ مثلاً حضرت عمرو بن عاص اور حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہما کو قضاعہ کے قبائل پر عمال زکوٰۃ مقرر کرتے وقت دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی ہدایت کی:

اتق اللہ فی السرو العلانیة ' انك فی سبیل من سبل اللہ ' لایسعلك فیه الا دهان والتفریط والغفلة عمافیه قوام دینكم وعصمة امركم ' فلاتنِ ولاتفتر (۵۴)

ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرو۔ تم اللہ کے راستوں میں سے ایسے راستہ میں ہو جس میں مداہنت' تفریط اور غفلت کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور جس میں دین کا استحکام اور خلافت کی عزت ہے۔ تو تم سستی اور کاہلی اختیار نہ کرنا۔

اسی طرح حضرت یزید بن ابی سفیان کو شام کی جانب دستہ فوج کے ساتھ روانہ کیا تو انھیں من جملہ دوسری ہدایات کے یہ بھی ہدایت کی:

ومن اعطیٰ احدا حمی اللہ فقد انتهك فی حمی اللہ شیئا بغیر حقه ' فعلیه لعنة اللہ (۵۵)

اور جو شخص کسی کو اللہ کی چراگاہ دے (یعنی کوئی عہدہ دے) اور وہ شخص بغیر کسی حق کے اس میں محرمات کا ارتکاب کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔

انھیں یزید بن ابی سفیان کو جو تفصیلی ہدایات دی تھیں ان میں جن باتوں کی بطور خاص تاکید فرمائی تھی وہ یہ ہیں:

۱۔ جاہلیت کی باتوں سے بچو کیونکہ اللہ انھیں ناپسند کرتا ہے۔
۲۔ اپنے ماتحتوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آؤ۔
۳۔ اگر انھیں نصیحت کرو تو اس میں اختصار سے کام لو۔
۴۔ اپنے نفس کی اصلاح کرو تو لوگ تم سے مطمئن رہیں گے۔
۵۔ نمازیں نہایت خشوع و خضوع سے ادا کرو۔
۶۔ جب دشمن کے قاصد تمھارے پاس آئیں تو ان سے عزت کے ساتھ پیش آؤ' انھیں اپنے لشکر میں کم سے کم ٹھہراؤ تا کہ وہ تمھارے حالات سے واقف نہ ہوں' اپنے ماتحتوں کو ان قاصدوں سے بات چیت کی اجازت نہ دو بلکہ خود ان سے گفتگو کرو۔
۷۔ اپنے راز کسی پر افشا نہ کرو ورنہ امور مختل ہو جائیں گے۔
۸۔ بات سچ کہو اور کوئی بات اپنے مشیر سے نہ چھپاؤ۔
۹۔ محافظوں کی تعداد بڑھاؤ اور وقتاً فوقتاً ان کی چوکیوں کا معائنہ کرتے رہو۔
۱۰۔ جو قصور وار ہو اسے سزا دینے سے نہ جھجکو مگر اس میں جلدی یا تعدی سے کام نہ لو۔
۱۱۔ لوگوں کے حالات سے غافل نہ ہو مگر غیر ضروری کرید سے بھی اجتناب کرو۔
۱۲۔ خیانت سے بچو کیونکہ خیانت فقر و مفلسی کا سبب ہے (۵۶)

یہ ہدایات صرف زبانی نہیں تھیں بلکہ قطع نظر اس کے کہ جن حضرات کو یہ ہدایات دی جاتی تھیں۔ وہ خود اعلیٰ کردار و اخلاق کے حامل تھے ان پر حضرت ابوبکر صدیق لوگوں کو سختی سے عمل بھی کراتے تھے اور ان کی خلاف ورزی برداشت نہ کرتے تھے۔

ضرورت مندوں کی کفالت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ضرورت مندوں کی خبر گیری اور ان کی کفالت کرتے تھے چنانچہ خلافت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اپنے پڑوس کی بے سہارا خواتین کی بکریوں کو دوہتے اور انکے روزمرہ کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے مدینہ کی بیواؤں میں موسم سرما میں گرم کپڑے تقسیم کرتے اور ضرورت مندوں کی مالی مدد کرتے تھے (۵۷)

ذمیوں کی خبر گیری

اسلام میں ذمیوں کے سماجی حقوق مسلمانوں کے مساوی ہیں' اس لئے عہد صدیقی میں انھیں یہ حقوق حاصل تھے۔ اس کے علاوہ بوڑھے' ضرورت مند اور بے زر ذمیوں کی کفالت اسلامی بیت المال سے کی جاتی تھی۔ اہل حیرہ کے ساتھ حضرت خالد نے جو معاہدہ صلح کیا تھا' اس میں دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی عہد کیا گیا تھا کہ:

ایماشیخ ضعف عن العمل او اصابته آفة من الآفات او کان غنیا فافتقر وصارا هل دینه یتصدقون علیه' طرحت جزیته وعیل من بیت مال المسلمین و عیاله مااقام بدار الهجرة و دار الاسلام (۵۸)

اگر کوئی ذمی بوڑھا ہو جائے اور کام کرنے کے قابل نہ رہے' یا کسی مصیبت سے دوچار ہو جائے یا وہ مالدار ہو پھر مفلس ہو جائے اور اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں' تو ایسے شخص سے جزیہ کی ادائیگی ساقط ہو جائے گی اور جب تک وہ مسلمانوں کی عملداری میں رہے گا اس کی اور اس کے اہل و عیال کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے کی جائے گی۔

یوں غیر مسلم رعایا کی مدد اور حاجت براری اسلامی حکومت کی ذمہ داری تصور کی جاتی تھی ہم نظام مال کی بحث میں ''جزیہ'' کے بیان میں اہل الذمہ (ذمیوں) کے حقوق اور اسلامی حکومت پر ان سے متعلق فرائض پر مزید گفتگو کریں گے۔

تنخواہ

عہد نبویؐ میں کسی خدمت کے عوض تنخواہ کا رواج نہ تھا۔ جس کے ذمہ جو کام سپرد کیا جاتا وہ دینی فریضہ سمجھ کر اسے انجام دیتا تھا۔ جناب رسول اکرم ﷺ نے سب سے پہلے جس کی تنخواہ مقرر کی وہ مکہ کے گورنر حضرت عتاب بن اسید اموی تھے۔ یہ تنخواہ کیا تھی محض علامتی رقم یعنی دو درہم روزانہ یا ۶۰ درہم ماہانہ تھی (۵۹) عہد صدیقی میں بھی ان کی یہی تنخواہ رہی۔ اس کے علاوہ محصلین صدقات کی اجرت جو مصارف زکوٰۃ کے سلسلہ میں مقرر ہے وہ بھی ضرور ادا کی جاتی تھی کہ احکام قرآنی کے مطابق تھی۔ فوج کی بھی کوئی تنخواہ نہ تھی۔ مال غنیمت کا خمس یعنی پانچواں حصہ نکال کر مجاہدین پر بقیہ مال تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس میں پیدل کو ایک اور سوار کو دو سے تین حصے دیئے جاتے تھے (۶۰) اسی طرح مرکزی بیت المال میں جو رقم آتی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کو تمام مسلمانوں میں کیا آزاد کیا غلام کیا آزاد عورت کیا باندی سب میں برابر تقسیم کر دیتے تھے چنانچہ آپ کی خلافت کے پہلے سال لوگوں کو سات سات درہم ملے اور دوسرے سال بیس بیس درہم (۶۱)

خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ابتداء میں کوئی تنخواہ نہ لیتے تھے۔ مگر جب حکومت کے کاموں کی وجہ سے تجارت کے لئے وقت نہ رہا تو انھوں نے مسلمانوں کے مشورے سے تنخواہ کے طور پر ایک رقم لینی شروع کی۔ پوری مدت خلافت میں یہ رقم چھ ہزار درہم ہوئی مگر انھوں نے اس قلیل رقم کو لینا بھی خلاف دیانت و تقویٰ سمجھا اور وصیت کی کہ ان کی زمین فروخت کر کے یہ رقم مسلمانوں کو واپس کر دی جائے۔ (۶۲) منصب خلافت کے تعلق سے ایک غلام، ایک اونٹ اور ایک کمبل (قطیفہ) ان کے پاس تھے سو وصیت کی کہ یہ بھی ان کے جانشین حضرت عمر فاروق کو واپس کر دیئے جائیں (۶۳)

(ج) عسکری نظام

فوج کی ضرورت

کسی ریاست کی سالمیت اور خود مختاری کے تحفظ کے لئے ایک ایسی عسکری قوت کا ہونا ضروری ہے، جو بوقت ضرورت اس کے دشمنوں کے حملوں اور فتنہ پردازوں کی بغاوتوں کا سد باب کر سکے۔ مدینہ کی اسلامی ریاست جن حالات میں وجود میں آئی وہ نہایت درجہ ناسازگار تھے۔ قریش مکہ، یہود مدینہ وخیبر اور قبائل عرب اسے صفحہ ہستی سے مٹا دینے اور آغاز ہی میں برباد کر دینے پر تلے ہوئے تھے۔ ان وجوہ کی بنا پر ایک ایسی فوج کے برپا کرنے کی جانب توجہ دینا نہایت ضروری تھا جو اسلامی ریاست کو مخالفوں کے حملوں سے محفوظ رکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم لا تعلمونهم ج الله يعلمهم ط (الانفال ۶۰)۔

اور تم لوگ جہاں تک ہو سکے قوت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان لوگوں کے مقابلے کے لئے مہیا رکھو، تا کہ اس کے ذریعہ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کر دو جن کو تم نہیں جانتے، مگر اللہ ان کو جانتا ہے۔

اس حکم قرآنی کے مطابق اہل ایمان کے لئے ایک فوج کی تیاری سامان جنگ کی فراہمی اور ایسی جنگی قوت حاصل کرنا اور اس میں اضافہ کرنا ضروری ہے جس سے اسلامی ریاست کے دشمن اس کے خلاف بیرونی حملوں اور اندرونی بغاوتوں اور سازشوں کی جرأت نہ کر سکیں ہنگامی حالت میں دشمن سے مقابلے کے لئے مسلمان بالکل مستعد ہوں اور کسی طرح کی غفلت نہ برتیں جس سے اسلام کے دشمنوں کو انھیں نقصان پہنچانے کا موقع مل جائے۔

جہاد کی غرض وغایت

اسلام میں جہاد کی غرض وغایت دین کا تحفظ' ملت اسلامیہ کے مال و آبرو کی حفاظت اور مملکت اسلامیہ کا استقرار و بقاء ہے۔ جہاد کشور کشائی اور توسیع پسندی کی جنگ نہیں ہے' بلکہ توسیع پسندوں اور جنگ مسلط کرنے والوں کے خلاف پرامن انسانیت کی شریفانہ جدوجہد ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان لوگوں سے قتال نہ کرنے کا حکم دیا ہے' جو ان سے جنگ کرنے سے باز آجائیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

فان اعتزلوا کم فلم یقاتلو کم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا (نساء ۹۰)

پس اگر یہ لوگ تم سے الگ ہو جائیں اور تم سے قتال نہ کریں اور تمہیں صلح کا پیغام دیں تو ایسے لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کوئی راستہ نہیں رکھا ہے۔

اسلام میں جہاد کی اجازت مخصوص حالات میں دی گئی ہے۔ مثلاً اگر کفار مسلمانوں کے خلاف حملہ کر دیں' تو مسلمانوں کو اپنے دفاع کی اجازت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین (بقرہ' ۱۹۰)

اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی دین کی حفاظت میں ان سے لڑو' مگر حد سے تجاوز نہ کرو' اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

جہاد کی اجازت اس صورت میں بھی دی گئی ہے' جب کہ کفار نے مسلمانوں سے کئے گئے معاہدوں کی خلاف ورزی کی ہو اور اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلو ائمة الکفر (توبہ' ۱۲)

اور جو یہ لوگ اپنے وعدوں کو توڑ دیں' تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔

جہاد برپا کرنے کی اجازت اس وقت بھی دی گئی ہے جب مسلمان مردوں' عورتوں اور بچوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

ومالکم لاتقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال و النساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریة الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنك ولیاواجعل لنا من لدنك نصیرا (نساء' ۷۵)

تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں' عورتوں اور بچوں کے لئے دشمنوں سے کیوں نہیں لڑتے جو عاجز آکر اللہ سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نجات دے جہاں کے رہنے والے ہم پر ظلم کر رہے ہیں اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی اور کسی کو ہمارا مددگار بنا۔

اسی طرح اگر کفار مسلمانوں کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ اپنا دین چھوڑ دیں تو ان کے خلاف اسلامی حکومت کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ جہاد شروع کر دے۔ ارشاد خداوندی ہے:-

وفلاتطع الکافرین وجاھد ھم بہ جھادا کبیرا (فرقان ۵۲)

کافروں کا حکم نہ مانو اور ان سے قرآن کی قوت سے بڑا جہاد کرو۔

جہاد کی ایک صورت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اگر اسلامی حکومت کو اس امر کا پتا چلے کہ کفار ان پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں' تو ان کی تیاری سے پہلے ہی ان پر حملہ کر کے ان کی قوت کو ختم کر دینا چاہئے۔ تاکہ فتنہ وفساد زیادہ پھیلنے نہ پائے اور اس کا ابتداء ہی میں سد باب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

فقاتل فی سبیل اللہ ولا تکلف الا نفسك وحرض المومنین عسی اللہ ان یکف باس الذین کفروا (نساء ۸۴)

پس اللہ کی راہ میں جنگ کیجئے۔ آپ صرف اپنی ذات کو تکلیف دیں اور مسلمانوں کو

جہاد کے لئے آمادہ کیجئے امید ہے کہ اللہ کافروں کے خوف کو روک دے۔

ان احکام قرآنی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاد کی غرض و غایت دین کا تحفظ' مسلمان عورتوں' بچوں اور کمزوروں کی جان و مال کی حفاظت اور مملکت اسلامیہ کو دشمنوں کے تسلط و غلبہ سے محفوظ رکھنا ہے یوں جہاد جارحیت نہیں' جارحیت کا دفاع ہے۔

عربوں کا طرز جنگ

اسلام سے پہلے عربوں کی منتشر زندگی کی طرح ان کا سیاسی نظام بھی منتشر تھا' اس لئے کسی باقاعدہ فوج کا عرب میں کوئی وجود نہ تھا۔ قبیلہ کے ہر فرد پر اپنی ذات اور اپنے متعلقین کی حفاظت کی ذمہ داری تھی' اس کے ساتھ قبیلہ کے وقار اور جان و مال کی حفاظت کی بھی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی' یوں ہر فرد کی ذمہ داری دو گونہ تھی۔' اپنی حفاظت اور اپنے اہل قبیلہ کی حفاظت۔ قبیلے پر حملہ کے وقت یا دوسرے قبیلے پر غارت گری کی حالت میں' ہر فرد کے لئے اس کا دفاع کرنا اور اس کی طرف سے جنگ کرنا ضروری ہو جاتا تھا۔ حالت جنگ کے خاتمہ کے ساتھ ہی' یہ فوجی گروہ بندی بھی باقی نہ رہتی تھی۔ سامان جنگ کی بہم رسانی اور اسلحہ کی فراہمی بھی قبیلہ کی نہیں بلکہ افراد کی ذمہ داری تھی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ جنگ کی صورت میں ایک قائد کی کمان میں جو عموماً شیخ قبیلہ ہوتا تھا' وہ لڑتے تھے اور اس کی ہدایت پر عمل بھی کرتے تھے مگر جنگ کے اختتام پر یہ کمان خود بخود ختم ہو جاتی تھی۔ جنگی ساز و سامان کی قلت اور مستقل فوج کی عدم موجودگی و نیز قبیلہ داری تقسیم کے باعث' شرکائے جنگ کی تعداد' اسلحے اور آلات حرب قلیل ہوتے تھے۔ یہ قلت جس طرز جنگ کے اختیار کرنے کا اقتضاء کرتی تھی وہ ''کر'' و ''فر'' کی اصطلاح سے موسوم کیا گیا ہے۔ ابن خلدون کے بیان کے مطابق یہ طرز جنگ گھمسان کی لڑائی اور جم کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے موزوں نہ تھا اور اس میں شکست کھا کر فرار ہونے کے خطرات زیادہ تھے۔ مگر ہزیمت کی صورت میں بربادی سے بچاؤ کی غرض سے لشکر کے عقب میں جمادات (پتھر وغیرہ) اور حیوانات کی ایک قطار کھڑی کر کے اپنے لئے ایک پناہ گاہ بھی بنا لیتے تھے۔ اس کے باوجود کہ زمانہ

جاہلیت میں عربوں کے مزاج کو کروفر کے طرز جنگ سے مناسبت تھی' ان میں دوسرا معروف طرز یعنی زحف غیر معروف نہ تھا۔ اس طرز میں باقاعدہ صف بندی کی جاتی ڈٹ کر دشمن سے مقابلہ کیا جاتا اور فرار کا خیال بھی دل میں نہ لایا جاتا تھا۔ لیکن اگر جنگ سے مقصد دوسروں کا مال چھین لینا اور اپنے مال و آبرو کو بچا لینا ہی ہو تو اس کے لئے پامردی' ثبات اور زحف کی چنداں ضرورت نہ تھی اور یہ معمولی و ضمنی مقاصد کروفر کے ذریعہ بھی حاصل کئے جا سکتے تھے۔ (۶۴)

اسلام کا طرز جنگ

چونکہ اسلام میں دشمنوں کے خلاف جنگ کی اجازت اعلیٰ نصب العین کی حفاظت اور ارفع مقاصد کے حصول کے لئے دی گئی ہے۔ اس لئے اس میں ثابت قدمی' جاں سپاری اور جان ہاری کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ اس نیت سے میدان جنگ میں جانا کہ جس مقصد اعلیٰ کے حصول کے لئے یہ مہم ترتیب دی گئی ہے' اس کے پا لینے میں جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں' بلکہ جان فروشی رزم گاہ حق میں جانے کی شرط اولین ہے یہ بات اس امر کو مقتضی ہے کہ کروفر کے بجائے زحف یعنی صف بندی کر کے مصاف کیا جائے۔ اور صف بھی کیسی' قرآن حکیم کے الفاظ میں ''بنیان مرصوص'' (صف یعنی سیسہ پلائی دیوار) ہو کہ مخالف کے لئے اسے توڑنا اور صف میں رخنہ ڈالنا ممکن نہ ہو۔ اس بناء پر عہد رسالت میں جب جہاد فرض ہوا تو زحف یعنی صف بندی کا طریقہ اختیار کیا گیا' اور کروفر کے معروف طریقہ کو ترک کر دیا گیا۔ ابن خلدون کے خیال میں صدر اسلام میں جو زحف کا طریقہ اختیار کیا گیا اس کے دو وجوہ تھے۔ اول یہ کہ کفار نے اپنی عددی برتری کے سبب مسلمانوں کے خلاف بھی زحف کا طریقہ اپنایا اور دوم یہ کہ جہاد میں ثابت قدمی اور پامردی ضروری تھی جو زحف ہی کے طریقہ کے ذریعہ ممکن تھی' اور کروفر میں اس کی گنجائش موجود نہ تھی (۶۵) مگر جہاں کروفر کا طریقہ موزوں ہوتا اسے بھی اختیار کیا جاتا تھا' گویا ایسا کم ہی ہوتا تھا۔ زحف یا صف بندی کے طریقے میں فوج کا ہر فرد ایک دوسرے سے قریب ہوتا

اور شخص واحد کی طرح جنگ کرتا کہ کسی کا صف توڑ کر نکل جانا یا صف چھوڑ کر بھاگ جانا ممکن نہ ہوتا۔ بالعموم صفیں ایک' دو یا تین ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو تعبیہ کا طریقہ بھی رائج ہوا اور لشکر کے متعدد حصے ایک دوسرے سے فاصلے پر صف آرا ہوتے تھے۔ ان حصوں کی ترتیب سپہ سالار لشکر کے قیام کے حوالے سے قائم کی جاتی تھی سپہ سالار کے سامنے جو حصہ ہوتا اسے مقدمہ کہتے تھے' اس کی دائیں جانب جو دستہ، فوج ہوتا وہ میمنہ کہلاتا تھا اور سپہ سالار کی بائیں سمت جو فوج کا حصہ ہوتا اس کو میسرہ کہتے تھے' درمیان میں سپہ سالار کا اپنا چیدہ چیدہ سرداروں اور سپاہیوں کا لشکر ہوتا جسے قلب کہتے تھے۔ سپہ سالار کے عقب میں ایک دستہ، فوج ہوتا تھا جس کو ساقہ کہتے تھے۔ ان پانچوں حصوں کے سردار علیحدہ علیحدہ ہوتے اور ہر ایک کا علم اور شعار (خفیہ اشارہ) بھی باہم دگر مختلف ہوتا تھا۔ جس لشکر میں یہ ترتیب ہوتی تھی' اس کو خمیس یعنی پانچ حصوں والا اور مکمل لشکر کہا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سواروں کا ایک دستہ اصل فوج سے کافی آگے بھی ہوتا تھا' جو دشمن کی نقل و حرکت کی اطلاع' سامان رسد کی فراہمی اور راستے کی دیکھ بھال کرتا اور اصل فوج سے کافی مسافت پر ہوتا تھا' اس دستہ، فوج کو طلیعہ کہتے تھے۔ (۶۶)

بعد میں جب رومیوں اور ایرانیوں کی کثیر التعداد سپاہ سے مسلمانوں کا مقابلہ شروع ہوا' تو کردوس کے طریقہ کو بھی اختیار کیا گیا۔ مثلاً معرکہ، یرموک میں حضرت خالد بن ولید نے عساکر اسلامیہ کو ۳۶ تا ۴۰ کرادیس میں تقسیم کر کے قلب کے کرادیس پر حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو' میمنہ کے کرادیس پر حضرت عمرو بن عاص اور شرجیل بن حسنہ کو اور میسرہ کے کرادیس پر حضرت یزید بن ابی سفیان کو امیر مقرر کیا۔ مگر کرادیس کو ایک مستقل طرز جنگ کے طور پر آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد نے ضحاک خارجی اور خیبری کے خلاف اختیار کیا۔ (۶۷)

فوج کی ترتیب

فوج کی بڑی تعداد پیادہ سپاہ پر مشتمل ہوتی تھی۔ انہیں راجل یا مشاۃ کہتے تھے۔ لیکن

گھوڑے بھی ہوتے تھے' گو ان کی تعداد اس زمانے میں کم تھی۔ سوار کو "فارس" کہتے تھے۔ شتر سوار بھی ہوتے تھے۔ اور صحرائے عرب و شام کے دشوار گذار راستے بالعموم یہی اونٹ طے کرتے تھے۔ ان شتر سواروں کو "رکبان" کہا جاتا تھا۔ سوار دستے پیدل دستوں سے آگے ہوتے تھے اور دشمن پر پیش قدمی کے لئے بڑے کارگر سمجھے جاتے۔ تیر انداز یا "رماۃ" (رامی) بھی اگلی صفوں میں ہوتے تھے اور جنگی نقطہ، نگاہ سے بڑے اہم خیال کئے جاتے تھے۔ (۶۸) رومیوں اور ایرانیوں کے خلاف ان تیر انداز دستوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے اور دشمن کی فوجوں میں ابتری پھیلا دی تھی۔ مثلاً جنگ انبار میں مسلمان قدر اندازوں نے دشمن کی آنکھوں کو نشانہ بنایا اور اس کثرت سے انہیں بینائی سے محروم کیا کہ اس جنگ کا نام ہی ذات العیون (یعنی آنکھوں والی لڑائی) پڑ گیا۔ (۶۹)

افواج کی تعداد

رسول اکرم ﷺ کے عہد میں جو آخری مہم ترتیب دی گئی' وہ تبوک کی مہم تھی۔ اس میں مسلمان سپاہ کی تعداد تیس (۳۰) ہزار کے قریب تھی ۱۰ھ میں قبائل عرب کے قبول اسلام کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا' قیاس چاہتا ہے کہ مسلمان سپاہ کی تعداد بھی اسی نسبت سے بڑھی ہوگی۔ عراق کے محاذ پر جب حضرت خالد بن ولید کو روانہ کیا گیا تو ان کے ساتھ دس ہزار سپاہ تھی۔ جو وہاں پہلے سے موجود آٹھ ہزار فوج سے جس کی قیادت حضرت مثنیٰ شیبانی کے ذمہ تھی' مل جانے کے بعد ۱۸ ہزار نفوس پر مشتمل ہوگئی تھی۔ اس تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ (۷۰) اس طرح شام پر حملہ کی غرض سے جو فوجیں روانہ کی گئیں ان کی تعداد ۳۶ ہزار کے لگ بھگ تھی (۷۱) یوں ۵۴ ہزار سپاہ کی موجودگی کا پتا چلتا ہے۔ مگر وقت کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس لئے گمان غالب ہے کہ عہد صدیقی میں مسلمان افواج کی مجموعی تعداد ستر (۷۰) ہزار سے کم نہ ہوگی۔ یہ تعداد ان قبائل کے افراد کے علاوہ ہے جو فتنہ ارتداد میں ملوث ہو گئے تھے اور جن سے عہد صدیقی میں فوجی خدمات نہیں لی گئیں۔

فوج کے اسلحے

فوج کے معروف اسلحے سیف (تلوار) رمح (نیزے) اور قوس (کمان) اور تیر (سہام) تھے۔ سیف (تلوار) کو تمام اسلحوں سے بہتر و افضل سمجھا جاتا تھا۔ سب سے اعلیٰ درجہ کی تلواریں ہندی لوہے سے بنائی جاتی تھیں اور السیوف الہندیۃ (ہندی تلواریں) کہلاتی تھیں۔ اسی طرح یمنی، سلیمانی اور خراسانی تلواریں نہایت نفیس خیال کی جاتی تھیں۔ رمح (نیزے) درختوں کی سخت لکڑیوں سے بنے ہوئے ڈنڈوں کے سروں پر تیز دھار دارانی لگا کر تیار کیئے جاتے تھے۔ نیزے کا استعمال سوار کرتے تھے لیکن پیدل سپاہ بھی اسے استعمال کرتی تھی۔ عموماً نیزے چار ہاتھ لمبے ہوتے تھے اور یہ نیزک، حربہ، عنزہ اور مزراق کے ناموں سے موسوم تھے۔ بڑے نیزے دس ہاتھ تک لانبے ہوتے تھے، یہ مربوع، مخموس اور تام کہلاتے تھے۔ دس ہاتھ سے بڑے نیزوں کو خطل کہتے تھے۔ قوس (کمان) سخت پہاڑی لکڑی سے بنائی جاتی تھی جس میں چمڑے یا اونٹ کی گردن کی رگ (تانت) باندھی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ چمڑے کا تھیلا کنانہ (ترکش) ہوتا تھا جس میں تیر رکھے جاتے تھے۔ عرب تیر اندازی میں ماہر تھے اور یہ ان کی قدر اندازی ہی تھی جس کیوجہ سے وہ اپنے دشمن کو تتر بتر کر دیتے تھے۔ حفاظت کی غرض سے سپاہ ترس (سپر) بھی استعمال کرتی تھی۔ اسے لکڑی سے بناتے تھے اور اس پر چمڑے منڈھ دیئے جاتے تھے، پھر اس پر کیلیں وغیرہ جڑ دیئے جاتے تھے۔ سپر کی مختلف شکلیں ہوتی تھیں مثلاً مسطح، مستطیل، درمیان سے گہری وغیرہ۔ بعد کے زمانوں میں ڈھال لوہے کی بنائی جانے لگی تھی اس پر نقش و نگار بنائے جاتے اور آیات قرآنی بھی نقش کی جاتی تھیں۔ مگر عہد صدیقی میں یہ سپر (ڈھال) ابتدائی نوعیت کی ہوتی تھیں۔ حفاظت کی غرض سے درع (زرہ) کا بھی استعمال عام تھا۔ یہ لوہے کے جال سے بنی ہوئی قمیص ہوئی تھی جس میں آستینیں ہوتی تھیں اور نصف ساق (پنڈلی) تک اس کی لمبائی ہوتی تھی۔ ایسی زرہ کو سابغہ کہتے تھے۔ اگر زرہ بے آستین ہوتی اور گھٹنے تک ہوتی تو اس کو بتراء کہتے تھے۔ اگر جال کی بناوٹ اکہری ہوتی تو ایسی زرہ کو مغروۃ اور جو جال کی بناوٹ

دوہری ہوتی تو اسے مضاعفہ کہا جاتا تھا۔ سر کی حفاظت مغفر (خود) سے کی جاتی تھی اور بیضہ سر اور گدی (قفا) کے بچاؤ کے لئے استعمال کی جاتی تھی۔ (۷۲)

آلات حصار یعنی منجنیق، دبابہ، کبش، ضبور وغیرہ کا عہد صدیقی میں استعمال نہیں کیا گیا۔ یہ آلات بعد کے ادوار میں اسلامی افواج کے تصرف میں آئے۔ اگرچہ عہد نبوی میں طائف کے محاصرہ کے دوران میں قلعہ شکن آلات کا استعمال کیا گیا تھا، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان آلات سے کام نہیں لیا گیا اور جہاں ان کی ضرورت بھی تھی وہاں بھی یہ بروئے کار نہ لائے گئے (۷۳)

فوج کا معاینہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ جب فوجیں مقام جرف میں جمع ہوتیں تو آپ وہاں جاتے، ان کا معائنہ کرتے اور انہیں ضروری ہدایات دیتے تھے۔ یہی طریقہ امرائے عسکر کا تھا اور وہ دشمنوں سے جنگ شروع کرنے سے پہلے اپنی زیر کمان فوج کا معائنہ کرتے اور ان کی صف بندی کو مستحکم کرتے تھے۔ ہر حصہ فوج کا ایک الگ امیر ہوتا تھا اور اس کے پاس اس کا ایک لواء (جھنڈا) ہوتا تھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا پھر مقامی سپہ سالار عسکر عطاء کرتا تھا۔ (۷۴)

وعظ و خطبہ

جنگ کے آغاز سے پہلے امرائے لشکر سپاہیوں کو وعظ دیتے اور جنگ میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ اس کام پر امراء کے علاوہ دوسرے حضرات بھی مقرر کیئے جاتے تھے۔ مثلاً جنگ یرموک کے موقع پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ صفوں کے درمیان جا کر لوگوں کے جوش ایمانی کو بھڑکاتے اور ثابت قدمی کی تلقین کرتے تھے اسی طرح اسلامی افواج کا یہ بھی معمول تھا کہ آغاز جنگ سے قبل سورہ انفال کی تلاوت کی جاتی تھی۔ چنانچہ یرموک کے معرکہ میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے ذمہ یہ خدمت تھی۔ یہ طریقہ سنت نبویؐ

کی اتباع میں تھا کہ غزوہ بدر کے بعد سے ہر جنگ کے آغاز سے قبل سورہ انفال کی تلاوت کی جاتی تھی۔(۷۵)

فوج کی اخلاقی حالت

اسلامی افواج کی اخلاقی حالت کا نہایت جامع و مانع بیان وہ ہے جو ایک رومی فوجی قائد نے قیصر روم ہرقل کے استفسار پر دیا تھا۔ اس نے کہا:۔

ان القوم یصومون بالنہار، ویقومون باللیل، ویوفون بالعھد، ویامرون بالمعروف، وینھون عن المنکر، ولایظلمون احدا، ویتنا صفون بینھم(۷۶)

وہ لوگ دن کو روزے رکھتے ہیں، راتوں کو نماز قائم کرتے ہیں، وعدے کا پاس کرتے ہیں، اچھائیوں کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے اور آپس میں انصاف و مساوات برتتے ہیں

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جنگی بصیرت

عہد صدیقی میں جو عظیم فوجی سرگرمیاں دیکھنے میں آئیں اور جن کے نتیجے میں ۱۱ھ میں عرب سے ارتداد کے فتنے کا خاتمہ ہوا، ۱۲ھ میں عراق کے محاذ پر ایرانیوں کو پے در پے شکستیں دے کر عراق عرب کے بڑے حصے پر مسلمان قابض ہو گئے اور ۱۳ھ میں شام میں رومیوں کے خلاف کامیابیاں حاصل کی گئیں، ان سب میں حضرت ابوبکر صدیق کی اعلیٰ منصوبہ بندی اور بہترین عسکری بصیرت کو دخل تھا اور اگرچہ وہ محاذ جنگ سے دور تھے لیکن ان کی ہدایات ہر معرکہ میں اسلامی افواج کی راہ نمائی کے لئے موجود تھیں۔ جیش اسامہ کی روانگی کے بعد مدینہ عملاً فوجوں سے خالی تھا، باغی قبائل کا اس کے ارد گرد جمگھٹا تھا اور وہ مدینہ پر حملے کے لئے پر تول رہے تھے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جنگی مہارت تھی کہ مدینہ جیشِ اسامہ کی روانگی کے بعد دشمنوں کے حملوں سے نہ صرف یہ کہ محفوظ رہا، بلکہ خود ان

کے ٹھکانوں پر حملے کر کے انھیں پسپا ہونے پر مجبور بھی کر دیا گیا۔ جیش اسامہ کی واپسی کے بعد باغی قبائل کی سرکوبی کے لئے جو گیارہ دستے روانہ کئے گئے ان کی تعیناتی، نقل و حرکت اور باہم دگر رابطہ کی کامیابی کے ساتھ منصوبہ بندی حضرت صدیق اکبر کے اعلیٰ عسکری تدبر کی بہترین مثال ہے۔ پھر جب عراق پر فوج کشی کی گئی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور دوسرے امرائے لشکر کو جو ہدایتیں دی گئیں ان میں بھی دشمن کی نقل و حرکت اور اسلامی افواج کی پیش قدمیوں سے متعلق واضح اور نہایت مناسب منصوبہ بندی کا پتا چلتا ہے۔ اسی طرح شام پر لشکر کشی کے موقع پر مختلف امرائے عسکر کی پیش قدمی کے لئے جن راستوں کا تعین کیا گیا اور جس طرح انھیں دشمن کی سرزمین میں آگے بڑھنے کی ہدایت کی گئی اور بڑے خطرے کی صورت میں جس طرح ان تمام افواج کو اکٹھا ہو جانے اور متحدہ کوشش کا حکم دیا گیا، وہ سبھی بہترین منصوبہ بندی کی بناء پر ممکن ہوا اور یہ ساری منصوبہ بندی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت کا ایک ماہر عسکریات کی حیثیت سے بالعموم جائزہ نہیں لیا گیا ہے، مگر ان کے مختصر دور خلافت میں جو عسکری سرگرمیاں دیکھنے میں آئیں اور جن کے نتیجے میں مسلمانوں کو ہر محاذ پر کامیابی نصیب ہوئی، وہ کسی بہترین و برموقع عسکری تدبیر و تنظیم کے بدون ممکن نہ تھی، لوگ اس تنظیم کی فعالیت کا اعتراف کرتے ہیں مگر اس کے خالق و منتظم کی فوجی بصیرت کا ذکر نہیں کرتے۔ حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عسکری و تنظیمی صلاحیت کے بغیر یہ ساری کامیابیاں حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔

امراء عساکر کو ہدایات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جنگی بصیرت کا پتا ان کی امراء عساکر کو دی گئی ہدایات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً حضرت یزید بن ابی سفیان کو شام کے محاذ پر روانہ کرتے وقت جو ہدایات دیں، وہ نہ صرف یہ کہ جنگی نقطہ نگاہ سے نہایت اہم تھیں بلکہ اخلاقی اعتبار سے بھی حد درجہ گراں قدر تھیں ان سے فوج کے عمومی کردار پر بھی روشنی پڑتی

ہے۔آپ نے فرمایا:۔

''جب دشمن کی سرزمین میں داخل ہونا تو وہ راستہ اختیار کرنا جو اس کے حملہ کی زد پر نہ ہو۔ سامان رسد کی بہم رسانی اور جاسوسوں کی دی گئی اطلاعات سے قوی پشت رہنا' کسی زخمی سے قتال نہ کرنا' دشمن کے شب خون سے پرحزر رہنا' اگر تمہارے لشکر میں دشمن کے وفود آئیں تو ان کی خاطر تواضع کرنا' لیکن اپنے آدمیوں کو ان سے بات چیت کرنے سے روک دینا تاکہ وہ جیسے ناواقف و بے خبر آئیں ویسے ہی بے خبر و ناواقف واپس جائیں۔ اپنے سپاہیوں کو سزا دینے اور انھیں عتاب کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لینا۔'' (۷۷)

جنگ یمامہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالد بن ولید کو عراق جانے کا حکم ان الفاظ میں دیا:۔

''تم ملک عراق میں زیرین علاقے (ابلہ' فرج ہند و سند) سے داخل ہونا۔ عیاض بن غنم عراق میں بالائی حصہ سے داخل ہوں۔ تم دونوں میں سے جو بھی درمیانی علاقے کو فتح کرتا ہوا پہلے حیرہ پہنچے گا وہی حیرہ کا امیر ہوگا۔ حیرہ پہنچنے پر جب کہ تم لوگ عرب اور فارس کے درمیان میں واقع اسلحہ خانوں اور مورچوں کو توڑ چکے ہوگے اور عقب سے مسلمانوں پر حملے کا خطرہ نہ رہ جائے گا' تو تم دونوں میں سے ایک حیرہ میں ٹھہر کر مفتوحہ ممالک کا انصرام کرے گا اور دوسرا ایرانیوں سے ان کے اگلے مورچوں پر جنگ کرے گا۔ اپنی جدوجہد میں اللہ سے مدد طلب کرو' اس سے ڈرو' آخرت کو دنیا پر ترجیح دو اور گناہوں سے بچو۔ اہل فارس اور دوسری مفتوحہ اقوام کی دل جوئی کرو۔'' (۷۸)

(د) مالیاتی نظام

ضرورت

کسی حکومت کے انتظام و انصرام کے لئے مالی وسائل کی فراہمی نہایت ضروری ہے۔

ایک باقاعدہ مالی نظام کے بغیر حکومت کے اعمال کی تنظیم اور اس کے وظائف کی بجا آوری ممکن نہیں ہے' اس لئے جب جناب رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور پہلی اسلامی حکومت قائم کی تو اس نوزائیدہ حکومت کے لئے مالی وسائل اور آمدنی کے ذرائع بھی متعین فرمائے۔ ان مالی مدات اور آمدنی کے ذرائع میں سے بعض کے متعلق آیات قرآنی نازل ہوئیں جن میں ان کے مصارف کی تعیین فرما دی گئی اور بعض جناب رسالت مآب ﷺ نے وضع فرمائے اور ان کے اخراجات کی بھی تفصیل بیان کر دی۔ زکوٰۃ' غنیمت (خمس) و فَیء سے متعلق آیات قرآنی میں مصارف کی بھی نشان دہی کی گئی جب کہ جزیہ کا ایک آمدنی کے بطور قرآن میں ذکر فرمایا گیا مگر اس کے مصارف کی تعیین نہیں کی گئی۔ اسی طرح خراج کا نفاذ اور اس کے اخراجات کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے واضح ہدایات دیں۔ ان کے علاوہ وہ رقوم جنہیں رضا کارانہ (تطوع) ادا کرنے کی تلقین کی گئی' حکومت کے مالی وسائل میں محسوب ہوئیں۔ یوں عہد رسالت میں زکوٰۃ' خمس (غنیمت) فَیء' خراج' جزیہ اور صدقات و میراث (وقتی چندے' وقف اور وجوہ خیر وغیرہ) اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی قرار پائے۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب حکومت اسلامیہ کی قیادت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تفویض ہوئی' تو حکومت کے ذرائع آمدنی بدستور وہی رہے۔ یہ ساری آمدنیاں جزیرۃ العرب سے حاصل ہوتی تھیں' جس کی تسخیر عہد رسالت میں مکمل ہو چکی تھی' شام میں رومیوں سے لڑائیاں جاری تھیں' اس لئے عہد صدیقی میں وہاں سے کسی رقم کے مدینہ آنے کا حال معلوم نہیں ہوتا اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ۱۳ھ کے آغاز سے شامی

مہمات کی ابتداء ہوئی تھی اور ابھی اس سال کے چند ہی ماہ گزرے تھے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا اور یہ نا تمام سلسلہ عہد فاروقی میں اتمام پزیر ہوا۔ مگر عراق جس پر ۱۲ھ کے شروع میں فوج کشی ہوئی' اور ایک سال پورا ہوتے ہوتے اس کے وہ علاقے جو سرزمین عرب سے متصل تھے' اسلامی حکومت کے زیر نگیں آ گئے تھے' اس لئے یہاں کے مفتوحہ علاقوں سے جزیہ وخراج کی مد میں وصول یابی ہوئی اور مرکزی بیت المال میں حیرہ وغیرہ سے جزیہ وخراج کی رقوم جمع ہوئیں۔ اس بناء پر عہد صدیقی کا مالی نظام کم وبیش اسی نہج پر رہا' جیسا کہ عہد نبویؐ میں تھا۔ اس تمہید کے بعد ہم خلافت صدیقی کے مالی نظام' موارد و مصادر (آمدنی وخرچ) کا تذکرہ کرتے ہیں۔

موارد (آمدنی)

جیسا کہ عرض کیا گیا عہد نبویؐ میں اسلامی ریاست کی آمدنی کی جو مدات تھیں' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور وہی ذرائع آمدنی اس زمانے میں قائم رہے۔ یہ موارد (آمدنیاں) تھے زکوٰۃ' خراج' جزیہ' خمس غنیمت اور فیء۔ ان ذرائع آمدنی کا اختصار کے ساتھ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:۔

(۱) زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کے ارکان دین میں ہے۔ اس کی فرضیت کا حکم قرآن سے ثابت ہے۔ زکوٰۃ کے لئے قرآن میں صدقہ (صدقات) کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے ۸ھ کے اخیر میں سورہ برائت میں زکوٰۃ کے احکام نازل ہوئے۔ محرم ۹ھ میں جناب رسول اکرم ﷺ نے زکوٰۃ کے احکام وقوانین مرتب فرمائے' تمام عرب میں محصلین وعاملین زکوٰۃ کا تقرر فرمایا اور بیت المال کا قیام عمل میں آیا۔ ابھی یہ نظام مکمل طور پر عرب میں نافذ وجاری نہ ہو پایا تھا کہ جناب نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وصال فرمایا (۷۹) اور یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جنھوں نے اس کو پوری قوت سے نافذ فرمایا اور مختلف قبائل جنھوں نے زکوٰۃ کی

ادائیگی سے انکار کر دیا تھا' اس امر پر مجبور ہوئے کہ اپنی زکوٰۃ کی رقوم مدینہ روانہ کریں اور عرب کے طول وعرض سے زکوٰۃ کی رقمیں مرکز میں آنا' شروع ہو گئیں۔ (۸۰) زکوٰۃ کی فرضیت کا اعلان کرتے وقت اس کی مصلحت بھی ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:۔

خذمن اموالهم صدقة تطهر هم وتز كيهم بها (توبہ' ۱۰۳)

اہل ایمان کے مال کی زکوٰۃ لو۔ اور یہ زکوٰۃ قبول کر کے' تم ان لوگوں کو گناہوں سے پاک وصاف کرتے ہو۔

سورہ مزمل میں اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ایتائے زکوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ ارشاد الٰہی ہے :۔

اقيموا الصلوٰة وَاٰتوا الزكاة (مزمل' ۲۰)

اے اہل ایمان نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

شریعت کی اصطلاح میں زکوٰۃ' مال کے ایک حصہ کا' جس کی تعیین شارع علیہ السلام نے کر دی ہے' مستحق کو مخصوص شرائط کے ساتھ مالک بنا دینے کا نام ہے۔ اس کی فرضیت کے لئے ضروری ہے کہ:۔

۱۔ ملک نصاب ہو جو ان اشیاء کی نوعیتوں کے لحاظ سے جن پر زکوٰۃ فرض ہے' مختلف ہوتی ہے۔

۲۔ جن اشیاء پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے ان کی ملکیت پر ایک سال پورا ہو چکا ہو۔

جن اشیاء پر زکوٰۃ فرض ہے وہ پانچ ہیں' نقد' سوائم' رکاز' زراعت اور تجارت۔

۱۔ زکوٰۃ نقد

(سونے اور چاندی کی زکوٰۃ) سونا اور چاندی جب نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائے تو اس پر مالک کو اس کا چالیسواں حصہ (۲.۵ فی صد) بطور زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ سونے کا نصاب ۷ تولہ اور چاندی کا نصاب باون تولہ تھا۔

۲۔زکوٰۃ سوائم

(جانوروں کی زکوٰۃ) اونٹ' بھیڑ' بکری' گائے اور بھینس کی زکوٰۃ۔اونٹ کا نصاب زکوٰۃ پانچ اونٹ ہیں جس پر ایک بکری کی ادائیگی ہے۔اسی طرح بھیڑ بکری کی زکوٰۃ چالیس (۴۰) بھیڑ بکریوں (غنم) پر ایک بھیڑ یا بکری ہے۔اور تیس (۳۰) گائے' بیل یا بھینس پر ایک سال کا بچھڑا۔گھوڑوں' خچروں اور گدھوں کو اگر تجارتی مقاصد کے لئے پالا جائے تو ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔اور وہ یوں کہ ان کی قیمت کا تخمینہ لگایا جائیگا اگر وہ نصاب زکوٰۃ کے بقدر ہوئی تو اس کا ۲٫۵ فی صد وصول کیا جائے گا جانوروں کی زکوٰۃ کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔مزید تفصیل کیلئے فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

۳۔زکوٰۃ اموال تجارت

(عشور مسلمین) مال تجارت جو نقد (زروسیم) کے علاوہ ہو' سال بھر کے بعد اگر نصاب زکوٰۃ کے بقدر ہو یعنی دوسو درم ہوں تو اس پر چالیسواں حصہ (۲٫۵ فی صد) زکوٰۃ ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ۵ فی صد کی شرح سے اہل الذمہ کے تاجروں اور ۱۰ فی صد کی شرح سے حربی کفار سے یہ تجارتی محصول وصول کیا۔

۴۔زکوٰۃ رکاز

(کانوں اور دفینوں کی زکوٰۃ) شریعت کی اصطلاح میں معدن وکنز یعنی رکاز کا اطلاق اس مال پر ہوتا ہے جو زمین کے اندر پایا جائے۔خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ معدنیات ہوں' خواہ لاوارث زمین میں مدفون خزانہ یا کفار کا دفن کیا ہوا مال جو اپنا گھر بار چھوڑ گئے ہوں۔کنز یعنی دفینہ پر خمس یعنی کل مالیت کا پانچواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر فرض ہے۔ معدان (کانوں) پر کس شرح سے زکوٰۃ مقرر کی جائے' اس میں فقہاء میں اختلاف رائے ہے۔ایسی دھاتیں جو زیادہ نفع بخش ہیں اور ایسی دھاتیں اور پتھر وغیرہ جو کم نفع بخش ہیں ان کی شرحوں میں بھی فرق ہے۔مگر بالعموم فقہاء کانوں پر پیداوار کا خمس (۲۰ فی صد) وصول

کرنے کے حق میں ہیں۔یہاں ایک سال پورا ہونے کی بھی شرط نہیں ہے۔

۵زکوٰۃ زراعت

(کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ) اگر کھیتی ایسے پانی سے سیراب ہو جس پر کاشت کار کو مزید رقم خرچ نہیں کرنی پڑتی ہو یعنی بارش سے یا ایسے پانی سے جو نالوں وغیرہ سے زمین پر بہہ آتا ہے' تو اس پر عشر فرض ہے یعنی پیداوار کا دسواں (۱۰ فی صد) حصہ۔اور اگر کھیتی یا باغات کی سینچائی کے لئے مصنوعی ذرائع استعمال کئے جائیں اور کسان کو آب پاشی پر اخراجات کرنے پڑیں یعنی کنویں یا چرخی وغیرہ سے زمین و باغ کو سیراب کیا جائے تو زکوٰۃ کی شرح نصف عشر (۵ فی صد) ہوگی۔عشر اور نصف عشر صرف انھیں اراضی و باغات پر عائد کیا جاتا ہے جو قبول اسلام سے پہلے بھی مالکوں کے قبضہ میں ہوں اور تبدیلیء مذہب سے ان کی ملکیت میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو۔لیکن اگر کوئی مسلمان ایسے باغات یا اراضی کو جو اہل الذمہ کے قبضہ میں ہوں خرید لے تو ان پر عشر نہیں بلکہ خراج واجب الادا ہوگا۔

مصارف زکوٰۃ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زکوٰۃ کے مصارف کی تعیین فرمادی ہے۔ارشاد خداوندی ہے:-

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب و الغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل فریضة من الله ط والله علیم حکیم (توبہ:۶۰)

زکوٰۃ کا مال تو فقراء' مساکین اور زکوٰۃ کے صیغہ میں کام کرنیوالوں اور ان لوگوں کے لئے ہے جن کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہے اور غلامی سے آزادی دلانے' تاوان کی ادائیگی اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کے بارے میں یہ اللہ کی طرف سے فرض کیا ہوا ہے' اور اللہ جاننے والا اور حکمت ودانائی والا ہے۔"

قرآن نے جن آٹھ مدات میں زکوٰۃ کی آمدنی کو صرف کرنے کا حکم دیا ہے' امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسلمانوں کے امام وخلیفہ کو اس امر کا اختیار ہے کہ خواہ تمام مدات میں مساویانہ صرف کرے یا پھر جن مدوں میں صرف کرنے کی زیادہ ضرورت ہو ان میں صرف کرے' گویا مصلحت کے تقاضوں کے تحت ان مصارف ہشت گانہ میں سے جس مد میں ضروری سمجھے خرچ کرے۔ ان آٹھ مصارف کی کسی قدر تفصیل ذیل میں کی جاتی ہے:۔

۱۔ فقراء

فقیر کی جمع ہے یعنی ضرورت مند افراد۔ اس سے ایسے مسلمان مراد ہیں جو اپنی روزی کمانے کی صلاحیت تو رکھتے ہیں مگر محنت وسعی کے باوجود بقدر اخراجات نہیں کما پاتے یا پھر کسی دینی خدمت میں مصروف ہونے کے سبب اپنی روزی کمانے کے لئے وقت نہیں نکال پاتے' یا کسی ضرورت ناگہانی کے وقت امداد وتعاون کے محتاج ہوتے ہیں۔ ان میں بھی ایسے افراد کو ترجیح ہوگی جو عزت نفس اور خودداری کے سبب دوسروں سے اپنی احتیاج کا ذکر نہیں کرتے اور اپنا بھرم اور اپنی سفید پوشی کو عسرت کی حالت میں بھی قائم رکھتے ہیں۔

۲۔ مساکین (مسکین کی جمع)

ایسے اشخاص جو روزی کمانے کی بالکل صلاحیت نہیں رکھتے' مثلاً جسمانی لحاظ سے معذور افراد' بوڑھے اور لاوارث ویتیم بچے وغیرہ۔ ان میں زکوٰۃ کے استحقاق میں ایسے لوگوں کو ترجیح ہوگی جو دریوزہ گری اور ہر عام و خاص سے سوال نہیں کرتے بلکہ خودداری اختیار کرتے ہیں اور غربت میں بھی عزت کو داؤ پر نہیں لگاتے۔

۳۔ عاملین زکوٰۃ

ایسے حضرات جنھیں حکومت کی جانب سے زکوٰۃ کی تحصیل پر مامور کیا جائے۔ ان لوگوں کی تنخواہیں بھی زکوٰۃ کی رقم سے ادا کی جائینگی۔ اگر یہ لوگ بستیوں میں جا کر زکوٰۃ کی وصولی کریں تو انہیں ''ساعی'' کہا جاتا تھا۔ لیکن اگر یہ لوگ بازاروں یا ناکوں پر زکوٰۃ یا عشور

کی رقوم وصول کریں تو انھیں ''عاشر'' کہا جاتا تھا

۴۔ مؤلفۃ القلوب

یہ وہ لوگ تھے جو صدر اسلام (عہد رسالت) میں اپنے اسلام کا اعلان کرتے تھے' ان کا ایمان کمزور ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کی کچھ رقم دے کر ان کی تالیف قلب (دل جوئی) کی جاتی تھی۔ اسلام کی قوت وغلبہ کے بعد یہ مد ختم ہوگئی۔

۵۔ رقاب

غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے بھی زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاتی تھی۔

۶۔ غارمین

قرض داروں اور تاوان ادا کرنے والوں کی بھی زکوٰۃ کی رقوم سے مدد کی جائے گی۔

۷۔ سبیل اللہ

اللہ کی راہ سے مراد وہ تمام اخراجات ہیں جو جہاد کے سلسلہ میں پیش آتے ہیں۔ اس سے دوسرے دینی ورفاہی اخراجات کو بھی پورا کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ ابن السبیل

مسافروں کی مد' ان کے قیام' وسفری اخراجات زکوٰۃ کی مد سے پورے کئے جائیں گے۔ راستوں کی درستی' مسافر خانوں اور دوسری آسائشوں کی فراہمی بھی اس مد سے سر انجام پائے گی (۸۱)

۲۔ غنیمت (خمس)

شریعت کی اصطلاح میں غنیمت سے وہ اموال مراد ہیں جن پر غلبہ وقہر کے نتیجے میں مسلمان قابض ہوئے ہوں۔ کفار سے جنگ میں کامیابی کے بعد دار الحرب میں مسلمان

افواج کے قبضے میں جو منقولہ و غیر منقولہ چیزیں آتی ہیں انہیں غنائم (واحد غنیمت) کہا جاتا ہے۔ ان میں چار چیزیں شامل ہیں۔ اسریٰ (مرد جنگی قیدی)' سبایا (دشمن افواج کی عورتیں اور بچے)' اراضی اور اموال منقولہ۔ جنگ کے خاتمہ پر یہ ساری چیزیں ایک جگہ جمع کی جائیں گی۔ ان کے پانچ حصے کر کے چار حصے غانمین یعنی مسلمان افواج میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ سوار کو تین (۳) اور پیدل کو ایک سہم (حصہ) دیا جائے گا۔ اراضی کا یہ حکم ہے کہ یا تو انہیں غانمین میں تقسیم کر دیا جائے گا' یا پھر انہیں حکومت کے قبضہ میں رکھا جائے گا اور ان کی آمدنیاں مسلمانوں کے مصالح و ضروریات کے لئے وقف ہوں گی۔ غانمین میں چار حصوں کی تقسیم کے بعد مال غنیمت کا بقیہ پانچواں حصہ (خمس الغنائم) مرکز کو بھیج دیا جائے گا۔

مصارف خمس

اس خمس کے مصارف کی قرآن میں نشان دہی کر دی گئی ہے۔ سورہ انفال میں ارشاد خداوندی ہے:۔

واعلموا ان ما غنمتم من شی فان للہ خمسه وللرسول و لذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین و ابن السبیل (انفال ۴۱)

جان لو کہ غنیمت میں تمہیں جو چیز ملے' اس کا پانچوں حصہ اللہ کے لئے' رسولؐ کے لئے' قرابت داروں کے لئے' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

مذکورہ بالا قرآنی آیت میں جو اللہ تعالیٰ کا حصہ (سہم) ہے وہ محض افتتاح کلام کے لئے ہے' یوں خمس غنیمت کے مصارف عہد رسالت میں پانچ تھے یعنی' رسول ﷺ' ذوی القربیٰ (قرابت داروں) یتیموں' مسکینوں اور مسافر کے حصے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں خمس غنیمت کی تقسیم سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور ذوی القربیٰ کے سہام ساقط کر دیئے گئے تھے اور ان کے تین مصارف یعنی یتامیٰ' مساکین اور ابن السبیل کو باقی

رکھا گیا تھا۔ حسن بن محمد بن حنفیہ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور ذوو القربیٰ کے سہام صحابہ کرام کے مشورے سے جہاد کے جانوروں اور ہتھیاروں کی خریداری کے لئے مختص کر دیئے گئے تھے۔ یہی طریقہ حضرات عمر' عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے زمانوں میں بھی رائج رہا۔ اس طور سے خمس غنیمت کے مصارف عہد صدیقی میں چار ٹھہرے یعنی جہاد کے سامان کی فراہمی و خریداری' یتیموں کی خبر گیری' مسکینوں یعنی ایسے افراد کی دیکھ بھال جو اپنی روزی کمانے کے قابل نہ ہوں اور مسافروں کی امداد۔ غنائم کے متعلق ہم اگلے صفحات میں "خالصہ رسولؐ" کی بحث کے ضمن میں کسی قدر تفصیل سے گفتگو کریں گے (۸۲)

۳۔ فیٔ

ہم نے اپنے مقام پر فیٔ کے متعلق تفصیلی کلام کیا ہے یہاں اس کا انحصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ اصطلاح شریعت میں فیٔ سے وہ مال مراد ہے جو کفار سے جنگ و قتال کئے بغیر مسلمانوں کو ملے۔ قرآن کریم میں فیٔ کی یہ تعریف کی گئی ہے:۔

وما افاء اللہ علی رسوله منهم فما او جفتم علیه من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسله علی من یشاء (حشر ۶)

اور جو مال اللہ نے (یہود کے) قبضہ سے نکال کر اپنے رسولؐ کے طرف پلٹا دیئے وہ ایسے مال نہیں ہیں جن پر تم نے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں' بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا کر دیتا ہے۔

جناب رسول اکرم ﷺ کے عہد میں بنو نضیر کے اموال' خیبر کا نصف حصہ' فدک کا آدھا حصہ اور وادی القریٰ کا ایک ثلث (تہائی حصہ) فیٔ میں محسوب ہوتے تھے۔

مصارف فیٔ

فیٔ کے مصارف کی تفصیل قرآن مجید کی سورہ حشر کی آیات ہفتم تا دہم میں بیان کی گئی ہے۔ ان کی رو سے فیٔ کے حق دار مندرجہ ذیل لوگ ہیں:۔

۱۔ اللہ اور اس کے مقدس رسول ﷺ (ذاتی اخراجات اور امت کے عمومی مصارف)

۲۔ ذوالقربیٰ (رسول ﷺ کے قرابت دار' جو ایک روایت کی رو سے تمام قریش ہیں' ایک دوسری روایت کے مطابق بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں اور ایک تیسری روایت کے لحاظ سے صرف بنو ہاشم۔ مگر بالعموم اس سے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ضرورت مند افراد مراد لئے جاتے ہیں)۔

۳۔ یتامیٰ۔ جو صاحب حیثیت نہ ہوں' سن بلوغ تک پہنچنے سے قبل فئی کی رقم کے مستحق ہیں)۔

۴۔ مساکین (وہ بے سہارا افراد جو اپنی روزی کمانے پر قادر نہ ہوں)

۵۔ ابن السبیل (ضرورت مند مسافروں کے زاد راہ اور سفری سہولتوں کی خاطر سرائے' مسافر خانے اور سڑکوں وغیرہ کی تعمیر کے اخراجات)

۶۔ فقرائے مہاجرین جو اللہ کے دین کی حمایت و نصرت کی پاداش میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تائید پر ہمیشہ کمر بستہ رہتے ہیں۔

۷۔ انصار مدینہ جو مستحق اور حاجت مند ہونے کے باوجود اپنے دلوں میں کوئی احتیاج محسوس نہیں کرتے اور مہاجرین کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے ہیں۔

۸۔ وہ لوگ جو ان مسلمانوں کے بعد آئیں گے (والذین جاؤ امن بعد ھم) یعنی رہتی دنیا تک آنے والے مسلمانوں میں سے اہل استحقاق افراد۔

اموال فئی کے یہی مصارف تھے' جن میں اراضی فئی کے حاصلات عہد صدیقی اور خلفائے مابعد کے ادوار میں صرف کئے جاتے تھے۔

امام ابو یوسف کے ایک مندرجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ۱۳ھ میں شام روانگی سے پہلے عراق کے فئی کا خمس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ غالباً اسی بیان کی وجہ سے ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ فئی کی اراضی کا خمس حکومت کا مالیہ تھا۔ عراق اور دوسرے مفتوحہ علاقوں کی وہ

وارث زرعی اراضی جن کے مالک یا تو قتل ہو گئے تھے' یا ساسانی حکومت کے اہل کار تھے اور فتح اسلامی کے نتیجہ میں فرار ہو گئے تھے یا مذہبی جاگیریں جو حکومت کی تبدیلی کے ساتھ اسلامی حکومت کے قبضے میں آ گئی تھیں اور انھیں مقامی آبادی کو کاشت کے لئے دے دیا گیا تھا' یا پھر وہ اراضی جو ممالک مفتوحہ میں بغیر کسی قتال کے مسلمانوں کی ملی تھیں اور جنھیں مقامی باشندے اجارہ پر کاشت کر رہے تھے' قیاس چاہتا ہے کہ ہمارے فقہاء نے انھیں کو فئی کے نام سے موسوم کیا ہے اور انھیں کے خمس کے داخل بیت المال کئے جانے کا ذکر کیا ہے۔

ویسے ''فئی'' کی اصطلاح کے استعمال میں کسی قدر بے احتیاطی اور عمومیت سے بھی کام لیا گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس خمس فئی سے مراد وہ بالمقطع رقم خراج ہو جو اہل عراق یا دوسرے باشندگان علاقہ جات مفتوحہ نے ادا کی ہو اور جزیہ کی رقم سے جو اشخاص پر عائد شدہ محصول ہے' اسے ممتاز کرنے کے لئے خراج اور فئی کے ناموں سے بیان کیا گیا ہو۔ (۸۳)

۴۔ جزیہ

اسلامی مملکت کی بالادستی قبول کرنے والے غیر مسلموں کو بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنے اور اندرونی شورشوں سے مامون رکھنے کی ذمہ داری اسلامی حکومت کی ہے۔ ایسے لوگوں کو شریعت کی اصطلاح میں اہل الذمہ (ذمی) کہا جاتا ہے۔ جس طرح مسلمانوں پر جہاد فرض ہے' اہل الذمہ پر حکومت اسلامیہ کی حراست و حفاظت کی غرض سے جنگ وقتال لازمی نہیں ہے' اسی طرح اہل اسلام پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے جب کہ اہل الذمہ پر اسکی فرضیت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس بناء پر حفاظت و حراست کے عوض اور زکوٰۃ کے بدل کے بطور اہل الذمہ پر اسلامی حکومت جو محصول عائد کرتی ہے اس کو جزیہ کہا جاتا ہے۔ جزیہ گویا فوجی خدمات سے استثناء کا معاوضہ اور زکوٰۃ کا بدل قرار پایا۔ جزیہ کوئی نیا محصول نہیں ہے۔ اسلام سے قبل یونانی ایشیائے کوچک کے باشندوں سے اور ساسانی و بازنطینی حکومتیں اپنے اپنے مفتوحہ ملکوں کے باشندوں سے ایک قسم کا محصول وصول کرتی تھیں۔ اسلام نے اس کی جو شرح مقرر کی وہ نہایت موزوں تھی اور اس میں جس نرمی و لطف کا رویہ اختیار کیا' یونان'

روم و فارس والوں کے ہاں اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھا۔ اسلام نے اس ضمن میں بھی عدل و رواداری کو ملحوظ رکھا ہے۔

جزیہ وہ محصول ہے جو اہل الذمہ کے اشخاص پر عائد کیا جاتا تھا۔ عورتیں، بچے، بوڑھے، جسمانی اور ذہنی معذور، مذہبی پیشوا، مسکین اور محتاج افراد اس کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھے۔ گویا جس قسم کے مسلمانوں پر جہاد فرض تھا اسی طرح کے اہل الذمہ پر جزیہ واجب ٹھہرایا گیا تھا۔ جزیہ کی ادائیگی کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

قاتلوا الذين لايومنون بالله ولاباليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم الله و رسوله ولا يدينون دين الحق من الذين اوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغروف (توبہ۲۹)

اہل کتاب جو نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر، اور وہ نہ حرام سمجھتے ہیں ان چیزوں کو جنھیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ دین حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے قتال کرو، یہاں تک کہ تمھارے مطیع فرمان ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ کی رقم ادا کریں۔

قرآن مجید کی اس آیت کی رو سے صرف اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے جزیہ قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن جناب رسول ﷺ نے مجوس ہجر اور بحرین سے جزیہ وصول کیا تھا جزیہ کا حکم چونکہ غزوۂ تبوک کے بعد آیا اور اس وقت تک عرب کے بت پرست اسلام قبول کر چکے تھے اس لئے آپ ﷺ کے زمانے میں بت پرستوں سے جزیہ کی رقم وصول نہ کی گئی اور جزیہ صرف یہود یمن، نصارائے نجران اور مجوس ہجر و بحرین سے وصول کیا گیا۔ بعد میں ائمہ نے جزیہ کی وصول یابی کے لئے کوئی استثنا نہیں رکھا اور امام ابو حنیفہ، امام مالک و امام احمد بھی نے غیر مسلم سے خواہ یہود ہوں، خواہ نصاریٰ، خواہ مجوس ہوں، خواہ صابئین، خواہ سامرہ اور خواہ بت پرست جزیہ لینے کو جائز قرار دیا ہے اور اسی پر ہر دور میں اسلامی حکومتوں کا عمل رہا ہے۔

جزیہ کی شرح

جزیہ کی شرح عہد رسالت و عہد صدیقی میں متعین نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ہر شخص سے ایک دینار یا اس کی قیمت کے کپڑے کی بطور جزیہ وصولی کا حکم دیا۔ اسی طرح اہل نجران سے دو قسطوں میں دو ہزار حلہ جزیہ کی مد میں وصول کیا گیا۔ یہی صورت حال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں رہی۔ آپ کے زمانے مین ہجر اور بحرین کے مجوس نے جزیہ ادا کیا۔ عراق کے مختلف مقامات مثلاً قادسیہ، الیس، بانقیا، صندوداء، قرقیسیا وغیرہ سے جزیہ کی رقوم مدینہ آئیں۔ کتاب الخراج کے ایک مندرجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بانقیا سے اسی (۸۰) ہزار درم اور حیرہ سے ساٹھ ہزار درم جزیہ کی مد میں مدینہ آئے۔ حیرہ کے مردوں کی کل تعداد سات ہزار تھی جس میں سے ایک ہزار افراد جزیہ سے مستثنیٰ کر دیئے گئے اور چھ ہزار آدمیوں کے جزیہ کی رقم ساٹھ ہزار درم وصول کی گئی۔ یوں دس درم یا ایک دینار فی کس کی شرح جو عہد رسالت میں تھی وہی عہد صدیقی میں بھی باقی رکھی گئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جزیہ کی جو شرح مقرر کی گئی وہی بعد کے ادوار میں قائم رہی اور اسی کو فقہاء نے معیاری شرح قرار دیا۔ یہ شرح یہ تھی:۔

۱۔ اہل ثروت سے ۴۸ درم سالانہ

۲۔ متوسط الحال افراد سے ۲۴ درم سالانہ

۳۔ عام اہل حرفہ وغیرہ سے ۱۲ درم سالانہ

اہل الذمہ سے جزیہ کی جو رقم وصول کی جاتی تھی اس کا ایک حصہ ضرورت مند ذمیوں ہی پر صرف کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اہل حیرہ سے یہ معاہدہ کیا گیا تھا کہ ان کے معذور بوڑھوں اور بے روزگار افراد کی مالی اعانت اور ان کے اہل و عیال کی بھی خبر گیری کی جائے گی۔ جزیہ کے دوسرے مصارف خلیفہ اسلام کی صواب دید پر منحصر تھے اور انہیں مختلف مدات میں حسب ضرورت خرچ کیا جاتا تھا۔ (۸۴)

۵۔خراج

اصطلاح میں خراج سے مال یا حاصلات (پیداوار) کی ایک مقررہ رقم مراد ہے۔ یہ ان اراضی پر عائد کیا جاتا ہے جنھیں مسلمانوں نے لڑ کر فتح کیا ہو خلفاء نے محاربین میں تقسیم کرنے کے بجائے ان کو مسلمانوں کا وقف قرار دے کر مقامی کاشتکاروں کے قبضہ میں رہنے دیا ہو اور وہ حکومت کی مقرر کردہ شرح سے بیت المال کو یہ رقم ادا کرتے ہوں۔ یہ خراج مال یا غلہ کی ایک مقررہ مقدار ہوتی تھی یا پھر زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار کا ایک متعین حصہ اس صورت کو 'معاملہ' یا 'مزارعۃ' کہتے تھے۔ پہلی صورت عراق کی اراضی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عائد کردہ خراج سے متعین ہوتی ہے اور دوسری صورت رسول اکرم ﷺ کا وہ معاملہ ہے جو آپ نے اہل خیبر کے ساتھ کیا۔ خراج کی شرح کا تعین ائمہ کے اجتہاد پر موقوف ہے اس ضمن میں قرآن کی کوئی نص وارد نہیں ہے۔ اسی طرح اس کے مصارف کے تعین کا مدار بھی اجتہاد ہی پر ہے۔ عموماً خراج کی آمدنی 'عسکری اخراجات' عمومی مصارف اور ناگہانی ضروریات پر صرف کی جاتی تھی۔ خلافت راشدہ میں خراج کی مقدار کا کوئی واضح تعین نہیں تھا حتیٰ کہ بعض مورخین نے جزیہ کی رقم اور خراج کی رقم کو باہم خلط ملط کر دیا ہے' حالانکہ اہل الذمہ کی اراضی پر عائد کردہ محصول خراج کہلاتا تھا اور ان کی ذات پر جو مقررہ رقم مقرر کی گئی تھی اسے جزیۃ الروس (جزیہ) کہتے تھے اور دونوں میں واضح فرق تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں خراج کی مد میں خیبر کی اراضی کے حاصلات یا ان کی قیمت اور بعض دوسرے علاقوں کے محصولات تھے۔ اسی طرح بحرین' یمن' یمامہ اور ہجر سے بھی بالمقطع رقوم جو مرکز کو بھیجی جاتی تھیں ان میں خراج کی مد سے وصول ہونے والی آمدنی بھی شامل ہوتی تھی۔ عراق کے نو مفتوحہ علاقوں سے حضرت خالد بن ولید نے جو رقوم مرکز کو روانہ کیں' وہ سب کی سب جزیہ یا غنیمت ہی سے تعلق نہ رکھتی تھیں بلکہ ان میں زرعی پیداوار کی آمدنی بھی محسوب تھی۔ مثلاً حیرہ کے لوگوں سے جو ایک لاکھ نوے ہزار درم وصول ہوئے وہ سب کے سب جزیہ نہیں' بلکہ خراج اراضی کی مد میں وصول ہوئے تھے۔ جزیہ تو

ساٹھ ہزار درم پہلے ہی وصول کیا جا چکا تھا۔ یوں عہد صدیقی میں خراج کی رقوم عرب کے علاوہ عراق وغیرہ سے جو وصول ہوئیں' وہ غیر منتظم تھیں۔ اس صیغے کی تنظیم عہد فاروقی میں ہوئی (۸۵)

نظام التزام

زرعی جاگیر کا نظام عہد نبویؐ میں موجود تھا۔ چنانچہ آپ نے قبیلہ مزینہ یا جہینہ کے لوگوں کو زراعت کی غرض سے اراضی عطا فرمائی تھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ طریقہ جاری رہا چنانچہ آپ نے یمامہ کے مجاعہ بن مرار کو خضرامہ نامی جاگیر دی تھی۔ اسی طرح قبیلہ جہینہ اور بنو سلیم کی معاون کا خمس بھی وصول ہوتا تھا۔ (۸۶)

حکومت کے مصارف

ملکی آمدنی کے جو مصارف قرآن و سنت میں متعین ہیں' ان کو انھیں مدات میں خرچ کیا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ عسکری ضروریات' عمال حکومت کی تنخواہ اور مدینہ کے عام مسلمانوں کو خاص خاص موقعوں پر رقوم کی ادائیگی بھی کی جاتی تھی۔ تنخواہ کی مد میں محصلین زکوٰۃ کے علاوہ مکہ کے عامل حضرت عتاب بن اسید اموی کی ساٹھ درم ماہانہ تنخواہ اور خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تنخواہ جس کی مجموعی رقم باختلاف روایت چھ ہزار درم تھی' ادا کی گئی۔ دوسرے عمال کو بھی تنخواہ دی جاتی تھی یا نہیں' تاریخ سے اس کا پتا نہیں چلتا' مگر قیاس چاہتا ہے کہ دوسرے صوبہ جاتی عمال بھی ضرور روزینہ کے طور پر تنخواہ پاتے ہوں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق مدینہ کے ضرورت مندوں میں ضروری کپڑے بھی تقسیم کرتے تھے۔ ان اخراجات کے بعد عام اہل مدینہ کو جو عطایا دیئے گئے وہ خلافت صدیقی کے پہلے سال ہر شخص کو سات (۷) درم کے حساب سے تھے اور دوسرے سال یہ رقم بیس (۲۰) درم فی کس کے حساب سے ادا کی گئی۔ تقسیم عطایا میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مساوات قائم رکھی اور لوگوں کے اصرار کے باوجود سبقت الی الایمان یا کسی اور امر کو وجہ ترجیح نہ بنایا (۸۷)

بیت المال

بیت المال کا قیام عہد نبوی میں عمل میں آ چکا تھا۔ چنانچہ عہد صدیقی میں بھی یہ موجود تھا۔ ابتداء میں یہ سخ کے مقام پر تھا پھر حضرت ابو بکر صدیق کے مدینہ منتقل ہونے کے بعد بیت المال بھی مدینہ آ گیا۔ لیکن بالعموم اس میں کوئی بڑی رقم نہیں ہوتی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد جب اسے کھلوایا گیا تو تھیلے سے صرف ایک دینار نکل سکا۔ (۸۸)

''حواشی''

(الف)

(۱) امام راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص ۱۵۶، مطبوعہ نور محمد کراچی، سن طباعت ندارد

(۲) ابن خلدون، المقدمہ، ص ۱۹۱، مطبوعہ التجاریۃ الکبریٰ، قاہرہ سن طباعت ندارد

(۳) القرآن، سورہ النور، آیت ۵۵: مودودی، اسلامی ریاست، ص ۳۲۰، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۷۹ء

(۴) ابن خلدون، مقدمہ، ص ۱۹۱

(۵) حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلامی السیاسی، جلد اول، صفحہ ۳۲۹، مطبوعہ النہضۃ المصریہ قاہرہ ۱۹۶۴ء

(۶) ابوالحسن الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۵، مطبوعہ مصطفیٰ بابی حلبی، قاہرہ ۱۳۸۱ء

(۷) ایضاً صفحہ ۶

(۸) ایضاً صفحہ ۶

(۹) ابن خلدون، المقدمہ، صفحہ ۱۹۲، ۱۹۴، وبعد (خلفیہ کے قریشی النسب ہونے کی بحث کو طول دینا غیر ضروری تھا، اس لئے ہم نے اسے انتصار کے ساتھ قلم بند کر دیا ہے، اگر تفصیل درکار ہو تو ابوالکلام آزاد کی ''مسئلہ خلافت'' اور پروفیسر آرنولڈ کی ''The Caliphate'' کا مطالعہ کریں

(۱۰) ازالۃ الخفاء، اول، ص ۵، سعید احمد اکبر آبادی، صدیق اکبر، صفحہ ۱۰۹،

طبری ۴ص ۴۲۷ و بعد

(۱۱) صحیح مسلم' دوم' ص ۲۷۳

(۱۲) سیوطی' تاریخ الخلفاء' ص ۳۳

(۱۳) اسد الغابہ' ۳:۲۰۸؛ سہیلی ۱:۱۶۵؛ ابن ہشام' ۱:۱۶۵؛ انساب الاشراف' ۱:۱۹۳ تا ۱۹۶؛ اسد الغابہ' ۵:۵۸۰؛ بخاری ۱:۵۱۹' ۵۵۲ و ۵۵۳

(۱۴) ابن ہشام' ۱:۲۴۶

(۱۵) سیوطی' تاریخ الخلفاء' ص ۳۴

(۱۶) ازالۃ الخفاء ۱:۴۸ و ۲:۹

(۱۷) بخاری' ۱:۵۵۲؛ سہیلی' ۲:۴؛ انساب الاشراف' ۱:۲۵۷ تا ۲۶۱؛ ابن ہشام' ۲:۲ و بعد

(۱۸) انساب الاشراف' ۱:۳۲۱

(۱۹) بخاری' ۱:۵۵۵' ابن ہشام' ۲:۶۸' ۱۳۷' ۲۲۸' ۲۳۰ و ۲۳۱

(۲۰) بخاری' ۱:۳۸۰

(۲۱) ازالۃ الخفاء' ۲:۱۶ و ۱۷

(۲۲) ابن سعد' ۲:۱۶۸' ۱۶۹؛ مسعودی ۲:۱۹۷

(۲۳) ابن ہشام' ۲ ۳۶۸ و ۳۶۹

(۲۴) ابن سعد' ۲:۲۱۲' ۳:۱۷۸؛ ابن ہشام' ۲:۳۷۰

(۲۵) ابن سعد ۳:۱۸۳

(۲۶) سیوطی' تاریخ الخلفاء' ص ۵۲

(۲۷) بخاری' ۱:۱۶۶؛ ۵۱۷' ۵۱۸؛ طبری' ۳:۲۰۰ و ۲۰۱؛ انساب الاشراف' ۱:۵۶۳ و ۵۹۶

(۲۸) سیوطی' تاریخ الخلفاء' ص ۵۶' ابن سعد' سوم' ص ۱۸۲

(۲۹) سیوطی' تاریخ الخلفاء' ص ۶۲' فتوح البلدان' ص ۱۰۴ و بعد؛ طبری' ۳:۲۴۱ و بعد

(۳۰) طبری' ۳:۲۴۹؛ رسول اکرم کی سیاسی زندگی' ص ۱۹۴ تا ۱۹۶ و ۱۹۸

(۳۱) ابن ہشام' ۲:۳۷۳

(۳۲) سیوطی' تاریخ الخلفاء' ص ۶۴

(ب)

(۳۳) شاہ ولی اللہ' حجۃ اللہ البالغۃ' ۱:۱۴۹' مطبوعہ سلفیہ' لاہور' ۱۳۹۵ھ

(۳۴) امام مالک' الموطاء' ص ۳۰۵؛ فتوح البلدان' ص ۱۰۳

(۳۵) سیوطی' تاریخ الخلفاء ص ۶۲

(۳۶) بخاری' ۲:۶۷۶ و ۷۴۵

(۳۷) ابو یوسف' کتاب الخراج' ص ۱۹ تا ۲۱' مطبوعہ سلفیہ مصر ۱۳۸۲ھ

(۳۸) ابن اثیر' الکامل فی التاریخ' ۲:۲۹۲

(۳۹) ابن سعد' جلد دوم' ص ۳۵۰

(۴۰) بلاذری' انساب الاشراف' ۱:۵۲۹؛ فتوح البلدان' ص ۸۰ و ۹۲؛ طبری' ۳:۴۲۶ و ۴۲۷؛ حسن ابراہیم حسن' تاریخ الاسلام السیاسی' ۱:۴۵۲' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۹۶۴ء

(۴۱) الکامل' ۲:۱۹۲ و ۲۷۰

(۴۲) رجوع کنید بحوالہ ۴۰

(۴۳) مسند امام احمد' ۱:۶' مطبوعہ قاہرہ ۱۳۱۳ھ

(۴۴) فتوح البلدان' ص ۹۲

(۴۵) طبری' ۳:۳۸۴

(۴۶) طبری' ۳:۲۸۱

(۴۷) طبری ۳: ۳۹۲

(۴۸) طبری ۳: ۳۹۰، ابن اثیر ۲: ۲۷۶

(۴۹) مقدمہ ابن خلدون، ص ۲۳۷

(۵۰) ابن اثیر ۲: ۲۸۹

(۵۱) طبری ۳: ۴۲۶؛

(۵۲) طبری ۳: ۴۲۶؛ ابن اثیر ۲: ۲۸۹؛ اسد الغابہ ۳: ۱۱۵، مطبوعہ بولاق مصر ۱۲۸۶ھ

(۵۳) ابن واضح یعقوبی، تاریخ یعقوبی ۲: ۱۳۸، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۹۶۰ء

(۵۴) طبری ۳: ۳۹۰ و ابن اثیر ۲: ۲۷۶

(۵۵) مسند امام احمد ۱: ۶

(۵۶) ابن اثیر ۲: ۲۷۷

(۵۷) ابن سعد ۳: ۲۱۳؛ ابن اثیر ۲: ۲۹۱؛ تاریخ الخلفاء، ص ۶۵ و ۶۶

(۵۸) ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۱۴۳ و ۱۴۴

(۵۹) اسد الغابہ ۳: ۳۵۹

(۶۰) الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۱۴۰

(۶۱) ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۴۲؛ ابن سعد ۳: ۱۹۳

(۶۲) ابن اثیر ۲: ۲۹۱

(۶۳) ابن اثیر ۲: ۲۹۰

(ج)

(۶۴) ابن خلدون، مقدمہ، ص ۲۷۰ و بعد

(۶۵) ابن خلدون، مقدمہ، ص ۲۷۳

(۶۶) جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، جزء اول، صفحہ ۱۸۰ و بعد، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۸ء

(۶۷) طبری، جز سوم، ص ۳۹۶

(۶۸) تاریخ التمدن الاسلامی، اول، ص ۱۸۸ و مقدمہ ۲۷۳

(۶۹) ابن اثیر جلد دوم، ص ۲۶۹

(۷۰) طبری جلد سوم ص ۳۹۶

(۷۱) طبری، جلد سوم، ص ۳۹۴

(۷۲) تاریخ التمدن الاسلامی، اول، ص ۱۹۲ تا ۱۹۶ و صبحی صالح، النظم الاسلامیہ، ص ۵۰۱ تا ۵۰۶، مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

(۷۳) عہد صدیقی میں کسی جنگ میں قلعہ شکن آلات کا استعمال نہیں کیا گیا۔ بنیادی مصادر اس کے ذکر سے یکسر خاموش ہیں۔ حالانکہ حیرہ وغیرہ کے محاصروں میں ان سے کام لیا جا سکتا تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا۔

(۷۴) تاریخ التمدن الاسلامی، اول، ص ۱۸۸ و طبری سوم ص ۳۸۷ و ۳۸۸ و بر مواقع کثیرہ

(۷۵) طبری سوم، ص ۳۹۷

(۷۶) ابن قتیبہ، عیون الاخبار کتاب الحرب، ص ۱۲۷، مطبوعہ مصر ۱۹۲۳ء

(۷۷) عیون الاخبار، اول ص ۱۰۸ و ۱۰۹

(۷۸) طبری، سوم ص ۳۴۳، ۳۴۷، ۳۷۲

(د)

(۷۹) ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۷۶

(۸۰) مصدر سابق و طبری جلد سوم، ص ۲۶۸ و بر مواقع کثیرہ

(۸۱) مختصر القدوری مع التنقیح الضروری مجتبائی، دہلی ۱۳۲۱ھ ص ۴۳ تا ۵۰؛ الماوردی،

الاحکام السلطانیہ' ص۱۱۳ تا ۱۲۵؛ صبحی صالح' النظم الاسلامیہ' ص ۳۵۵ تا ۳۵۸؛ حسن ابراہیم حسن' تاریخ الاسلام السیاسی' اول ص ۴۶۸ تا ۴۷۰؛ مسلمانوں کا نظام حکمرانی' ص ۴۷۸ تا ۴۸۳؛ ابو یوسف' کتاب الخراج' ص ۲۱' ۲۲ و ۱۳۵

(۸۲) ابو یوسف' کتاب الخراج' ص ۱۹' وبعد؛ یحیٰ بن آدم قرشی' کتاب الخراج' مطبوعہ المکتبۃ العلمیہ لاہور ۱۳۹۵ء' ص ۱۵ وبعد؛ سیوطی' تاریخ الخلفاء' ص ۶۵ و ۶۶؛ الماوردی' الاحکام السلطانیہ' ص ۱۳۸ و بعد؛ النظم الاسلامیہ' ص ۳۶۶ وبعد؛ مسلمانوں کا نظام حکمرانی' ص ۴۸۶ وبعد

(۸۳) ابو یوسف' کتاب الخراج' ص ۲۱ وبعد؛ قرشی کتاب الخراج' ص ۱۵' ۱۷' ۳۱' ۳۲ و ۳۴؛ ابوداؤد' سنن مطبوعہ ایچ ایم سعد اینڈ سنز کراچی' ۱۳۹۳ھ ۲: ۷۰' الماوردی' الاحکام السلطانیہ' ۱۲۷ وبعد؛ النظم الاسلامیہ' ص ۳۶۸؛ مسلمانوں کا نظام حکمرانی' مطبوعہ ایوان اشاعت کراچی ۱۹۵۲ء' ص ۴۸۴' تاریخ الاسلام السیاسی' جلد اول' ص ۴۷۲' ابو یوسف' کتاب الخراج' ص ۱۳۶

(۸۴) ابو یوسف کتاب الخراج' ص ۱۲۸' ۱۲۹' ۱۳۱' ۱۴۲ تا ۱۴۷؛ الماوردی' الاحکام السلطانیہ' ص ۱۴۲ تا ۱۴۶؛ تاریخ الاسلام السیاسی' جلد اول' ص ۴۷۰ تا ۴۷۲؛ النظم الاسلامیہ' ص ۳۶۲ تا ۳۶۵؛ مسلمانوں کا نظام حکمرانی' ص ۴۷۲ تا ۴۷۷

(۸۵) ابو یوسف' کتاب الخراج' ص ۲۳ وبعد؛ الماوردی' الاحکام السلطانیہ' ص ۱۴۶ وبعد؛ تاریخ الاسلام السیاسی' اول' ص ۴۶۱ وبعد؛ النظم الاسلامیہ' ص ۳۵۹ وبعد؛ مسلمانوں کا نظام حکمرانی' ص ۴۵۶ تا ۴۷۱

(۸۶) مسلمانوں کا نظام حکمرانی' ص ۴۶۵ وبعد؛ تاریخ اسلام السیاسی' اول' ۴۶۵ وبعد؛ ابن سعد' جلد سوم' ص ۱۵۱

(۸۷) ابو یوسف' کتاب الخراج' ص ۴۲' ۴۳' و ۱۴۴؛ ابن سعد' سوم ص ۱۸۷' ۱۹۳' ۲۱۳'؛ ابن اثیر' دوم' ص ۱۴۸' ۱۹۰' ۱۹۱؛ سیوطی' تاریخ الخلفاء' ص ۶۵ و ۶۶؛ تاریخ الاسلام السیاسی' ص ۴۷۵

(۸۸) ابن اثیر' جلد دوم' ص ۱۲۶ و ۲۸۹؛ النظم الاسلامیہ' ص ۳۴۸؛ ابن سعد' سوم' ص ۲۱۳

باب ہشتم

”خالصہء رسول کی بحث“

میراث کا مرافعہ

روایات سے متبادر ہوتا ہے کہ بیعت خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے یہ مرافعہ کیا کہ فئی کی جو اراضی جناب رسول اللہ ﷺ کا خالصہ تھیں، وہ ان دونوں میں وراثۃً تقسیم کردی جائیں کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے وارث ہیں اور ترکۂ رسول ان کی میراث ہے

حضرت ابوبکر صدیق کا فیصلہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر ان کے دعویٰ کو مسترد کردیا کہ میں نے جناب رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ :۔لا نورث ماترکنا صدقة ، انما یاکل آل محمد فی هذا المال ۔ (۱) یعنی ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ (وقف) ہوگا۔ بیشک محمد کے گھر والے اس مال کا کچھ حصہ بقدر ضرورت میری زندگی تک کھائیں گے۔“ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”من یرثك اذا مت ؟“ (”جب آپ کا انتقال ہوگا تو آپ کا وارث کون ہوگا ؟“) اس کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ولدی واهلی “ (میرے وارث میرے بیٹے بیٹیاں اور میرے اہل خاندان ہوں گے“) اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں ”مابالك ورثت

رسول اللہ دو ننا ؟ (تو پھر آپ ہمارے بجائے رسول اللہ کے وارث کیسے بن بیٹھے؟“)
حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: ”اے بنت رسول میں تمھارے باپ کا سونے چاندی وغیرہ کا وارث نہیں ہوا۔“ اب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”مجھے رسول اللہ کے خیبر کے سہام اور فدک کے وقف کی میراث دیجئے۔“ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ یہ اراضی خیبر و فدک میری وجہ معاش ہیں جو اللہ نے مجھے میری زندگی میں کھلایا ہے، جب میں مرجاؤں گا تو یہ مسلمانوں کے مصارف میں ہونگی (انما هی طعمة اطعمنیها الله حیاتی فاذامت فهی بین المسلمین)(۲)

ان دونوں حضرات کے دعویٰ میراث کو مسترد کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا:

انی واللہ لااغیر شیأ من صدقة رسول الله صلی الله علیه وسلم من حالها التی کان علیها فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا عملن فیها بما عمل به رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ فابی ابوبکر ان یدفع الی فاطمة منها شیئاً ۔(۳)

خدا کی قسم میں رسول اللہ ﷺ کے صدقہ (وقف) میں اس حالت سے جس پر وہ رسول خدا ﷺ کے زمانے میں تھا، ذرا بھی تبدل و تغیر نہ کروں گا اور اس کے متعلق وہی کرونگا جو خود جناب رسول اللہ ﷺ کرتے تھے۔ یوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو صدقۂ رسول میں سے کچھ دینے سے انکار کردیا“

اس سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ دعویٰ داران میراث صدقات (اوقاف) عہد رسالت کے عمل کو بدل کر انہیں ذاتی ملکیت بنالینا چاہتے تھے، اسی لئے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کردیا اور اس بات پر سختی سے قائم رہے کہ ان صدقات کے جو مصارف عہد نبویؐ میں تھے انہیں کو ہر قیمت پر برقرار رکھا جائے گا۔ ایک

دوسری حدیث سے جسے امام بخاری ہی نے روایت کیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میرے وارثوں میں درم و دینار تقسیم نہیں کیئے جائیں گے، میری بیویوں کے اخراجات اور عاملین (صدقات کی وصولی کرنے والوں) کی اجرت کے بعد جو کچھ بچ رہے گا وہ صدقہ (وقف) ہوگا (۴) انھیں وجوہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میراث کے دعویٰ کو مسترد کر دیا۔

بخاری ہی کی ایک اور حدیث سے یہ پتا چلتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی اس میراث کی دعویٰ دار تھیں۔ چنانچہ انھوں نے اس ارادے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں بھیجنا چاہا۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ان سے فرمایا: ''الیس قد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانورث ماترکنا ہ صدقۃ۔ یعنی کیا جناب رسول خدا ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ (وقف) ہوگا۔'' یہ سن کر ازواج مطہرات نے میراث طلبی کا ارادہ بدل دیا۔ (۵)

سطور بالا کا ماحصل یہ ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے وصال کے بعد آپؐ کے زیر تصرف اراضی میں آپؐ کے ورثہ نے اپنے اپنے حصوں کے دعوے کیے چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد واحد زندہ رہنے والی صاحب زادی تھیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہ آپؐ کے بعد آپؐ کے واحد بقید حیات چچا تھے اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے بعض نے خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں رجوع کیا یا کرنا چاہا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ اور حضرت عباس کے دعوؤں کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ رسول خدا ﷺ کے ارشاد کے مطابق آپ کے خالصہ میں کہ فئی و خمس سے تعلق رکھتا تھا کوئی میراث نہیں بلکہ وہ وقف و

صدقہ ہے۔

بظاہر یہ معمولی واقعہ تھا مگر بعد کے زمانوں میں جب مسلمانوں میں فرقہ بندی و تحزب کا آغاز ہوا تو بعض دوسرے امور کی طرح اس مسئلہ میراث کو بھی مابہ النزاع بنا لیا گیا اور اس ضمن میں دور از کار روایات کا ایک انبار تیار کر لیا گیا۔ ہم نے صورت واقعہ کے بیان میں صحیح بخاری کی روایات کو بنیاد بنایا ہے اور ایسا اس لئے کیا ہے کہ صحت و اعتبار کے لحاظ سے دوسری کتابوں خصوصاً تاریخ کی کتابوں کا بخاری اور صحاح ستہ کی روایتوں سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ اس لئے روایۃً وہی بیان اعلیٰ پایہ اعتبار پر قائم ہوگا جس کی توثیق و تائید کتب احادیث، بالخصوص صحیح بخاری سے ہوتی ہو، جہاں تک اس بحث کی درایت کا تعلق ہے اس پر گفتگو سیاست کاری اور حکم رانی کے مسلمہ اصول پر مبنی ہوگی اور کسی تحزب کا اس میں شائبہ نہ ہوگا۔

کونسی اراضی خالصہ رسول تھیں

بحث کے آغاز میں یہ بات صاف ہو جانی چاہئے کہ وہ کونسی اراضی تھیں جو جناب رسالت مآب ﷺ کے تصرف خاص میں تھیں۔ ابوداؤد وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تین صفایا (خالصہ) تھے یعنی بنونضیر، فدک اور خیبر کی اراضی آپ ﷺ نے ان تینوں کو مختلف مصارف کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ بنونضیر کی اراضی کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لئے محفوظ رہتی تھی (کانت حبساً بنوائبہ) فدک کی آمدنی ابناء السبیل (مسافروں) کے اخراجات کے لئے مختص تھی۔ خیبر کی اراضی کو آپ ﷺ نے تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا دو حصوں کی آمدنی مسلمانوں کے مابین تقسیم کر دیتے تھے اور ایک حصہ آپ کے اہل (افراد خانہ) کے خرچ میں صرف ہوتا تھا اس سے جو کچھ بچ رہتا آپ اسے بھی ضرورت مند مہاجرین کی امداد کے لئے رکھ چھوڑتے تھے۔ (۶) اس طور سے جناب رسول خدا ﷺ نے ان تینوں صفایا (خالصہ، اوقاف) کو اسلامی حکومت کے اخراجات کی مختلف مدات کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ بنی نضیر کی اراضی سے جو آمدنی ہوتی

تھی اسے نوائب (مصائب، حوادث یعنی ناگہانی ضروریات) کے لئے محفوظ رکھا جاتا تھا اور جنگ کے سلسلہ میں جو اخراجات پیش آتے یعنی اسلحے کی خریداری سواری کے جانوروں کی فراہمی، مہمات کی ترسیل اور جیوش کی ضروریات وہ اسی آمدنی سے پورے کئے جاتے تھے۔ جب کہ فدک کی آمدنی ابناء السبیل (مسافروں) کے لئے مختص تھی، اس میں قبائل عرب کے وفود کی آمد پر ہونے والے اخراجات بھی شامل تھے اور ایسے ہی دوسرے اخراجات جن کا تعلق اسلامی حکومت کے مہمان داری سے وابستہ امور سے ہو سکتا تھا۔ خیبر کی آمدنی کا دو تہائی عام مسلمانوں کو وظیفہ کے بطور دیا جاتا تھا اور ایک تہائی جناب رسول اکرم ﷺ اپنے اہل خانہ کے اخراجات کے لئے مختص کر دیتے تھے اور اس میں سے بھی جو کچھ بچ رہتا اسے ایسے مسلمانوں کی مدد پر صرف فرماتے جو اسلام کی خاطر بے گھر ہو کر مدینہ میں آ رہتے تھے اور جن کی مالی حالت سقیم تھی۔ روایات میں ان کے لئے "فقراء المھاجرین" کے الفاظ مذکور ہیں (۷) اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اراضی آنحضرت ﷺ کے تصرف میں سربراہ مملکت کی حیثیت میں تھیں، ذاتی حیثیت یا ملکیت کے طور پر آپ ﷺ کے قبضے میں نہ تھیں۔

اس مسئلے کی وضاحت مزید کی غرض سے ان مذکورہ بالا تینوں صفایا کے متعلق کچھ اور عرض کرنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ اراضی مسلمانوں کے قبضے میں کس طرح آئیں اور انھیں کیوں جناب رسالت مآب ﷺ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دینے کے بجائے اسلامی مملکت کے سربراہ کی حیثیت میں براہ راست اپنے تصرف میں رکھا اور مسلمانوں میں خمس غنیمت کے بطور تقسیم نہ فرما دیا۔

اموال بنی نضیر

۴ھ میں بدعہدی اور جناب رسول اکرم ﷺ کو قتل کرنے کی ناپاک سازش کے جرم میں مدینہ کے یہودی قبیلہ بنوالنضیر کے قلعہ کا محاصرہ کیا گیا۔ پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد کسی جنگ کے بغیر یہود بنی نضیر نے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ یہاں سے چلے جائیں گے اور

جنگی ساز و سامان کے علاوہ جس قدر مال منقولہ اونٹوں پر لاد کر لے جا سکتے ہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ ان کی زمینیں، ہتھیار اور کھجور کے باغات رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں آئیں گے۔ اس طور سے بنوالنضیر کی یہ جائیدادیں رسول اللہ ﷺ کا خالصہ قرار پائیں (فکانت اموال بنی النضیر خالصة لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کھجور کے درختوں کے نیچے زمینوں میں کاشت ہوتی تھی جس سے آپ ﷺ کے اہل و ازواج کے لئے سال بھر کا غلہ مل جاتا تھا اور جو بچ رہتا وہ اسلحے اور گھوڑے وغیرہ کی خریداری میں صرف ہوتا تھا۔ بنوالنضیر کے واقعہ کا ذکر قرآن کی سورہ حشر میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اسی لئے اس سورہ کو سورہ بنی نضیر بھی کہا گیا ہے۔ (۸)

خیبر کی اراضی

۷ھ کے آغاز میں یہود خیبر کے خلاف غزوہ پیش آیا۔ یہود خیبر نے کھلے میدان میں لڑنے کے بجائے قلعہ بند ہو کر اپنا دفاع کیا۔ ایک ماہ کے سخت محاصرہ اور وقفہ وقفہ سے مقابلے کے بعد یہود نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ انھیں جان کی امان دی جائے اور وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ خیبر چھوڑ کر چلے جائیں۔ بعد میں خیبر والوں نے جناب رسول اکرم ﷺ سے یہ درخواست کی کہ انھیں خیبر کی اراضی اور نخلستان بٹائی پر دیدیئے جائیں اور فصل کی تیاری کے وقت پیداوار برابر سے ان میں اور مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائے۔ چنانچہ خیبر کی تمام اراضی یہود کے پاس رہنے دی گئیں، فصل کی تیاری کے وقت رسول اللہ ﷺ کے کارندے جا کر نصف پیداوار مدینہ لاتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی یہی معمول رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب ارشاد نبوی کے بموجب یہود کو حجاز سے نکالا گیا تو خیبر کے یہود بھی وہاں سے جلا وطن کر دیئے گئے اور خیبر کی تمام اراضی و نخلستان کو ان لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا، جن کے سہام عہد رسالت سے یہاں مقرر تھے۔ یہی صورت حال بعد کے زمانوں میں بھی باقی رہی۔

اراضی خیبر کی تقسیم

خیبر کی فتح کے بعد آنحضرت ﷺ نے، جیسا کہ کتب احادیث، سیر و تاریخ سے متبادر ہوتا ہے، یہاں کی زرعی زمینوں اور نخلستانوں کو چھتیس (۳۶) سہام پر تقسیم کیا۔ ان میں سے اٹھارہ سہام مجاہدین میں تقسیم کئے گئے اور بقیہ اٹھارہ سہام آپ ﷺ نے اپنے پاس رکھ لئے۔ جو اٹھارہ سہام مجاہدین میں تقسیم کئے گئے۔ ان میں سے ہر سہم میں سو (۱۰۰) حصے کر کے شرکائے غزوہ حدیبیہ کو جن کی کل تعداد چودہ سو نفوس تھی، ایک ایک حصہ دیا گیا۔ حدیبیہ کی مہم میں مسلمانوں کے پاس دو سو گھوڑے بھی تھے، چنانچہ ہر گھوڑ سوار کو دو اضافی حصے دیئے گئے، یوں شرکائے حدیبیہ کے حصے اٹھارہ سو ہوئے اور ان میں سے ہر پیادہ (راجل) کو ایک حصہ اور ہر سوار (فارس) کو تین حصے دیئے گئے۔ حدیبیہ کے تمام شرکا، ماسوا حضرت جابر بن عبداللہ انصاری غزوہ خیبر میں شریک تھے، مگر حصے میں حضرت جابر کو بھی سہیم بنایا گیا۔ مجاہدین میں تقسیم کے بعد وہ اٹھارہ حصے جو جناب رسالت مآب ﷺ نے اپنے پاس رکھ لئے تھے، ان کا جو غلہ اور کھجور فصل کے پکنے پر آتی اسے آپ ﷺ مسلمانوں میں تقسیم کرتے، اپنے اہل و عیال کے اخراجات کے لئے رکھتے اور بنو ہاشم و بنو مطلب کے ضرورت مند افراد کو بھی غلہ اور کھجور دیتے تھے، چنانچہ اس میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دو سو وسق، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک سو وسق، حضرت اسامہ بن زید کو دو سو وسق غلہ اور پچاس وسق کھجور، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دو سو وسق، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سو وسق اور دوسرے حضرات کو آپ حسب ضرورت دیتے تھے۔ بنو مطلب بن عبدمناف سب سے زیادہ ضرورت مند تھے، اس لئے انھیں سب سے زیادہ دیا گیا۔ یہی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے زیر تصرف حصہ میں اپنے قرابت داروں، اپنی ازواج مطہرات اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کو ہر فصل پر غلہ اور کھجور دیتے تھے، بلکہ بعض قبائل کے حق میں وصیت بھی فرمائی تھی کہ انھیں بھی خیبر کے حاصلات سے غلہ اور کھجوریں دی جائیں، مثلاً بنو الدارین کے حق میں جو شام سے آپ کے پاس آئے تھے آپ نے بطور

خاص وصیت فرمائی تھی۔ روایات سے پتا چلتا ہے کہ خیبر کی اراضی کو دو حصوں میں اس کی درواد یوں (ندیوں) کے لحاظ سے تقسیم کیا گیا تھا۔ یہ دو وادیاں، وادی السریر اور وادی خاص تھیں۔ وادی السریر میں واقع قلعہ نطاۃ اور قلعہ الشق کے اٹھارہ سہام (الشق کے تیرہ اور نطاۃ کے پانچ) مجاہدین حدیبیہ میں اٹھارہ سو حصوں کی تعداد میں بانٹے گئے اور وادی خاص میں واقع قلعہ الکتیبہ کے اٹھارہ سہام رسول اللہ ﷺ کے تصرف میں اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت میں رہے اور آپ ﷺ انھیں اپنے اخراجات کے علاوہ اہل اسلام کے مصالح میں صرف فرماتے تھے۔ (۹)

مصارف خیبر کی تفصیل

اس وقف کے مصارف کی تفصیل کتابوں میں موجود ہے۔ بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ اپنی ہر زوجہ محترمہ کو اسی (۸۰) وسق کھجور اور بیس (۲۰) وسق جو دیتے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق، عباس بن عبدالمطلب، بنو مطلب اور حضرات حسن و حسین کو بھی جو اور کھجور میں سے حصے عطاء فرماتے تھے نیز مہمانوں، قبائلی وفود اور ناگہانی ضروریات میں بھی خیبر کے اس وقف کی آمدنی سے اخراجات کئے جاتے تھے۔ (۱۰) محمد بن سعد نے لکھا ہے کہ ازواج مطہرات و بنو مطلب کے علاوہ بنو دوس اور مہاجرین حبشہ کو بھی خیبر کی پیداوار سے حصہ دیا جاتا تھا۔ (۱۱) ابوداؤد کی ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (۱۲)

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ خیبر کی وہ اراضی جو وادی خاص سے متعلق تھیں اور الکتیبہ اور اس کے قرب و جوار پر مشتمل تھیں وہ اللہ، اس کے رسول، ذوی القربیٰ، مساکین، اور یتامیٰ کا خمس اور ازواج مطہرات اور مسلمانوں کے خورد و نوش کے لئے تھیں۔ (۱۳) یہی روایت طبری میں بھی موجود ہے۔ (۱۴) ان تمام بیانات سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ خیبر کی نصف اراضی جو کھیتوں اور کھجور کے باغات پر مشتمل تھیں، جناب رسول اکرم ﷺ کے تصرف خاص میں اس لئے تھیں کہ آپ مسلمانوں کے پیشوا اور قائد کی حیثیت سے ان کی

آمدنی ضرورت کے مطابق اور حکومت کی مصلحتوں کے پیش نظر حسب موقع خرچ کرتے تھے۔ یہ ساری اراضی آپ کی ذاتی ملکیت نہیں تھیں، بلکہ وقف (صدقہ) کے بطور اسلامی مملکت کے سربراہ کی حیثیت میں آپ ان میں متصرف تھے۔ اس لئے ان میں وراثت کے قوانین کا نفاذ نہیں ہوسکتا تھا، پھر حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بھی دوسروں کی طرح اس میں سے جو اور کھجوریں دی جاتی تھیں۔

فدک

فدک کی کیفیت یہ ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے خیبر سے واپسی کے موقع پر حضرت محیصہ بن مسعود انصاری کو فدک والوں کے پاس کہ مذہباً یہودی اور پیشہ کے اعتبار سے کاشت کار تھے، اسلام کی دعوت دینے کی غرض سے بھیجا۔ فدک کا رئیس یوشع بن نون نامی ایک یہودی تھا۔ یہاں کے لوگوں نے اسلام تو قبول نہیں کیا، مگر اہل خیبر کے انجام بد کو دیکھ کر عبرت پکڑی اور اپنی نصف اراضی مسلمانوں کو دے کر صلح کر لی۔ سو نصف فدک رسول اللہ ﷺ کا خالصہ ہوگیا، کیوں کہ یہاں کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی۔ بلاذری اور دوسرے ارباب سیر کا بیان ہے کہ فدک کی آمدنی کو جناب رسول اکرم ﷺ ابناء السبیل (مسافروں، مہمانوں اور وفود) کی میزبانی پر صرف فرماتے تھے۔ اہل فدک سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک اپنی نصف زمینوں پر مالکانہ حیثیت سے قابض رہے۔ جب رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے بموجب حجاز سے یہود کو نکال دیا گیا تو اہل فدک کی نصف اراضی کی قیمت انہیں ادا کر دی گئی اور یہ لوگ فدک سے شام کی طرف چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ادوار میں فدک مسلمانوں کا وقف (صدقہ) رہا اور اس کی آمدنی اسلامی ریاست کے مصالح پر صرف ہوتی رہی۔ حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے زمانوں میں بھی فدک سرکاری تحویل میں رہا اور اس کے مصارف وہی رہے جو عہد رسالت میں تھے، ہر چند کہ اب یہاں کے سارے نخلستان اور تمام اراضی مسلمانوں کی ملکیت تھیں۔ نصف صلحاً اور نصف قیمتاً، حکومت اسلامیہ کی

تحویل میں آئیں۔ بنوامیہ کے زمانے میں مروان بن حکم نے فدک کو اپنی ذاتی ملکیت بنالیا۔ ان سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو فدک پر وراثتہ قبضہ و تصرف حاصل ہوا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فدک سے متعلق اپنے دادا مروان کے طرز عمل کو ناپسند کیا اور اسے پھر انہیں مصارف کے لئے وقف کر دیا جو عہد رسالت و خلافت راشدہ میں تھے۔ اس وقت سے ۲۱۰ھ تک فدک کی یہی حیثیت رہی کہ وہ مسلمانوں کا وقف (صدقہ) تھا۔

مامون نے ۲۱۰ھ میں اپنے مذہبی خیالات کی بنا پر جہاں متعہ اور تبراء کے احیاء کی کوشش کی وہیں فدک کو یہ کہہ کر کہ آنحضرت ﷺ نے اسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا، بنوحسین کو لوٹا دیا۔ حضرت حسین بن علی کے خاندان کے دو افراد محمد بن یحییٰ اور محمد بن عبداللہ کو فدک کا نگران مقرر کیا۔ مگر جب ۲۳۲ھ میں خلفیہ المتوکل علی اللہ مسند آرائے خلافت ہوا تو اس نے مامون کی روش سے انحراف کیا اور فدک کو آل حسین کے قبضہ سے واگزار کرا کر پھر مسلمانوں کا وقف (صدقہ) بنا دیا۔ (۱۵)

یہ صفایا فئی رسول تھے

جناب رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا تینوں صفایا، یعنی اموال بنی النضیر، اراضی خیبر و فدک فئی کے حکم میں آتے ہیں۔ جہاں تک اموال بنی النضیر اور نصف فدک کا تعلق ہے ان کے فئی ہونے پر سبھی کا اتفاق ہے کیوں کہ ان پر کسی جنگ کے بغیر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تھا۔ (۱۶) خیبر کی صورت حال ذرا مختلف ہے

فئی کی تعریف

ہم پہلے فئی کے مصارف اور فقہاء نے اس کی جو تعریف کی ہے، انہیں بیان کریں گے قرآن کی سورہ الحشر کی آیات ششم تا ہم میں، بنوالنضیر کے اموال کے سلسلہ میں فئی کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"وما افاء اللہ علی رسولہ منہم فما او جفتم علیہ من خیل ولا

رکاب (آیت ۶)

''اور جو مال اللہ نے (یہود کے) قبضہ سے نکال کر اپنے رسول کی طرف پلٹا دیئے وہ ایسے نہیں ہیں جن پر تم نے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں۔''

اسی بناء پر کتاب الخراج میں یحییٰ بن آدم قرشی (متوفی ۲۰۳ھ) نے فئی کی یہ تعریف کی ہے کہ:۔

الفئی ماصالح علیھا المسلمون بغیر قتال لیس فیه خمس فھو لمن سمی اللہ و رسوله (۱۷)

یعنی فئی وہ جائیداد ہے جو کسی جنگ کے بغیر مسلمانوں کو (محاربین سے) صلح کے ذریعے حاصل ہو، ایسے اموال میں خمس نہیں ہے بلکہ یہ ان لوگوں کا حق ہے جن کی نشان دہی اللہ اور اس کے رسولؐ نے کی ہے۔

فئی کے خرچ کی مدات

فئی کی آمدنی سے انتفاع کے کون لوگ مستحق ہیں اور اس کے اخراجات کی مدات کیا ہیں، اسی کا بیان اس سورہ حشر کی اگلی آیتوں میں یوں آیا ہے:۔

ماافاء اللہ علی رسوله من اھل القری فللہ و للرسول و لذی القربی و الیتمٰی والمساکین و ابن السبیل کی لایکون دولة بین الاغنیاء منکم (آیت ۷)

جو کچھ بھی اللہ ان بستیوں کے رہنے والوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے، وہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے۔

اس آیت کے بعد اگلی آیتوں میں مزید مستحقین کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً فقراء مہاجرین کا:۔

للفقراء المھاجرین الذین اخر جو امن دیار ھم واموالھم

یبتغون فضلاً من اللہ و رضواناً وینصرون اللہ و رسوله اولئک ھم الصادقون (آیت ۸)

نیز وہ مال غریب مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کئے گئے ہیں، یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی حمایت کرتے ہیں، یہی راست باز لوگ ہیں۔

اس کے بعد انصار مدینہ کو بھی فئی کی آمدنی میں شریک کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

والذین تبعووا الدار والایمان من قبلھم (آیت ۹)

اور ان اہل ایمان کے لئے بھی ہے جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ میں مقیم تھے۔

اس کے بعد سورہ الحشر کی اگلی آیت میں فئی کے اموال میں قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے حصہ کا ذکر فرمایا گیا ہے، جو اس کا بین ثبوت ہے کہ اموال فئی اسلامی حکومت کے تصرف میں ہوں گے اور ان کی حیثیت صدقہ (وقف) کی ہوگی، ارشاد ہوا:۔

والذین جاؤا من بعد ھم (آیت ۱۰)

اور (فئی کے اموال) ان لوگوں کے لئے بھی ہیں جو ان اگلوں (مہاجرین و انصار) کے بعد آئیں گے۔

سورہ الحشر کی ان آیات کی رو سے اموال فئی کے مصارف کی مخصوص مدات نو ۹ ہیں۔

ان میں اللہ کا ذکر افتتاح کلام اور برکت کی غرض سے آیا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ فئی کے حاصلات کو پانچ سہام (حصوں) میں تقسیم فرماتے تھے، ایک حصہ آپ ﷺ کا جسے آپ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مصارف کے لئے مختص کر دیا تھا، دوسرا حصہ ذوی القربیٰ کے لئے مخصوص تھا، اس میں سے آپ بنو ہاشم اور بنو مطلب کی امداد فرماتے تھے، بنو مطلب کو، ابن ہشام کی روایت کے مطابق، یہ حصہ اس لئے دیا جاتا تھا کہ وہ نہایت ضرورت مند تھے۔ تیسرا حصہ یتیموں کی مالی مدد اور نگہداشت پر صرف

ہوتا تھا، جبکہ چوتھا حصہ مساکین کی اعانت کے لئے الگ کیا جاتا تھا اور پانچواں حصہ ابناء السبیل یعنی مسافروں، مہمانوں اور مدینہ میں قبائل کے وفود پر خرچ کیا جاتا تھا۔ ان مصارف کے علاوہ ضرورت مند مہاجرین، اہل حاجت انصار اور ان کے بعد آنے والے مسلمانوں پر بھی فئی کے اموال میں سے خرچ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ مہاجرین حبشہ کو، قبائل دوس کے افراد کو اور بنو داریین کو اور حضرت سہل بن حنیف انصاری اور حضرت ابو دجانہ ساک انصاری کو مثلاً اموال فئی میں سے جناب رسالت مآب ﷺ نے حصے دیئے تھے۔ (۱۸) آپ ﷺ کے وصال کے بعد اموال فئی کے مصارف کے بارے میں شوریٰ کا انعقاد ہوا۔ امام ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق جو محمد بن حنفیہ سے مروی ہے، صحابہ کرام میں اس امر پر اختلاف رائے تھا کہ جناب رسول اکرم ﷺ اور ذوالقربیٰ کے سہام کس کے حصے میں آئیں۔ صحابہ کے ایک گروہ کی یہ رائے تھی کہ رسول ﷺ کا حصہ ان کے جانشین (خلیفہ) کو ملنا چاہئے۔ اسی طرح بعض حضرات کی رائے تھی کہ ذوالقربیٰ کا سہم حسب سابق رسول اکرم ﷺ کے قرابت داروں کے لئے مختص ہونا چاہئے۔ ایک طویل بحث کے بعد صحابہ کرام نے یہ فیصلہ کیا کہ فئی کے دو سہام (رسول ﷺ اور ذوالقربیٰ کے حصے) مسلمانوں کی جنگی ضروریات کے لئے وقف ہوں گے اور ان کی آمدنی سے اسلامی افواج کے لئے اسلحہ، سواری اور بار برداری کے جانور خریدے جائیں گے۔ اس طور سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اموال فئی کے تین مصارف باقی رکھے گئے، یعنی یتامیٰ، مساکین اور ابناء سبیل۔ یہی صورت حال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک باقی رہی۔ قاضی ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی وہی تقسیم روا رکھی جو حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ادوار خلافت میں تھی۔

ایک دوسری روایت کی رو سے، جسے محمد بن اسحاق نے ابو جعفر محمد الباقر رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے، یہ معلوم ہوتا ہے اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہی رائے تھی جو ان کے اہل خاندان (اہل بیت) کی تھی، مگر انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی

عنہما کے فیصلہ کے خلاف کچھ کرنے کو ناپسند کیا (لکنہ کرہ ان یخالف ابابکر و عمر رضی اللہ عنہما) بہر کیف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی فئی کے اموال کو مسلمانوں کا وقف (صدقہ) ہی رکھا (۱۹)

شیعی روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنت شیخین کو اس لئے نہ بدلا کہ مبادا خود ان کے حامی اور اہل عسکران کے خلاف ہو جائیں کیوں کہ شیخین کی سنت سے انحراف کو وہ لوگ پسند نہ کرتے تھے۔ (۲۰)

خمس کی حقیقت

فئی سے متعلق اس بحث کے بعد خمس کی حقیقت پر بھی غور کر لینا مناسب ہوگا، کیوں کہ خیبر میں لڑائی ہوئی تھی اور اسے مسلمانوں نے عنوۃً (بزور شمشیر) فتح کیا تھا۔ غنیمت کے احکام سورہ انفال میں بیان فرمائے گئے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:۔

واعْلَمُوْا انّما غَنِمْتُم مّن شيءٍ فانّ للّٰهِ خُمُسَهٗ و للرسولِ و لذى القربى و اليتمٰى و المسٰكينِ و ابنِ السبيل (آیت ۴۱)

اور جان لو کہ لڑائی میں تم کو جو غنیمت کا مال ملے، تو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا ہے۔

غنیمت اور مال غنیمت کی تقسیم

امام یحییٰ بن آدم قرشی نے کتاب الخراج میں غنیمت کی تعریف یہ کی ہے:۔

ان الغنیمة ما غلب علیه المسلمون با لقتال حتیٰ یا خذوه عنوة (۲۱)

غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جس پر اہل اسلام جنگ کر کے بزور و جبر غلبہ و قبضہ حاصل کریں۔

قاعدہ یہ تھا کہ اختتام جنگ کے بعد تمام منقولہ اشیاء لونڈی اور غلام ایک جگہ جمع کی

جاتی تھیں۔ ان کا پانچواں حصہ علیحدہ کر کے بقیہ چار حصے مغانمین (مجاہدین) میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ جہاں تک غیر منقولہ اموال و اراضی کا تعلق ہے انھیں تقسیم نہیں کیا جاتا تھا۔ ان کے متعلق جناب رسول اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ کبھی انھیں مغانمین میں تقسیم فرما دیتے تھے اور کبھی انھیں تقسیم نہ فرماتے تھے اور کبھی کچھ حصے تقسیم کر دیتے تھے اور کچھ حصے قومی ضروریات کے لئے مخصوص کر دیتے تھے، اس کی مثال میں مکہ کی اراضی کو دیکھا جائے تو آپ ﷺ نے انھیں تقسیم نہیں فرمایا بلکہ وہاں کے باشندوں کے قبضے میں رہنے دیا، اسی طرح خیبر کی نصف اراضی مجاہدین میں بانٹ دیں اور نصف آخر کو وقف کے بطور اسلامی ریاست کی آئندہ کی ضروریات کے لئے محفوظ کرلیا۔

چنانچہ امام یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں حاصل ہونے والی غیر منقولہ جائیدادیں (اراضی) امام یعنی سربراہ ریاست کی تحویل میں ہوں گی، اگر وہ مناسب سمجھے گا تو ان کے پانچ حصے کر کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دے گا اور اگر اس کی یہ رائے ہو کہ انھیں تقسیم نہ کیا جائے تو وہ مسلمانوں کا فئی ہوں گی اور ہمیشہ اس حیثیت میں باقی رہیں گی کیونکہ جناب رسول اکرم ﷺ نے کبھی قتال کے نتیجہ میں ہاتھ آنے والی اراضی کو مسلمانوں کا وقف قرار دیا اور کبھی ان میں سے کچھ حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے تھے۔ (۲۲) فقہاء کے مابین اس بارے میں اختلاف رائے رہا ہے، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مال غنیمت میں حاصل ہونے والی اراضی وقف علی المسلمین ہوں گی۔ اس کے برعکس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں غنیمت کی اراضی دیگر اموال غنیمت کی طرح خمس نکال کر مغانمین میں تقسیم کر دی جائیں گی، اور یہ کہ مغانمین از خود اس تقسیم سے دست بردار ہو جائیں تو یہ اراضی مسلمانوں کا وقف ٹھہریں گی۔ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اراضی غنیمت سے متعلق امام کو اختیار ہے خواہ وہ انھیں مجاہدین میں تقسیم کر دے اور یہ اراضی عشری ہو جائیں یا پھر انھیں مشرکین (پرانے قابضین) کے قبضے میں رہنے دے اور ان سے خراج وصول کرے یا پھر تمام مسلمانوں پر انھیں وقف کر دے (۲۳) بہرکیف مجتہدین کی

ایک جماعت کا یہ موقف ہے کہ:۔

الارض لا تخمس لا نهافئی وليست بغنيمة لان الغنيمة لاتوقف والارض ان شاء الامام وقفها وان شاء قسمها كما يقسم الفئی فليس فی الفئی خمس ولكنه لجميع المسلمين فلم يبق احد من المسلمين الادخل فی ذلك (۲۴)

اراضی کو خمس بطور تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ فئی ہے، غنیمت نہیں ہے کیونکہ غنیمت وقف نہیں کی جا سکتی جب کہ اراضی کو اگر امام چاہے تو وقف قرار دے سکتا ہے اور اگر چاہے تو فئی کی طرح تقسیم کر سکتا ہے اور فئی میں خمس نہیں ہے بلکہ وہ تمام مسلمانوں کے لئے وقف ہے سو اس (فئی) کی (آمدنی) میں سارے کے سارے مسلمان داخل (اور اس کے مستحق) ہیں

۔

اس بناء پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سواد (عراق) کی اراضی کو فئی قرار دیا تھا۔ چنانچہ عراق کی تسخیر کے بعد آپ نے والی عراق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ حکم بھیجا تھا:۔

فقد بلغنی كتابك تذكر فيه ان الناس سالوك ان تقسم بينهم مغانمهم وما افاء الله عليهم ،فاذا اتاك كتابی هذا ، فانظر ما اجلب الناس عليك به الی العسكر من كراع ومال ، فاقسمه بين من حضر من المسلمين واترك الارضين والا نهارلعمالها فيكون ذلك فی اعطيات المسلمين ، فانك ان قسمتها بين من حضرلم يكن لمن بعده شیء (۲۵)

مجھے تمھارا خط ملا، جس میں تم نے یہ ذکر کیا ہے کہ لوگ تم سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ تم ان میں ان کے مال غنیمت اور فئی کو تقسیم کر دو۔ سو جب تمھیں میرا یہ خط ملے، تو لوگوں نے جنگ میں حاصل شدہ جو گھوڑے اور دوسرے جانور اور مال لشکر میں لا جمع کئے ہیں، انھیں

جنگ میں حاضر مسلمانوں کے درمیان بانٹ دو اور اراضی اور نہریں حکومت کے کارندوں کے لئے چھوڑ دو تاکہ ان کی آمدنی مسلمانوں کے عطیات میں خرچ ہوں کیونکہ اگر تم نے ان سب کو موجودہ لوگوں میں تقسیم کر دیا تو بعد میں آنے والوں کے لئے کچھ بھی باقی نہ رہے گا (اور حکومت وامت کے امور مختل ہو جائیں گے۔)

اراضی خیبر بھی فئی تھیں

ان دلائل کی بناء پر خیبر کی اراضی بھی فئی قرار پاتی ہیں اور ان کا حکم بھی فئی ہی کا ہے، اس لئے ابن شہاب زہریؒ کے نزدیک خیبر کی اراضی فئی تھیں (کانت خیبر مما افاء الله علی رسوله) (۲۶)

اموال بنی نضیر، اراضی خیبر و فدک سے متعلق احکام، سنت رسول اللہ ﷺ اور تعامل خلفائے راشدین و اجماع امت کی حقیقت جان لینے کے بعد کہ یہ سب مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی ضروریات کے لئے وقف کی حیثیت رکھتی تھیں اور حکومت اسلامیہ کے عسکری و رفاہی اخراجات ان سے پورے ہوتے تھے اب ہم ایک بار پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دعویٰ میراث کا جائزہ لیں گے، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اس سلسلہ میں فریقین میں سے کس کا موقف درست اور شریعت اسلامیہ کے مطابق تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بر بنائے اتباع حق و صلاح امت تھا اور اس میں ان کی کوئی ذاتی غرض یا شخصی فائدہ نہیں تھا، کیونکہ تنازع اس امر پر تھا کہ ان اوقاف کو ورثائے رسول ﷺ کو دے دیا جائے یا حکومت کی تحویل میں رکھ کر عہد رسالت کے طریقوں پر صرف کیا جائے۔ تنازع یہ نہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سربراہ مملکت کے بطور یہ اوقاف دیدیئے جائیں، بلکہ بعض حضرات کی یہ رائے تھی بھی مگر اسے خود خلیفۃ الرسول اور دیگر صحابہ کرام نے پسند نہ کیا، اس لئے دعویٰ میراث کی بنیاد اس بات پر تھی کہ ایک خاندان یا ایک فرد کو اوقاف حکومت سے انتفاع کرنے کا بالکلیہ حق ہے یا پھر ان سے استفادہ تمام امت مسلمہ کا یکساں حق ہے۔ کسی کو یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ ہم ایسا اپنی

ذاتی رائے کی بناء پر کہہ رہے ہیں، کیونکہ ان اوقاف (صدقات) کے دعویٰ کے دو فریقوں کے حامیوں کے دعوؤں کی بنیاد اسی امر پر ہے۔ جمہور مسلمین کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عمل حجت ہے اور اوقاف رسول ﷺ امت محمدیہ کی فلاح کے لئے مختص ہیں جب کہ اہل التشیع کے نزدیک یہ سارے کے سارے اوقاف حضرت فاطمہ کی ذاتی ملکیت ہیں از روئے وراثت بھی اور از روئے ہبہ بھی اور ان سے حق انتفاع تا قیام قیامت اولاد فاطمہ کو حاصل ہے

شیعی نقطۂ نظر

مشہور شیعی محدث وفقیہہ ابوجعفر محمد بن یعقوب الکلینی الرازی (متوفی ۳۲۹/۳۲۸ھ) اپنی کتاب الکافی (الاصول) الجزء الاول کی کتاب الحجہ باب الفئی والانفال میں فرماتے ہیں :"اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا ساری کی ساری اپنے خلیفہ (نائب) کے لئے بنائی ہے۔ سو یہ ساری دنیا حضرت آدم علیہ السلام کو ملی، ان کے بعد ان کے خلفاء اور نیکوکار اولاد (لابرار ولده و خلفائه) کو اس کی ملکیت منتقل ہوئی، سو جن چیزوں پر ان کے دشمن غالب وقابض ہو گئے اور وہ انھیں جنگ یا غلبہ کے ذریعہ لوٹا دی گئیں وہ فئی کہلائیں اور اس فئی کا حکم سورہ انفال کی چالیسویں آیت کے مطابق یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصہ (خمس) اللہ، رسول، رسول کے ذوالقربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور ابناء سبیل (مسافروں) کے لئے ہے اور اموال دنیا میں سے جو ان (نیکوکار اولاد آدم وخلفاء) کی طرف جنگ وقتال کے بغیر لوٹا دیا جائے وہ انفال ہے۔ یہ (انفال) اللہ اور رسول کے لئے مخصوص ہے اس میں کسی اور کا کوئی حصہ و شرکت نہیں ہے کیونکہ شرکت اموال میں ہے جن کے لئے قتال کیا گیا ہو۔ یہ انفال اللہ اور رسول ﷺ کے لئے خاص (مختص) ہیں فدک بھی رسول اللہ ﷺ کے لئے مخصوص تھا کیونکہ اسے آپ نے اور جناب امیر المومنین (حضرت علی) علیہ السلام نے فتح کیا تھا اور ان صاحبوں کے ساتھ اس میں کوئی اور شخص شریک نہ تھا (۲۷) اس لئے اس سے فئی کا نام ساقط ہو کر انفال کا نام لازم ہو گیا (یعنی یہ فئی کے بجائے انفال قرار پائے)۔" (۲۸)

فئی وانفال کے سہام کے اصول

اس کے بعد فئی اور انفال کے سہام سے متعلق اصول بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :۔

''رسول اللہ اور اللہ کے سہام (حصے) ان کے بعد اولی الامر (امام) کے لئے بربنائے وراثت ہیں، سو اس کے تین سہام ہوئے (ایک اللہ کا، دوسرا رسول کا اور تیسرا ذوالقربیٰ کا) ان میں سے دو وراثت میں اسے ملے اور تیسرا خود اللہ نے اس کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ جو سہام یتیموں، مسکینوں اور مسافروں (ابناء سبیل) کے لئے ہیں وہ بھی اہل بیت کے یتامیٰ، اہل بیت کے مساکین اور اہل بیت کے ابناء سبیل، کے لئے مختص ہیں (فسهم ليتاماهم ، وسهم لمساكينهم وسهم لا بناء سبيلهم) اور یہ سہام ان کے درمیان کتاب وسنت کے حکم کے مطابق تقسیم کئے جائیں گے۔''(۲۹)

اس اصول کے مطابق فئی اور انفال سارے کے سارے ائمہ اور ان کے اہل خاندان کی تحویل میں دیدیئے گئے ہیں۔ ائمہ کے تین حصے اور بقیہ تین حصے اہل بیت کے مساکین، یتامیٰ وابنائے سبیل کے لئے ہوئے۔ ائمہ کے تین حصوں میں سے دو (اللہ اور رسول کے) حصے انھیں وراثت کے بطور اور تیسرا انھیں اللہ کی تقسیم کی رو سے ملتا ہے۔ اس کی توجیہہ یہ کی گئی ہے کہ ''قرابت داران رسول ﷺ کی لوگوں کے میل (اوساخ الناس، زکوٰۃ و صدقات) سے تنزیہہ (پاکی) اور کرامت کی خاطر ایسا کیا گیا ہے۔ (۳۰) اس کے بعد اوقاف رسول ﷺ کے متعلق ائمہ، اہل بیت کے دعوے کے بارے میں اسی اصول الکافی کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے:۔

امام موسیٰ کاظمؒ کا بیان

''ابوالحسن (امام موسیٰ الکاظم) نے (عباسی خلیفہ) المہدی سے شکایت کی کہ ہم پر جو ظلم ہوا ہے اس کی تلافی کی جائے۔ المہدی کے استفسار پر آپ (امام موسیٰ الکاظم) نے

فرمایا۔ جب اللہ نے نبی ﷺ کے لیئے فدک اور اس کے قرب و جوار (الفدك وما والاها) کو مفتوح و مسخر کر دیا تو اللہ نے نبی ﷺ پر وحی نازل کی'' (ات ذاالقربى حقه) قرابت دار کو اس کا حق دے دو'' مگر رسول ﷺ یہ نہ جان پائے کہ ''ذوالقربیٰ'' کون ہیں۔ (فلم يدر رسول الله صلى الله عليه وآله من هم)، اس لئے انھوں نے جبرئیل سے دریافت کیا۔ جبرئیل (کو بھی معلوم نہ تھا اس لئے انھوں) نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا۔ پس اللہ نے یہ وحی اتاری کہ ''فدک فاطمہ علیہا السلام کو دے دو (ادفع فدك الى فاطمة عليها السلام)، تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کو بلوایا اور کہا کہ:۔ ''اے فاطمہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں فدک دے دوں (ادفع اليك فدك)۔'' حضرت فاطمہ بولیں: ''اے اللہ کے رسول میں نے فدک کو اللہ اور آپ کی جانب سے قبول کیا۔'' سو اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں حضرت فاطمہ کے کارندے (وکلاء) فدک کا انتظام کرتے رہے جب ابوبکر والی ہوئے تو انھوں نے حضرت فاطمہ کے کارندوں کو فدک سے نکال دیا (اور اس پر قبضہ کر لیا) اس لئے حضرت فاطمہ نے ابوبکر کے پاس جا کر فدک کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ابوبکر نے اس بات کی (کہ فدک جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کو دے دیا تھا) شہادت طلب کی۔ انھوں نے امیر المومنین (حضرت علی) علیہ السلام اور ام ایمن کو گواہ کے بطور پیش کیا۔ اس پر ابوبکر نے فدک سے تعرض نہ کرنے (یعنی حضرت فاطمہ کی ملکیت) کا پروانہ لکھ کر ان کو دے دیا۔ حضرت فاطمہ یہ تحریر لے کر نکلیں تو راستے میں عمر سے ان کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ عمر نے پوچھا:۔ ''اے بنت محمد تمھارے ہاتھ میں کیا؟'' حضرت فاطمہ نے جواب دیا: ''ایک تحریر ہے جو میرے حق میں ابوقحافہ کے بیٹے نے لکھ کر دی ہے۔'' عمر نے اسے دیکھنا چاہا مگر حضرت فاطمہ نے انکار کیا، اس پر عمر نے وہ کاغذ ان کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اسے پڑھا، اس پر تھوک دیا اور بعد ازاں اسے مٹا کر پھاڑ ڈالا (''ثم تفل عليه و محاه و خرقه'') اور حضرت فاطمہ سے کہا: ''فدک پر تمھارے باپ نے جنگ کے ذریعہ قبضہ نہیں کیا تھا کہ تم اس بناء پر

ہمیں اپنا غلام بنالو۔"

فدک کے حدود اربعہ

(یہ ساری باتیں سن کر) المہدی نے کہا: "اے ابوالحسن (امام موسیٰ الکاظم) ذرا اس کا حدود اربعہ تو بتائیے۔" انھوں نے کہا: "ایک حد اس کی احد کا پہاڑ ہے، دوسری حد عریش (مصر) ہے، اس کی تیسری حد سیف البحر (ساحل سمندر) ہے اور چوتھی حد دومۃ الجندل نامی مقام ہے۔" اس پر المہدی بول اٹھا: "اکل ھذا؟ (کیا یہ سارے علاقے آپ کی ذاتی و موروثی ملکیت ہیں)" امام موسیٰ الکاظم نے جواب دیا: "ہاں اے امیر المومنین! یہ سارے علاقے ایسے ہیں جن کے باشندوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ نے جنگ نہیں کی تھی (اور ان پر بے لڑے بھڑے آپ کا قبضہ ہوا تھا)" یہ سن کر المہدی بول اٹھا "یہ تو بہت بڑا علاقہ ہے۔"

فدک کے وسیع تر حدود اربعہ

ایک دوسری روایت میں جو انھیں امام موسیٰ الکاظم سے مروی ہے مگر جس میں مخاطب عباسی خلیفہ ہارون الرشید ہے فدک کے جو حدود اربعہ جناب امام علیہ السلام نے بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں۔ "فدک کی ایک حد عدن ہے، دوسری حد سمرقند ہے، تیسری حد افریقہ ہے اور چوتھی حد بحر آرمینیہ۔ فدک کی اس وسیع و عریض سرحد کا حال سن کر ہارون الرشید کا چہرہ سیاہ ہوگیا اور اس نے امام سے کہا کہ: "آپ نے تو ہمارے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا۔" فدک کی یہ دونوں حد بندیاں نہایت مبالغہ آمیز ہیں اور انہیں فدک کی واقعی حدود اربعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ملا باقر مجلسی کی تاویل

ملا باقر مجلسی نے اس کی تاویل یہ فرمائی ہے کہ غالباً اس سے امام کی مراد یہ ہے کہ یہ تمام علاقے فدک کے حکم میں داخل ہیں گویا دعویٰ ان سب پر تھا اور فدک کا نام محض مثالاً و

تغلیباً تھا (۳۱) دوسرے لفظوں میں فدک ایک اصطلاحی نام ہے جو شاید بطور توریہ خلافت کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور چونکہ تمام مفتوحہ علاقے جو کسی زمانے میں بھی مسلمانوں کے قبضے میں آئے، امام کی میراث و ملکیت قرار پائے ہیں۔ اس لئے وہ سب ان کی زیر نگرانی اور ان کی عمل داری میں محسوب ہوئے چونکہ ہمارا موضوع بحث خالصہ رسول ﷺ ہے، یہ امر کہ تمام ممالک اسلامیہ فدک کے حکم میں داخل ہیں؟ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس لئے ہم اسے یہیں ختم کرتے ہیں۔

فدک کی سالانہ آمدنی

ہاں یہ ضرور بتا دینا چاہتے ہیں کہ شیعی روایت میں فدک کی آمدنی چوبیس ہزار دینار سالانہ یا بروایت دیگر ستر ہزار دینار سالانہ بتائی گئی ہے اور یہ جائیداد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جناب رسول اکرم ﷺ نے بحار الانوار ہی کے مندرجہ کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مہر میں بطور میراث دی تھی (۳۲)

شیعی روایات پر نقد و نظر

اس خطیر رقم کو، جو اس زمانے میں حتیٰ کہ آج کے دور میں بھی نہایت کثیر ہے، حضرت خدیجہ کا مہر قرار دینا اور پھر دیگر اعزہ کو محروم کر کے جناب رسول اکرم ﷺ کا اسے صرف ایک بیٹی کو عطاء کر دینا، حد درجہ مستبعد ہے اس زرخیز و بیر حاصل جائیداد کے حصول کے بعد حضرت علی و حضرت فاطمہ کی مالی حالت نہایت مستحکم ہونی چاہیے تھی، حالانکہ روایت و واقعات سے اس کی تائید نہیں ہوتی اور ۷ھ سے ۱۱ھ تک جناب رسالت مآب بقید حیات تھے اور فدک کا حضرت فاطمہ کے تصرف میں ہونا بتایا جاتا ہے، بنتِ رسول کی مالی حالت حد درجہ سقیم تھی فشتان مابینہما۔

خالصہ رسول کی میراث پر اصرار

خالصہ رسول کے متعلق دعویٰ میراث کی حقیقت عام کتب تاریخ سے بھی واضح ہوتی

ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات پر اصرار رہا کہ ان کا انتظام ان کو تفویض کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو تو اس میں یہاں تک غلو تھا کہ ذوالقربیٰ کے سہم کے اخراجات سے متعلق بھی ان کا یہ بیان بلاذری نے انساب الاشراف میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بنو ہاشم کی بیوہ عورتوں کی شادی اور قرض داروں کے قرض کی ادائیگی کی پیش کش کی جسے ان لوگوں نے منظور نہیں کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ وہ رقم ہمیں دی جائے ہم اسے خود خرچ کریں گے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا۔ (۳۳)

حضرات علی وعباس میں تنازعہ

غالباً اس انکار کی وجہ یہ تھی کہ حسب روایت امام بخاری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں حضرات عثمان، عبدالرحمان بن عوف، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے کہ حضرات علی وعباس رضی اللہ عنہما نے اندر آنے کی اجازت طلب کی چنانچہ وہ بھی بلا لئے گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایتہً کہا کہ اے امیر المومنین بنو نضیر کے خالصۂ رسول ﷺ کے انتظام سے متعلق میرے اور علی (رضی اللہ عنہ) کے مابین فیصلہ فرما دیجیے، (یا امیر المومنین اقض بینی و بین ھذا یعنی علیاً وھما یختصمان فیما افاء اللہ علی رسولہ من مال بنی النضیر) اس پر حضرت عثمانؓ اور دوسرے حاضر اصحاب نے حضرت عمرؓ سے کہا: "یا امیر المومنین اقض بینھما وارح احدھما من الاخر" (یعنی اے امیر المومنین ان دونوں صاحبوں کے مابین فیصلہ کر کے ایک کو دوسرے سے اس کا حق دلوا دیجیے) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ صاحبوں کو اللہ کی قسم ہے کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہ فرمایا تھا کہ "لانورث ماترکنا صدقۃ" (یعنی کوئی ہمارا وارث نہ ہوگا ہم جو چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ (مسلمانوں کا وقف) ہوگا۔ سب نے کہا ہاں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا۔

حضرت عمر کا فیصلہ

اب حضرت عمرؓ نے حضرات علیؓ وعباسؓ سے دریافت فرمایا کہ آپ کو خدا کی قسم ہے کیا رسول ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا۔ ان دونوں حضرات نے کہا ہاں آپ ﷺ نے ایسا فرمایا تھا۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ نے خالصہ رسول سے متعلق آنحضرت ﷺ کے عمل کو بیان فرما کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تعامل کو بیان کیا جس کی تمام حاضرین بشمول حضرات علیؓ وعباسؓ نے تائید کی۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جب مسلمانوں کا ولی (امیر) ہوا تو دو سال تک میں بھی اس وقف کا اسی طرح انتظام کرتا رہا جس طرح جناب رسول اللہ ﷺ اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کرتے رہے تھے۔ بعد ازاں اے عباس آپ نے آ کر اپنے برادر زاد (بھتیجے) کا حصہ (میراث) مانگا اور اے علی آپ نے اپنی زوجہ (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) کا اپنے باپ کی میراث میں سے حصہ طلب کیا۔ میں نے آپ دونوں سے یہی کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "لانورث ماترکنا صدقۃ"۔ بعد ازاں میں نے اس شرط پر اموال بنو النضیر کو آپ دونوں کی نگرانی میں دے دیا کہ آپ ان کا وہی انتظام کریں گے جو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق اور میرے ابتدائی دور میں تھا۔ آپ دونوں اس شرط پر راضی ہوئے تو میں نے خالصہ آپ کی نگرانی میں دے دیا۔ اب آپ حضرات اس کا وہ فیصلہ چاہتے ہیں جو اس عمل اور شرط کے خلاف ہے، مگر خدا کی قسم میں عہد رسالت وعہد صدیق اور اپنے ابتدائی عہد کے عمل کے خلاف ان اموال کا کوئی فیصلہ نہیں کروں گا اگر آپ لوگ اس پر عمل نہیں کر سکتے تو انہیں لوٹا دیجیے میں ان کا مناسب انتظام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ یہ روایت صحیح بخاری کی کتاب المغازی باب قرض الخمس میں بالتفصیل مذکور ہے میں نے اس کی تلخیص کر دی ہے۔ یہی روایت صحیح بخاری کی کتاب الفرائض میں بھی ہے مگر وہاں مابہ النزاع خالصہ کا نام مذکور نہیں ہے۔ (۳۴) اس بنا پر "صدیق اکبر" کے مولف مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم نے محدثین کی رائے کے برخلاف تمام خالصہ رسول کو اس میں شامل سمجھا ہے، جو یقیناً غلط ہے۔ (۳۵) یہی روایت

سنن ابی داؤد جلد دوم میں بھی موجود ہے، وہاں بھی مابہ النزاع ''صدقۃ'' میں اموال بنی النضیر کا نام مذکور ہے۔(۳۶)

تنازع کی نوعیت

بہر کیف اس روایت سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرات عباس وعلی رضی اللہ عنہما کو اموال فئی (خالصہ رسول) حتیٰ کہ سہام ذوالقربیٰ کے انتظام کو بھی اپنی ذاتی نگرانی میں لینے کا اصرار تھا اور جب ایک مختصر عرصے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے سپرد ایک خالصہ کا انتظام کیا تو آپ میں تنازع پیدا ہوا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ شکایت ہوئی کہ انہوں نے سارے اختیارات خود سنبھال لئے ہیں اور انہیں اس میں شریک نہیں کیا ہے۔

حضرت عمر کا خدشہ

اس بناء پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس خدشے کا اظہار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک بار کیا تھا کہ اگر بنو ہاشم کو کوئی عہدہ دیا گیا تو وہ اموال فئی و خمس میں سے ایک رقم کو اپنا حق سمجھ کر ذاتی تصرف میں لے آئیں گے جس سے مسلمانوں کا مال ضائع ہو جائے گا۔(۳۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ محض خیال نہ تھا بلکہ امر واقعی بھی یہی تھا۔ چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عبداللہ بن عباس بصرہ کے گورنر مقرر کئے گئے تو وہ بصرہ کے بیت المال سے سنہ ۴۰ھ میں کافی رقم لے کر مکہ واپس چلے آئے اور حضرت علی کی باز پرس پر جواباً کہلا بھیجا کہ میں نے تو کم لیا ہے، میرا حق تو اس سے زیادہ بنتا ہے اور حضرت علی ان سے بصرے کے بیت المال سے بے اجازت لی ہوئی یہ رقم واپس بھی نہ لے سکے۔(۳۸) شیعی روایت میں اس رقم کی مقدار بیس لاکھ درہم بتائی گئی ہے، جو یقیناً مبالغہ آمیز ہے کیوں کہ بصرہ کے بیت المال میں اس دور انتشار میں اتنی بڑی رقم کی موجودگی مشکوک

ہے۔(۳۹) بہر کیف فئی اور خمس میں دعویٰ میراث سے بیت المال میں خورد برد اور اموال مسلمین کے زیاں کا جو خطرہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ظاہر کیا وہ امر واقعہ تھا۔

حضرت فاطمہ کی ناراضگی کی حقیقت

اب اس مسئلہ کا ایک پہلو باقی رہ جاتا ہے وہ ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراضگی۔ اس پر شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفاء اور قرۃ العینین میں اور شاہ عبدالعزیزؒ نے تحفہ اثنا عشریہ میں گفتگو کی ہے۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ نے اپنی کتاب صدیق اکبر میں بھی اس پر بحث کی ہے، لیکن ان حضرات کا بیان معذرت خواہانہ اور اس بناء پر تشنہ ہے۔(۴۰)

امام ابن تیمیہ کا قول فیصل

امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب منہاج السنۃ میں اس پر نہایت تفصیل سے کلام کیا ہے، جو ان کے تبحر علمی، جرات ایمانی اور اتباع شریعت کی اعلیٰ مثال ہے۔ ہم سطور ذیل میں اس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں:-

''یہ روایت کہ اپنے خلاف فیصلہ کے سبب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں، جب تک زندہ رہیں ان سے بات نہ کی اور مرتے وقت یہ وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ و تدفین میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وغیرہ شریک نہ ہوں، یہ بات جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی شان کے منافی ہے اور ان مدح کے بجائے اس میں ان کی ذم کا پہلو نکلتا ہے۔ کیوں کہ اگر کوئی یہ چاہے کہ حاکم (ولی امر) اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف اس کے حق میں فیصلہ کرے اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں وہ حاکم سے ناراض ہو جائے اور یہ قسم کھائے کہ اس سے بات نہ کرے گا، تو یہ بات قابل تعریف نہیں ہے اور اس سے حاکم (ولی امر) کی کوئی تنقیص نہیں ہوگی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس قسم کی

غلط باتیں (قوادح) جو مروی ہیں، وہ سب کی سب جھوٹ اور من گھڑت ہیں۔ یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ ایک دنیوی دعویٰ کے مسترد کئے جانے کے سبب، جو اللہ اور رسول کے احکام کے عین مطابق تھا، محض طلب دنیا کی خاطر حضرت فاطمہ، حضرت ابوبکر صدیق سے سخت ناراض ہوئیں، یہ قسم کھائی کہ مرتے دم تک ان سے بات نہ کریں گی اور مرنے کے بعد اپنے والد گرامی (ﷺ) سے ان کی شکایت کریں گی۔ کیوں کہ ان کی شان سے یہ باتیں حد درجہ بعید ہیں۔ بات یہی تو تھی کہ ایک خاتون نے ولی امر (حاکم) سے ایک جائیداد کا مطالبہ کیا اور اس کا استحقاق نہ ہونے کی وجہ سے ولی امر نے وہ جائیداد نہ دی۔ ولی امر نے اپنی ذات یا اپنے اعزہ واحباب کو بھی اس جائیداد سے کچھ نہ دیا، بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے اس کو وقف قرار دیا۔ اب اگر وہ مطالبہ کرنے والی خاتون اس ولی امر سے ناراض ہو جائے تو اس کا یہ غضب اور اس کی یہ ناراضگی جو دنیوی مال کے بلا استحقاق نہ دیئے جانے کے سبب ہوئی، اس میں مطالبہ کرنے والی خاتون کے لئے کونسی قابل تعریف بات ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، جو آغوش پروردہ رسول اور جگر گوشہ حضرت سید الانبیاء علیہ السلام تھیں، ایسا کبھی نہیں کرسکتی تھیں۔ پھر ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر حضرت فاطمہ کا حق ہوتا تو حضرت ابوبکر صدیق جو یہود و نصاریٰ کا بھی حق ادا کرنے پر مستعد تھے، وہ سیدۃ النساء کا حق کیوں نہ ادا فرماتے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ صحیحین کی روایت کے مطابق حضرت فاطمہ نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے ایک خادم مانگا تھا، لیکن آپ ﷺ نے منع کر دیا تھا، سو مباح ہوتے ہوئے بھی آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست رد کر دی تھی۔ تو حضرت ابوبکر صدیق ان کو وہ جائیداد کیسے دے سکتے تھے جس پر ان کا کوئی حق نہ تھا اور وہ تا قیام تمام امت محمدیہ کے لئے وقف کی حیثیت رکھتی تھی۔

اسی طرح یہ کہنا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ وصیت کی کہ انہیں رات ہی میں دفن کر دیا جائے تاکہ مزعومہ مخالفین کو خبر نہ ہونے پائے اور ان کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر

صدیق وغیرہ ادا نہ کرسکیں، ایک الزام اور تہمت ہے، کیوں کہ نماز جنازہ ایک طرح کی دعائے مغفرت ہے، آنحضرت ﷺ نے تو منافقین تک کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔ یہ شریعت کا ایک مسئلہ ہے کہ اگر کوئی مومن بوقت وفات یہ وصیت کرے کہ مومنین اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں، تو اس کی اس وصیت پر عمل نہ کیا جائے گا۔ سو یہ وصیت صریحاً خلاف شرع تھی اور جگر گوشہ رسول ﷺ کی جانب اس کا انتساب سوء ادب ہے۔ ہم اس کے تصور ہی سے کانپ اٹھتے ہیں، چہ جائیکہ اس پر یقین کرلیں۔" (۴۱)

حدیث اغضاب کا بیان مزید

اس سلسلہ میں اغضاب فاطمہ (حضرت فاطمہ کو ناراض کرنے) کے بارے میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے اور جس کی رو سے حضرت ابوبکر صدیق پر رسول اور اللہ کی ناراضگی مول لینے کا الزام لگایا جاتا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب جناب رسول اکرم ﷺ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ شکایت کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہیں، تو آپ ﷺ صحابہ کرام کے مجمع میں تشریف لائے منبر پر چڑھے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا:۔

ان بنی هشام بن المغیره استاذ نونی فی ان ینکحوا ابنتهم علی بن ابی طالب، فلا آذن، ثم لا آذن، ثم لا آذن، الا ان یرید ابن ابی طالب ان یطلق ابنتی وینکح ابنتهم؛ فانماهی بضعة منی یریبنی ما ارابها ویوذینی ما اذاها (رواہ البخاری فی کتاب النکاح)

مجھ سے ہشام بن مغیرہ کے گھرانے والوں نے اپنی بیٹی کی علی ابن ابی طالب سے نکاح کرنے کی اجازت مانگی ہے۔ میں اس کی اجازت نہیں دوں گا، ہاں اگر پسر ابو طالب ان کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو میری بیٹی کو طلاق دیدیں کیونکہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہیں انہیں جو تکلیف پہنچے گی وہ مجھے بھی پہنچے گی اور جس چیز سے انہیں اذیت ہوگی، مجھے بھی اس سے اذیت ہوگی۔ اسے بخاری نے کتاب النکاح میں بیان کیا ہے۔

مسلم کی روایت میں بخاری کی مذکورہ بالا روایت پر اضافہ ہے من جملہ ان اضافہ جات کے جناب رسول اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ میں یہ بھی فرمایا:۔

وانی لستُ احرم حلا لا ، و لا احل حراما ، ولکن واللہ لا تجتمع بنت رسول اللہ وبنت عدو اللہ مکانا واحدا ابدا ۔ (۴۲)

میں (اس نکاح کی اجازت نہ دے کر) کسی حلال کو حرام، اور کسی حرام کو حلال نہیں کررہا۔ لیکن خدا کی قسم اللہ کے رسول اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک گھر میں (بیویوں کی حیثیت میں) کبھی اکٹھا نہیں ہوسکتیں۔

صحیحین کی ان روایات کی روشنی میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناراض کرنے کی وعید کا کوئی تعلق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نہیں ہے۔ اور اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے مسلمانوں کے وقف کو حضرت فاطمہ کی نجی ملکیت میں نہ دے کر انہیں ناراض کیا، تو ان کا یہ فیصلہ کسی ذاتی غرض کے لئے نہ تھا بلکہ صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی اتباع میں تھا۔ (۴۳)

فیصلہء صدیقی کی اصابت

یہاں یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ اگر خالصہء رسول میں ورثاء کی میراث کو تسلیم کرلیا جاتا اور انہیں اس میں سے حصہ دیا جاتا تو ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن کو بھی حصہ ملتا، اس میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سہم تو حضرت ابو بکر صدیق کے اہل خاندان ہی کے تصرف میں رہتا اور یوں حق میراث کے اثبات سے خود انہیں اور انہیں کی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی ذاتی فائدہ پہنچتا، سو ان کے اس فیصلہ سے انہیں ذاتی طور سے نقصان ہی پہنچا، مگر امت کے اجتماعی فائدے کے مقابلے میں انہیں اپنی ذات یا اپنے اہل خانہ ان کا فائدہ چنداں عزیز نہ تھا۔ ان کی ساری زندگی اس ایثار اور انتصار حق کی روشن مثال ہے۔ سو ان پر اس فیصلہ کی بناء پر کوئی خردہ گیری نہیں کی جاسکتی۔

بحث کا درایتی پہلو

روایات کی رو سے اس طویل بحث کے بعد اس مسئلہ پر درایت اور سیاست ملکی کے اصولوں سے بھی غور کرنا چاہئے۔ جناب رسالت مآب ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد اسلامی ریاست کی تاسیس کی اس ریاست کے اپنے کچھ اخراجات بھی ہوں گے، مہاجرین کی آبادکاری، اصحاب صفہ کی معاشی کفالت، فقراء و مساکین کی خبر گیری، ضرورت مند انصار کی مدد اور ایسے ہی دوسرے امور کی انجام دہی کے لئے ریاست کے اپنے مالی وسائل بھی ہونے چاہئے تھے۔ علاوہ بریں مدینہ کی نوزائیدہ اسلامی مملکت چاروں طرف سے دشمن قبائل میں گھری ہوئی تھی، آئے دن مخالف قبائل مدینہ کے مضافات اور چراگاہوں پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ قریش مکہ اور معاند قبائل سے یہ اسلامی ریاست حالت جنگ میں تھی، سو جنگی اخراجات بھی ضروری تھے، سواری کے جانوروں کی خریداری، جنگی اسلحے کی فراہمی، مہمات کی روانگی، سامان رسد کی بہم رسانی اور بے زر مجاہدین کی جنگی ضروریات کی تکمیل، ان سب کاموں کی انجام دہی کے لئے بھی رقم کی ضرورت ہوگی، پھر قبائل کے وفود کی آمد، ان کی ضیافت کے اخراجات بھی ہوں گے، تالیف قلب اور دوست قبائل کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی غرض سے بھی مالی وسائل درکار ہوں گے، ان سب کے علاوہ قبائل عرب میں مسلمان مبلغین کے وفود جو بھیجے جاتے تھے ان کی زاد راہ کے بھی مصارف ہوں گے اور جناب رسول اکرم ﷺ کے اپنے نجی اخراجات اور ازواج مطہرات کے آذوقہ کے لئے بھی سامان معیشت درکار ہوگا، کہ آپ ﷺ اسلامی ریاست کے انتظام و انصرام اور تبلیغ دین کے اہتمام میں مصروفیت کے باعث طلب رزق و حصول معاش کے لئے وقت نکال نہ سکتے تھے۔ غرض ایک ریاست کے ضروری مصارف کی تکمیل کی خاطر یہ ضروری تھا کہ مدینہ میں قائم ہونے والی ریاست کے کچھ اپنے مالی وسائل ہوں۔ ہجرت کے ابتدائی سالوں میں کوئی متعین ذرائع آمدنی نہ تھے، بے سروسامانی کے اس عالم میں مستطیع مسلمان اپنے غیر مستطیع بھائیوں کی مدد کرتے تھے یا ملکی و مذہبی کاموں میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر

چندے کی رقوم پیش کرتے تھے۔ مثلاً مسجد نبوی کی تعمیر کے اخراجات یا بئر رومہ کی خریداری کی رقم حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما نے بالترتیب ادا کی۔ لیکن انفرادی ایثار وسخاوت سے اسلامی ریاست کے بڑھتے ہوئے اخراجات کو پورا کرنا کسی صورت میں بھی ممکن نہیں تھا، اس لئے غزوات میں انتہائی بے سروسامانی کا عالم ہوتا تھا، بدر، احد، خندق، اور بعض دوسرے معرکوں میں اسلامی لشکر کی ناداری اور اسلحے ورسد کی کم یابی کے واقعات کتب سیر وتاریخ میں بکثرت مذکور ہیں۔

اس بناء پر غزوات کے نتیجے میں جو اراضی مسلمانون کے قبضے میں آئیں، انہیں ریاست اسلامی کے عمومی مصارف کے لئے مخصوص کردیا گیا۔ اموال نبی نفیر، اراضی خیبر اور فدک کی زمینات مملکت اسلامی کی مستقل آمدنی قرار پائیں اور چونکہ جناب رسول اکرم ﷺ اس ریاست کے انتظامی سربراہ بھی تھے اس لئے یہ تمام جائیدادیں آپ کی ذاتی تحویل یا نگرانی میں رہیں۔ ان اراضی کو اگر جناب رسول خدا ﷺ کی حیات طیبہ میں تمام تر مغانمین میں تقسیم کردیا جاتا تو ریاست کی اپنی کوئی مستقل آمدنی نہ ہوتی اور اسے ابتدائی ایام کی طرح آخر تک مسلمانوں کے چندوں پر اکتفاء کرنا پڑتا۔ حالانکہ وقت گزرنے کے ساتھ حکومت کی ذمہ داریاں بڑھتی جارہی تھیں اور ان کا انحصار صرف تطوعات وصدقات نافلہ پر ممکن نہ رہ گیا تھا، بلکہ ان تمام تر ریاستی اراضی کی موجودگی کے باوصف حکومت کے اخراجات پورے نہیں ہوتے تھے، تبوک کے معرکے میں اسلامی لشکر کی بے سروسامانی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس وقت تک خالصہ رسول سے سرکاری اخراجات کو پورا کرنا ممکن نہ رہا تھا۔

جناب رسالب مآب ﷺ کے وصال کے بعد اگر خالصہ رسول کو آپ ﷺ کی میراث قرار دے کر ان کے ورثہ میں تقسیم کردیا جاتا تو اسلامی ریاست جس کی ضروریات اب پہلے سے صد چند بڑھ چکی تھیں، مالی وسائل کی نایابی اور عسکری بے سروسامانی کے سبب خود بخود دم توڑ دیتی۔ ہاں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی ریاست

کے وسائل میں ترقی ہوئی تو مدینہ کی اراضی (اموال بنی نفیر) کو حضرت عباس بن عبدالمطلب اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی ذاتی نگرانی میں دے دیا گیا۔ مگر اس میں حضرت عباس کو جلد ہی یہ شکایت پیدا ہوگئی کہ تمام اختیارات علی نے سنبھال لئے ہیں اور خود انہیں (حضرت عباس کو) عملاً بے دخل کردیا ہے۔ امام بخاری کی روایت میں اس باہمی اختلاف کو "وهما يختصمان فيما افاء الله على رسوله من مال بني النضير" کے فقرے سے ظاہر کیا گیا ہے۔ یہی روایت سنن ابی داؤد میں بھی مذکور ہے۔ اس طور سے یہ دونوں صاحبان خالصہ رسول ﷺ کے ایک جزو کا انتظام کرنے میں بھی کامیاب نہ ہوسکے۔ (۴۴)

بہرکیف ان حضرات کے باہمی اختلافات اور جائیداد کے مناسب بندوبست نہ ہونے کے باعث حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے، اس کو پھر حکومت کی براہ راست تحویل میں لے لیا اور اس کے پرانے مصارف باقی رکھے۔

صفایائے رسول وقف علی المسلمین ہیں

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ صفایائے رسول کے دعوی داروں کے ایک فریق تو ورثہ رسول تھے اور دوسرے فریق ساری امت محمدیہ تھی۔ اس سلسلے میں لوگوں کے جذبات اس حد تک شدید تھے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں فدک کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وارثوں کو دے دینا چاہتے تھے مگر لوگوں، بالخصوص اپنے اہل عسکر کے خوف سے ایسا نہ کرسکے۔ اس کا ذکر ان کے خطبہ میں موجود ہے، اس میں انہوں نے تفصیل سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کی ایسی باتوں کو گنوایا ہے جن میں انہوں نے عمداً رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی تھی ("خالفوا فيها رسول الله صلى الله عليه و آله متعمدين بخلافه، ناقضين لعهده و مغيرين لسنته")(۴۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری باتوں کے علاوہ فرمایا:۔

"وردت فدك الى ورثة فاطمة عليها السلام، اذاً التفر

قواعنی- فتنادیٰ بعض اہل عسکری ممن یقاتل معی: یا اہل اسلام غیرت سنۃ عمر"

میں فدک کو فاطمہ علیہا السلام کے وارثوں کی جانب لوٹا دیتا، مگر ڈر یہ تھا کہ لوگ میرا ساتھ چھوڑ کر مجھ سے علیحدہ ہو جاتے (ایک دفعہ جب میں نے نماز تراویح کو بند کرنا چاہا) تو میرے اہل لشکر جو میرے ساتھ مل کر قتال کر رہے تھے چلا اٹھے کہ اے اہل اسلام دیکھو حضرت عمر کی سنت کو بدلا جا رہا ہے۔" (۴۶)

اس خطبے سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ذوالقربیٰ کے سہام کو بھی قرابت داران رسول کی طرف لوٹا دینا چاہتے تھے، لیکن عوامی دباؤ کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے (۴۷) غور کرنے کی بات ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا تو حضرات شیخین کی وفات کو کافی عرصہ گزر چکا تھا اور سیاسی اقتدار خود انہیں حاصل تھا، مگر لوگ سنت شیخین وعثمانی کو بدلنے پر تیار نہ تھے، اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ خالصہ رسول کے سلسلے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مشورے سے جو فیصلہ کیا وہ ساری امت کے دل کی آواز اور ان کی آرزوؤں کے عین مطابق تھا۔ اور جو ایسا نہ ہوتا تو ۳۶ھ اور اس کے بعد کے برسوں میں بھی اس کو باقی رکھنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین ہی کا نہیں، خود ان کے اپنے حامیوں کا بھی اصرار نہ ہوتا، اور حامی بھی کیسے وہ جو ان کے لئے اپنی جان کی بازی لگا کر ان کے مخالفین سے شمشیر بکف سینہ سپر تھے۔

حاصل بحث

اس طویل بحث سے جو نتیجہ مستنبط ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نہ صرف یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے عین مطابق تھا، بلکہ انصاف و عدل کے تقاضوں سے بھی یکسر ہم آہنگ تھا، اس دور کے مجاہدین اور عام مسلمانوں کے خیالات کی عکاسی بھی اس سے ہوتی تھی اور عہد جدید کے اصول سے بھی وہی

مطابقت رکھتا تھا۔ آج بھی اسلام کی روح مساوات اور اخوت اسلامی کے جذبات کی اس فیصلہ اور اس پر عمل سے ترجمانی ہوتی ہے۔ اس سے شخص، ذاتی اور نسلی برتری اور انفرادی مفاد کے بجائے جماعتی، انسانی اور اسلامی برابری و مساوات کے اصول کی کارفرمائی اور بالادستی کی ایسی روایت قائم ہوئی، جو اسلام کے اصول جہاں بانی اور اعمال سیاست کاری کی اساس قرار پائے اور خواہ اس کا اعلان کیا جائے یا نہ کیا جائے آج سلامی سیاسی نظام کی جو شکل بھی دنیا میں ابھر رہی ہے اور اس کو جس ہیئت میں پیش کیا جا رہا ہے، وہ نسلی اور شخصی برتری کے اصول کے بجائے انسانی، مساوات و اسلامی اخوت کی اساس پر مستحکم ہے اور یہ سنت شیخین ہے جس کی کہے یا بغیر کہے آج بھی پیروی کی جا رہی ہے اور کی جاتی رہے گی۔

"حواشی"

(۱) بخاری، دوم ص ۶۰۹، ۹۹۵، ۹۹۶

(۲) بلاذری، انساب الاشراف، اول ص ۵۱۹

(۳) بخاری، دوم ص ۶۰۹

(۴) ایضاً ص ۶۹۶

(۵) ایضاً ص ۹۹۶

(۶) سنن ابی داؤد، دوم ص ۵۷؛ بلاذری، فتوح البلدان، ص ۳۱ و بعد: یحیٰی بن آدم قرشی، کتاب الخراج ص ۳۵

(۷) بلاذری، انساب الاشراف، اول ص ۵۱۹

(۸) بلاذری، فتوح البلدان، ص ۳۱: انساب الاشراف، اول ص ۵۱۸: ابن سعد، دوم ص ۵۷ و ۵۸

(۹) ابن ہشام، دوم ص ۲۳۷-۲۴۹: ابن سعد، دوم ص ۱۰۷-۱۱۴: بلاذری انساب الاشراف، اول ص ۵۲۰: فتوح البلدان، ص ۳۶-۴۱: طبری، سوم ص ۲۱: قرشی کتاب الخراج ص ۳۵

(۱۰) فتوح البلدان ص ۳۹-۴۱

(۱۱) ابن سعد، دوم ص ۱۰۸

(۱۲) ابوداؤد دوم ص ۷۰

(۱۳) ابن ہشام، دوم ص ۲۴۶

(۱۴) طبری، سوم ص ۱۹

(۱۵) بلاذری فتوح البلدان ص ۴۲-۴۷

(۱۶) بخاری، دوم ص ۶۰۹

(۱۷) قرشی، کتاب الخراج ص ۱۷

(۱۸) امام ابویوسف، کتاب الخراج ص ۱۹، ۲۰، ۲۳-۲۷: قرشی کتاب الخراج ص ۳۲: ابن ہشام، دوم ص ۲۴۸ و ۲۴۹: ابن سعد، دوم ص ۱۰۸، بلاذری، فتوح البلدان ص ۳۱

(۱۹) ابویوسف، کتاب الخراج، ص ۱۹-۲۱

(۲۰) کلینی، الروضہ من الکافی، ہشتم، ص ۵۸-۶۳

(۲۱) قرشی، کتاب الخراج، ص ۱۵

(۲۲) ایضاً ص ۱۶: مولانا عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر، ص ۴۰۹، مطبوعہ اصح المطابع کراچی

(۲۳) ابوالحسن علی الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۱۲۷

(۲۴) قرشی، کتاب الخراج، ص ۱۷

(۲۵) ابویوسف، کتاب الخراج ص ۲۴

(۲۶) قرشی کتاب الخراج ص ۱۸: ابن ہشام، جلد دوم، ص ۲۴۰: طبری، سوم ص ۱۲

(۲۷) جو تاریخی معلومات ہمیں، احادیث، سیر اور تاریخ کی کتابوں سے حاصل ہیں، ان کی رو سے فدک پر مسلمانوں کے قبضے کی وہی صورت ہے جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں، کہ وہاں کے لوگوں سے قتال کے بغیر نصف فدک مسلمانوں کو ملا تھا اور اس پر تمام مسلمانوں کا حق تھا کسی کی تخصیص نہ تھی، لہٰذا یہ بیان کہ فدک کو جناب رسول اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی اور کی مدد کے بغیر فتح کیا، بالکل واضح نہیں ہے، مگر حقیقت نفس الامری کے برعکس اس کی وضاحت ملا باقر

مجلسی نے یوں کی ہے کہ ایک جہاد سے واپسی کے موقع پر مسلمان کسی مقام پر پڑاؤ کئے ہوئے تھے کہ جرائیل آپ کے پاس آئے اور آپ سے کہا کہ سوار ہو کر میرے ساتھ چلئے، چنانچہ آپ ﷺ سوار ہو کر حضرت جبرئیل کے ساتھ روانہ ہوئے۔ زمین آپ کے لئے ایسی لپٹ گئی جیسے کپڑا لپیٹ دیا جاتا ہے، چنانچہ آپ فدک پہونچ گئے۔ اہل فدک گھوڑوں کی آمد کی آواز سن کر یہ سمجھے کہ ان کا کوئی دشمن چڑھ آیا ہے۔ انہوں نے شہر کے دروازے بند کر دیئے، کنجیاں لے کر فدک کے باہر رہنے والی ایک بڑھیا کے حوالے کر کے پہاڑوں میں جا چھپے۔ حضرت جبرئیل نے بڑھیا سے کنجیاں لے کر فدک کے دروازے کھول دیئے، جناب رسول اکرم ﷺ نے شہر کے ایک ایک گھر کو دیکھا۔ اب جبرئیل نے آپ سے کہا کہ یہ وہ مقام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خاص آپ کو دیا ہے، کسی دوسرے کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ بعد ازاں حضرت جبرئیل نے دروازے بند کر کے کنجیاں آنحضرت ﷺ کے حوالے کر دیں۔ انہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنی تلوار کے نیام میں رکھ لیا۔ پھر آپ سوار ہوئے اور زمین آپ کے لئے لپیٹ دی گئی کہ آپ اپنے لشکر کے پڑاؤ میں پہونچ گئے۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ ہم فدک گئے تھے اور اللہ نے اسے غنیمت میں ہمیں دیا ہے۔ یہ سن کر منافقین نے ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ یہ کنجیاں ہیں فدک کی اور انہیں اپنی تلوار کے نیام سے نکال کر دکھایا۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ پہونچے تو آپ حضرت فاطمہ کے پاس آئے اور کہا کہ "اے بیٹی تمہارے باپ کو اللہ نے غنیمت میں

فدک دیا ہے اور وہ تمہارے والد کے لئے خاص ہے، مسلمانوں کے لئے نہیں ہے۔ مجھے اختیار ہے کہ اس میں جو چاہوں کروں، مگر اس اسی

بحار الانوار میں ملا باقر مجلسی نے ایک دوسری روایت بھی فدک پر قبضے کی یہ بیان کی ہے کہ جبرئیل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ہتھیار لگائے اور سواری پر زین کسی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہتھیار سجائے اور زین کسی پھر دونوں آدھی رات کو نامعلوم منزل کی جانب چل پڑے تا آنکہ آپ دونوں فدک پہونچے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت علی سے کہا کہ یا تم مجھے اٹھا کر لے چلو یا میں تم کو اٹھا کر لے چلوں۔ حضرت علی نے عرض کیا کہ میں آپ کو اٹھا کر لے چلوں گا، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں میں تم کو لے کر چلوں گا۔ پس آپ ﷺ نے حضرت علی کو اپنے بازووں پر اٹھالیا اور لے چلے یہاں تک کہ قلعہ فدک کی شہر پناہ پر پہونچ گئے۔ وہاں حضرت علی قلعہ میں داخل ہوئے اور وہاں جا کر انہوں نے اذان دی، اسے سن کر اہل قلعہ گھبرا کر دروازے کے باہر نکل آئے۔ یہاں آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے سامنے تھے، اسی اثناء میں حضرت علی بھی وہاں آ گئے۔ انہوں نے اٹھارہ سرداران فدک کو قتل کر کے باقیوں کو آنحضرت ﷺ کے حوالہ کر دیا۔ یوں فدک کی تسخیر میں آنحضرت ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو کوئی تکلیف اٹھانی نہ پڑی اس لئے وہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی ذریت کے لئے مخصوص ہو گئیں اور مسلمانوں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہوا۔

(ملا باقر مجلسی بحار الانوار، جلد ہشتم کتاب الفتن ص ۹۰ و بعد مطبوعہ

تہران ۱۵-۱۳۰۲ھ)

(۲۸) الکلینی، الاصول من الکافی، اول، ص ۵۳۸،

(۲۹) ایضاً ص ۵۴۰

(۳۰) ایضاً

(۳۱) ایضاً ص ۵۴۳ و بحار الانوار، ہشتم کتاب الفتن ص ۱۰۱ و بعد

(۳۲) بحار الانوار، ہشتم ص ۹۱

(۳۳) بلاذری، انساب الاشراف، اول ص ۵۱۷

(۳۴) بخاری، اول، ص ۴۳۵ و ۴۳۶ و دوم ص ۹۹۶

(۳۵) سعید احمد، صدیق اکبر، ص ۴۰۳ (حاشیہ)

(۳۶) سنن ابی داؤد، دوم، ص ۵۵، ۵۷

(۳۷) ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۱۱۳

(۳۸) طبری، پنجم، ص ۱۴۱-۱۴۳

(۳۹) الروضہ من الکافی، ہشتم، ص ۲۵۹ (حاشیہ)

(۴۰) ازالۃ الخفاء، دوم ص ۲۹: قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، ص ۲۳۰،
مطبوعہ مجتبائی، دہلی ۱۳۱۰ھ؛ شاہ عبدالعزیز، تحفہ اثنا عشریہ، ص ۲۷۸
مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۵ء؛ صدیق اکبر، ص ۳۹۸-۴۰۰

(۴۱) ابن تیمیہ، منہاج السنۃ، دوم، ص ۱۶۸-۱۷۰، مطبوعہ
المکتبہ السلفیہ، لاہور ۱۳۹۶ھ

(۴۲) بخاری، دوم، ص ۷۸۷: مسلم، دوم، ص ۲۹۰

(۴۳) منہاج السنۃ، دوم، ص ۱۷۰ و ۱۷۱

(۴۴) بخاری، اول، ص ۴۳۵ و ۴۳۶: ابوداؤد، دوم، ص ۵۷

(۴۵) اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ: مجھ سے پہلے جو لوگ حکمران ہوئے
انہوں نے اپنے احکام میں جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی،
ان کے عہد کو توڑا اور ان کی سنت کو بدل دیا (الروضہ من الکافی، ہشتم،
ص ۵۹)

(۴۶) الروضہ من الکافی، ہشتم، ص ۵۹-۶۳

(۴۷) ایضاً ص ۶۳

باب نہم

علمی مفاخر

علمی مفاخر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دامن کمال عرب قبل الاسلام اور صدر اسلام کے علمی محاسن و مفاخر سے مالا مال تھا اور اس وصف خاص میں بھی انہیں امتیاز حاصل تھا۔ ہم ذیل میں اس عہد کے علوم و معارف میں ان کی مہارت و کمال کا کسی قدر اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

علم الانساب

عرب کو دنیا کی معاصر قوموں میں یہ خصوصیت حاصل رہی ہے کہ اس نے اپنے نسب کو محفوظ رکھا اور مختلف نسلی و قبائلی روابط کو ایک علم کی حیثیت دی، جسے یاد رکھنا اور اس کی بناء پر نسلی فخر و مباہات کرنا اہل عرب کے لئے آسان تر ہو گیا۔ قریش میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نسب عرب کے فن میں بڑی مہارت حاصل تھی، اور یہ اس منصب کے عین مطابق بھی تھا جو قریش کی اعیانی ریاست میں انہیں تفویض کیا گیا تھا۔ علم الانساب کو بعد میں جب اسلامی علوم مدون ہوئے، تاریخی نقطہ نگاہ سے بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ ابن البکار نے کتاب نسب قریش تحریر کی اور وہی بلاذری کی انساب الاشراف، ابن حزم کی جمہرۃ الانساب اور سمعانی کی کتاب الانساب کی اساس قرار پائی۔ تاریخ نے ابن البکار کے علم انساب کی کڑی جبیر بن مطعم بن عدی قرشی کے واسطے سے حضرت ابوبکر صدیق اکبر تک ملائی ہے۔ گویا عربوں کا علم الانساب جو ہم تک ان فضلاء کے ذریعہ سے پہونچا وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کا فیض ہے۔ عہد رسالت میں جب قریش کے خلاف حضرت

حسان بن ثابت انصاری نے تعریفی اشعار کہے تو رسول اکرم ﷺ کی ہدایت پر انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق ہی سے قبائل قریش کی نسبی تفصیل جانی تھی۔(۱)

ایام عرب

قبائل عرب کے انساب کے علم اور عربوں کی قبائلی جنگوں کی تاریخ سے واقفیت، دونوں کا باہم دگر تعلق ہے، کیوں کہ انساب عرب کے جانے بغیر ایام عرب سے واقفیت اور ایام عرب کے علم کے بدون انساب عرب سے آگہی ممکن نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق کو قریش میں اشناق یعنی قبائلی جنگوں کی مصالحت اور مقتولین کی دیت کی خدمات تفویض تھیں اور اس مقصد سے جہاں انساب عرب سے ان کا واقف ہونا ضروری تھا وہیں ایام عرب سے بھی ان کی آگہی لابدی تھی۔ حضرت عائشہ نے انہیں سے ایام عرب کی آگہی پائی تھی کیوں کہ وہ انساب قریش و ایام عرب کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور انہیں قریش میں اس وصف خاص میں امتیاز حاصل تھا۔(۲)

شعر گوئی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے کبھی کبھی شعر کہتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد اگرچہ اس میں کمی ہو گئی، مگر حسب موقع وہ اشعار کے ذریعے اپنے جذبات و خیالات کا اظہار ضرور کرتے تھے۔ چنانچہ بلاذری نے انساب الاشراف میں ان کے چھ شعر نقل کئے ہیں جو انہوں نے جناب رسول اکرم ﷺ کے وصال کے موقع پر مرثیہ کے طور کہے تھے۔ آپ نے کہا

فجعنا بالنبیّ و کان فینا
امام کر امۃ ونعم الامام

(نبی کریم کی وفات سے ہم پر مصیبت ٹوٹی وہ ہم میں صاحب احترام امام تھے اور کیا ہی اچھے امام تھے)

فقدنا الوحی اذ ولیت عنا
وودعنا من اللہ الکلام

(جب آپ ہم سے رخصت ہو گئے تو وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اور ہم سے کلام الٰہی دور ہو گیا)

لقد اور ثتنا میراث صدق
علیک بہ التحیۃ و السلام

(آپ نے ہمیں سچائی کی میراث عطا فرمائی۔ آپ تک درود و سلام پہونچے)

اسی طرح محمد بن اسحاق نے "سیرۃ رسول اللہ" میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پندرہ اشعار نقل کئے ہیں۔ یہ اشعار آپ نے سریہ عبیدہ بن حارث کے موقع پر قریش کے بارے میں کہے تھے۔ ان میں سے دو شعر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

فان یرجعوامن کفرھم و عقوقھم
فما طیبات الحل مثل الخبائث

اگر کفار قریش کفر و سرکشی سے باز آ جائیں (تو بہتر ہے) کیونکہ حلال و پاک اشیاء خبیث اور گندی چیزوں جیسی نہیں ہیں

وان یرکبوا طغیانھم وضلالھم
فلیس عذاب اللہ عنھم بلا بث

اور اگر وہ اپنی سرکشی و گمراہی پر قائم رہے تو عذاب الٰہی ان سے رکنے والا نہیں ہے

اسی طرح سہیلی نے ہجرت کے دوران میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک بیس شعری قصیدہ کا ذکر کیا ہے۔ ان اشعار میں آپ نے غار ثور اور وہاں سے روانگی کا ذکر کیا ہے

حتی اذا اللیل وارتنا جوانبہ
وسد من دون من نخشی باستار

یہاں تک کہ جب اطراف شب نے ہمیں چھپالیا، اور ہمیں جس سے خوف تھا اس کے درمیان پردہ ظلمت سے رکاوٹ کھڑی کر دی

فسار الاریقط یھدنیا وانیقہ
ینبعن بالقوم نعباً تحت اکوار

تو اریقط رات میں ہماری رہنمائی کرتا روانہ ہوا اور اپنے کجاوہ کے نیچے اسکی اونٹنیاں ہم لوگوں کو بڑی تیزی سے لئے جا رہی تھیں

یعسفن عرض الثنایا بعد اطولھا
وکل سھب رقاق الترب موار

وہ گھاٹی کی چوڑائی کو اس کی طویل ترین مسافت کے بعد اور نرم مٹی اور گرد اڑانے والے ہر ہموار میدان کو بے راہ روی سے طے کر رہی تھیں

روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذوق شعری پاکیزہ تھا اور نہ صرف یہ کہ آپ عمدہ اشعار کہتے تھے بلکہ دوسرے شعراء کے اچھے اشعار بھی آپ کو یاد تھے۔ کئی موقعوں پر جناب رسول اکرم ﷺ نے ان سے شعر کے متعلق استفسار بھی فرمایا ہے۔(۳)

خطابت

خطابت و تقریر کا فن عربوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ بقول فردوسی سخن گفتن و رنجش آئین ماست، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خطابت میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ابن کثیر کی روایت ہے کہ وہ بڑے خطیب و فصیح تھے (کان من افصح الناس وا خطبھم) زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کا شمار بلند پایہ خطیب صحابہ میں ہوتا تھا۔ آپ کے خطبات اپنی دل نشینی و اثر انگیزی کے لئے شہرت رکھتے ہیں۔ سقیفہ بنی ساعدہ کا خطبہ، بیعت خلافت کے بعد اولین خطبہ، جیش اسامہ کو روانہ کرتے وقت نصیحت آمیز تقریر، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بوقت استخلاف نصائح اور مرتدین کے نام آپ کے مراسلات، ان

سب سے آپ کی خطیبانہ جلالت شان کا پتا چلتا ہے۔(۴)

ہم سطور آئندہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعض خطبات کے اقتباسات نقل کرتے ہیں:۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے مجمع میں آپ نے جو خطبہ دیا اس میں آپ نے انصار سے یوں خطاب کیا:۔

ایها الناس! نحن المها جرون اول الناس اسلاماً و اکرمهم احساباً واوسطهم داراً، وا اکثر الناس ولادةً فی العرب، وامسهم رحماً برسول الله صلی الله علیه وسلم، اسلمنا قبلکم، وقُدّ منا فی القرآن علیکم، فنحن المهاجرون وانتم الانصار، اخواننافی الدین و شر کلوننافی الفئی، وا نصار نا علی العدو، آویتم و واسیتم فجز اکم الله خیراً، فنحن الامراء وانتم الوزراء، لا تدین العرب الا لهذا الحی من قریش، فلا تنفسوا علی اخوانکم ما منحهم الله من فضله

''لوگوں ہم مہاجرین، لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے، حسب میں سب سے زیادہ شریف، سب سے بڑھ کر رودار خاندان والے، عرب میں پیدائش کے اعتبار سے سب سے زیادہ تعداد والے (یعنی قریش قبائل عرب میں سب سے زیادہ قرابت والے ہیں) اور سب لوگوں سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے نسب میں قریب ہیں ہم تم لوگوں سے پہلے اسلام لائے اور قرآن میں ہمارا ذکر تم سے پہلے کیا گیا ہے۔ سو ہم مہاجرین ہیں اور تم انصار ہو، تم ہمارے دینی بھائی، مال فئی میں ہمارے شریک اور دشمنوں کے خلاف ہمارے انصار و مددگار ہو۔ تم نے ہمیں پناہ دی اور ہماری غم گساری کی، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا نیک اجر دے۔ سو ہم امراء (حکام) اور تم وزراء (مشیر) ہو۔ عرب کے قبائل، قریش کے قبیلے کے سوا کسی اور کی اطاعت نہ کریں گے۔ اس لئے تمہارے (قریش) بھائیوں پر اللہ تعالیٰ نے جو فضل واحسان کیا ہے اس پر ان سے مقابلہ نہ کرو۔''

شام کے محاذ پر فوجوں کی روانگی اور لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کی غرض سے آپ نے جو خطبہ دیا اس میں دوسری باتوں کے علاوہ آپ نے یہ بھی فرمایا:۔

الاانه لا دین لاحدٍ لاایمان له ولا اجرلمن لاحسبةَ له ولا عمل لمن لانیةَ له، الاوان فی کتاب الله من الثواب علی الجهاد فی سبیل الله، کما ینبغی للمسلم ان یحب ان یحض به، هی التجارة التی دل الله علیها، فنجیٔ بها من الخزی، والحق به الکرامةُ فی الدنیا و الآخرة۔

''آگاہ ہو جاؤ کہ جس کا ایمان نہیں اس کا کوئی دین نہیں، جس کا ثواب نہیں اس کا کوئی اجر نہیں، جس کی اچھی نیت نہیں اس کا کوئی عمل نہیں، آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی کتاب میں اسکی راہ میں جہاد کرنے پر ثواب (کا ذکر) ہے، جیسا کہ ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ جہاد پر آمادہ کئے جانے کو پسند کرے، یہ (جہاد) ایسی تجارت ہے جس کی جانب اللہ نے رہنمائی کی ہے، اس کی وجہ سے ذلت و رسوائی سے نجات دلائی ہے اور دنیا و آخرت میں اس سے شرف کو وابستہ کیا ہے۔''

اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جہاد پر روانہ کرتے وقت جو نصیحت کی اس کے الفاظ یہ تھے:۔

سِرُ علی برکة الله فاذا دخلت ارض العدو فکن بعیداً من ا لحملة فانی لا آمن علیك الجولة؛ واستظهر، بالزاد، وسر بالادلا ولا تقاتل بالمجروح فان بعضه لیس منه؛ و احترسن من البیات، فان فی الحرب غرة؛ واقلل من الکلام، فان مالك، ماوعی عنك؛ واقبل، من الناس علا نیتهم وکلْهم الی الله فی سریرتهم؛ واستودعك الله الذی لاتضیعُ ودائعه (۵)

''اللہ کی برکت سے روانہ ہو۔ جب دشمن کی سرزمین میں داخل ہونا تو ان کے حملہ کے

مقام سے دور رہنا کیوں کہ ان کے پلٹ کر حملہ کرنے سے تم کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ اور توشہ (رسد) سے اپنی پیٹھ مضبوط رکھنا، رہنماؤں کے ساتھ روانہ ہونا، کسی زخمی سے قتال نہ کرنا، کیوں کہ اس کا بعض اس سے نہیں ہے، شب خون سے لشکر کی حفاظت کرنا، کیوں کہ جنگ میں غفلت ہوتی ہے، کم بولنا کیوں کہ تمہاری جو باتیں تمہارے دشمن محفوظ رکھیں گے ان پر تمہیں کوئی اختیار نہ ہوگا۔ لوگوں کے ظاہری حالات کو قبول کرنا اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دینا، میں تمہیں اللہ کو سونپتا ہوں جس کو سونپی ہوئی چیزیں ضائع نہیں ہوتیں۔"

کتابت

اہل عرب نوشت وخواند کے فن سے عموماً نا آشنا تھے اور بہت تھوڑے لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، یہ بات کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے مختلف بیانات سے واضح ہوتی ہے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ عہد رسالت میں حضرت ابوبکر صدیق فتویٰ دیتے تھے جس کی ایک شرط کتابت بھی ہے، اس کے علاوہ یہ روایت بھی متفق علیہ ہے کہ خلفاء اربعہ کتابت وحی کی خدمت بھی انجام دیتے تھے، یوں یہ اصحاب نوشت وخواند سے کما حقہ واقف تھے۔ پھر صلح حدیبیہ کے معاہدے پر جن لوگوں کے دستخط ہیں ان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ ابن ہشام نے سفر ہجرت کے واقعات کے ضمن میں لکھا ہے کہ سراقہ بن جعشم کی فرمائش پر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پروانہ لکھ کر سراقہ کو دینے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے یہ پروانہ اس کو لکھ کر دیا تھا جسے اس نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں پیش کیا تھا۔ ابن ہشام کے الفاظ ہیں (اکتب له یا ابابکر فکتب کتاباً)۔ ان روایات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ (۶)

علم قرآن

حضرت ابوبکر صدیق کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے سارا قرآن یاد کر لیا تھا۔

وہ سفر وحضر اور ہر موقع پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اس لئے آیات قرآنی کے اسباب نزول اور ان کے فحوائے کلام کو فوراً سمجھ لیتے تھے۔ فہم قرآنی میں انہیں دوسرے صحابہ پر فوقیت حاصل ہے۔ ان کے قرآنی استنباط واستدلال کو سند سمجھا جاتا تھا مثلاً کلالہ کے مفہوم کی انہوں نے جو تعیین کی حضرت عمر فاروق نے اپنے دور خلافت میں اسے برقرار رکھا۔ ان کا یہ بھی معمول تھا کہ آیات قرآنی کے معانی کے بارے میں اصحاب سے استفسار کرتے اور انہیں ان کی درست تفسیر تعلیم فرماتے تھے۔ سیوطی نے ابونعیم اصبہانی کے حوالے سے ایسی مثالیں قلم بند کی ہیں (۷)

حدیث

حضرت ابوبکر صدیق سے نسبتہً کم حدیثیں مروی ہیں۔ اس قلت روایت کا سبب ایک تو یہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد سوا دو سال زندہ رہے جو نہایت تھوڑی مدت تھی اور پھر یہ مدت بھی امور حکومت کی انجام دہی میں صرف ہوئی و نیز یہ کہ ان کے ساتھی قریب قریب سبھی صحابی اور رسول مکرم کے براہ راست صحبت یافتہ تھے اس لئے ان سے حدیث کا بیان کرنا ضروری بھی نہ تھا، مگر اس کے باوجود جہاں ضرورت ہوتی وہ احادیث بیان کرتے مثلاً سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر انصار کی فضیلت اور قریش کی امامت سے متعلق احادیث یا زکوۃ کی مقدار کے متعلق احادیث یا انبیاء کی وارثت سے تعلق رکھنے والی حدیث۔ سیوطی نے حضرت ابوبکر سے مروی احادیث کی تعداد (۱۴۲) بتائی ہے۔ شاہ ولی اللہ نے ان کی درجہ بندی یوں کی ہے کہ ان میں کچھ صحیح، کچھ حسن اور کچھ ایسی ہیں جو دوسرے اصحاب سے حضرت ابوبکر صدیق کے واسطے سے مروی ہیں اور ان کی روایت سے یہ احادیث غریب ہیں۔ سیوطی نے ان محدثین کی مختصر فہرست بھی دی ہے جنہوں نے حضرت صدیق اکبر کے مرویات کی اپنی اپنی کتابوں میں تخریج کی ہے۔ خود حضرت ابوبکر صدیق سے جن صحابہ نے حدیث کی روایت کی ہے ان میں حضرات، عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری وحضرت عائشہ وغیرہ شامل ہیں۔ تابعین میں سے

حضرات اسلم مولی عمر اور واسط بجلی وغیر نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ (۸)

فقہ

استنباط احکام کے سلسلے میں حضرت ابو بکر صدیق کا یہ طریقہ کار تھا کہ جب ان کے سامنے کوئی نیا قضیہ آتا وہ اس کا حل کتاب اللہ میں تلاش کرتے، اگر قرآن میں اس قضیہ کا حل مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے، مگر اس مسئلہ کا حل قرآن سے حاصل نہ ہوتا تو وہ حدیث رسول میں اسکا حل تلاش کرتے تھے اگر کسی مسئلہ سے متعلق کوئی حدیث مل جاتی تو وہ اس کے پیش کرنے والے کے بیان پر بھروسہ نہ کرتے بلکہ گواہ طلب کرتے اور جب اس روایت کی تصدیق ہو جاتی تو اس کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ کرتے تھے (۹) لیکن اگر کسی مسئلہ کے بارے میں انہیں کوئی حدیث نہ ملتی تو صحابہ سے مشورہ کرتے اور جس بات پر ان کی رائے جم جاتی وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ بقول شاہ ولی اللہ امت نے اسی اصول کو استنباط مسائل کے لئے بنیاد بنایا۔ اجماع سے متعلق حضرت ابو بکر صدیق کا یہ تعامل میمون بن مہران کی روایت سے واضح ہو جاتا ہے۔ (۱۰) قیاس سے متعلق حضرت ابو بکر صدیق کے تعامل کی تائید ابن عباس کی روایت سے ہوتی ہے جو بخاری میں موجود ہے۔ جس کی رو سے انہوں نے دادا کو باپ پر قیاس کیا اور پوتے کے ترکہ سے اسے ایک سدس (چھٹا حصہ) دلوایا۔ ان کے اس اجتہاد کو صحابہ نے تسلیم کیا۔ (۱۱)

اسی طرح فتنہ ارتداد کے دوران انہوں نے زکوٰۃ کو صلوٰۃ پر قیاس کیا اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا۔ یوں استنباط احکام کے سلسلہ میں اَدِلّۂ اربعہ کا تتبع حضرت ابو بکر صدیق ہی کے اجتہاد پر مبنی ہے۔ (۱۲)

تعبیر رویاء

حضرت ابو بکر صدیق کو خوابوں کی تعبیر کے علم میں بھی کمال حاصل تھا، چنانچہ خود نبی کریم ﷺ ان سے اپنے خوابوں کی تعبیر دریافت فرماتے تھے اور حضرت ابو بکر صدیق کی

بیان کردہ تعبیر کی تصدیق فرماتے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین اور ازالۃ الخفاء میں ایسی متعدد تعبیرات کو نقل کیا ہے، جن سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روحانی پاکیزگی اور ذہن کی جودت کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ (۱۳)

شاہ ولی اللہ کا بیانِ تصوف

شاہ ولی اللہ صاحب قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں لکھتے ہیں کہ ''صحابہ و تابعین کے زمانے میں صوفیہ اور تصوف کی رسم نہ تھی، یعنی روزی کمانے اور معاش کے حصول کو ترک کر دینے، پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننے، شادی بیاہ نہ کرنے اور خانقاہوں میں گوشہ نشینی اختیار کرنے کا اس زمانے میں رواج نہ تھا۔ اسی طرح اشارات توحید اور ذات واحد میں مدغم و ضم ہو جانے کے رموز و اسرار صحابہ و تابعین سے منقول نہیں ہیں۔ ہاں اس عہد کے بزرگوں کے بارے میں جو باتیں صحیح روایات و معتبر کتب سے معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ ان لوگوں نے ایسے احوال و عبادات پر اپنے اوقات کو تقسیم کر رکھا تھا جو عقل، قلب و نفس کی تہذیب لطیف و عمدہ آراستگی سے وجود میں آتے ہیں (۱۴) شاہ صاحب کے اس بیان کی روشنی میں جب ہم تصوف کی نسبت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جانب کرتے ہیں تو اس سے عرفی معنی مراد نہیں ہوتے، بلکہ ان کی خشیت الٰہی، ایثار، توکل، تورع، ایقان اور تہذیب نفس کے حوالے سے کہ یہی تصوف کا جوہر اور روح ہیں، ہم انہیں ارباب تصوف میں شمار کر سکتے ہیں۔ حضرت ہجویری نے کشف المحجوب میں تصوف صدیقی کے بارے میں لکھا ہے کہ ''قلب کی صفائی جسے عرف عام میں تصوف کہتے ہیں، اس سے حضرت صدیق اکبر بدرجہ اتم متصف تھے۔'' کتاب اللمع و کشف المحجوب میں مذکور ہے کہ شیخ جنید بغدادی نے کہا ہے کہ توحید سے متعلق سب سے عمدہ بات وہ ہے جو حضرت صدیق نے فرمائی ہے کہ

سبحان من لم یجعل لخلقہ سبیلا الی معرفتہ الا بالعجز عن معرفتہ (۱۵)

"پاک ہے وہ ذات (خدا) جس نے اپنی مخلوق کو معرفت کی راہ نہیں دکھائی ہے، ماسوا اس کے کہ وہ لوگ اس کی معرفت اور پہچان سے عاجز و قاصر ہیں۔"

ہجویری کا بیان

صاحب کشف المحجوب نے حضرت صدیق اکبر کی تعریف میں کہا ہے کہ "صفا صدیق کا وصف ہے اور وہی حقیقی صوفی ہیں کیوں کہ صفاء کی ایک اصل اور ایک فرع ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ دل کو غیروں (ماسوا) سے توڑ لیا جائے اور اس کی فرع یہ ہے کہ دل بے وفا دنیا سے خالی ہو۔ یہ دونوں ہی اوصاف حضرت ابوبکر صدیق میں موجود تھے سو وہی طریقہ تصوف کے امام ہیں۔" ہجویری نے حضرت ابوبکر صدیق کے صفائے قلب (دل کے صفاء اور پاکیزگی) کی مثال میں ان کی وہ تقریر پیش کی ہے جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے وصال کے وقت کی تھی کہ "جو محمد کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد کا وصال ہو گیا اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔" دوسری صفت کی مثال کہ دل دنیائے غدار کی محبت و آلایش سے پاک ہو، غزوہ تبوک میں ان کے عظیم مالی ایثار کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کے دریافت کرنے پر کہ "اے ابوبکر تم نے اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا ہے" ان کا یہ جواب ہے کہ "اللہ کی محبت اور اس کے رسول کی اطاعت۔" (۱۶)

شعرانی کا بیان

شیخ عبدالوہاب الشعرانی نے الطبقات الکبریٰ میں کہ صوفیاء کا تذکرہ ہے، حضرت ابوبکر صدیق کو سب سے پہلا صوفی کہا ہے اور ان کے زہد، خوف خدا اور تواضع کے ضمن میں ان کے حکمت آمیز کلمات کا ذکر کیا ہے کہ ان کے خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ خوف خدا سے ان کا سارا وجود لرزاں رہتا تھا۔ ان کا دل عشق الٰہی سے بریاں اور خشیت خداوندی سے ان کی آنکھیں گریاں رہتی تھیں۔ (۱۷)

سرّاج کا قول

امام ابونصر سراج طوسیؒ نے کتاب اللمع فی التصوف میں مشہور صوفی بزرگ ابوبکر واسطی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ صوفیاء کا قول سب سے پہلے بطور اشارہ حضرت ابوبکر صدیق کی زبان پر جاری ہوا اور اس سے اہل فہم نے لطائف استخراج کئے۔ ابوبکر واسطی نے جیش عسرت میں عظیم مالی ایثار کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کے اس قول کو کہ: "اللہ و رسول کو اپنے اہل و عیال کی مالی کفالت کے لئے چھوڑا ہے" اور آنحضرت ﷺ کے وصال کے موقع پر ان کے اس خطاب کو کہ "جو محمد کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد (ﷺ) کا انتقال ہو گیا، مگر جو اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ زندہ ہے اور اس کو کبھی موت نہ آئے گی۔" اور غزوہ بدر کے آغاز سے پہلے آنحضرت ﷺ کی دعا پر حضرت ابوبکر کا یہ قول کہ "اللہ نے آپ سے دین کی نصرت کو جو وعدہ کیا ہے، اسے ضرور وفا کرے گا۔" سیدنا صدیق اکبرؓ کے صوفیانہ اشارات قرار دیا ہے۔ جن کی بنیاد پر لطائف تصوف کا صوفیا نے استخراج کیا ہے۔ یہ اقوال ان کے ایمان خالص اور اس کی حقیقت کے ثبات پر دلیل ہیں۔ اسی طرح ابو العباس ابن عطاءؒ کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ آیت قرآنی "کونوا ربانیین" کا مطلب ہے "کونوا کابی بکر الصدیق" (ابوبکر صدیق کی طرح ہو جاؤ)، کیوں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے وصال پر تمام صحابہ اضطراب کا شکار ہو گئے اور یہ ابوبکر صدیقؓ ہی تھے جن پر اس حادثہ سے اضطراب و انتشار طاری نہ ہوا تھا اور یہ توحید خالص و ایمان راسخ کی سب سے بڑی علامت ہے ایمان والوں کو ابوبکر صدیقؓ کی صفت پر ہونا چاہئے۔

امام ابونصر سراجؒ نے مزید بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو الہام و فراست میں، کہ صوفی کو ان سے حظ وافر ملتا ہے، دوسرے اصحاب پر فضیلت حاصل ہے، مثلاً مانعین زکوٰۃ سے نرمی برتنے پر صحابہ متفق تھے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور یہی حق تھا، اسی طرح جیش اسامہؓ کو آنحضرت ﷺ کے وصال و فتنہ ارتداد کے باعث نہ روانہ کرنے پر صحابہ مصر تھے مگر حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی فراست سے اس کو روانہ کیا اور

یہی حق تھا، مثلاً ان کی فراست کا اس بات سے بھی پتا چلتا ہے کہ ان کے انتقال کے وقت ان کی زوجہ حاملہ تھیں، انہوں نے بتادیا کہ بیٹی پیدا ہوگی اور اس کے مطابق میراث میں اس کے حصہ کا تعین کر دیا تھا اور ان کی وفات کے بعد بیٹی ہی پیدا ہوئی۔

بیم و رجاء کے ضمن میں امام سراجؒ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول جو جان تصوف ہے، نقل کیا ہے:۔

"اگر آسمان سے ندا دینے والا یہ ندا دے کہ جنت میں صرف اور صرف ایک شخص داخل ہوگا، تو مجھے لطف الٰہی سے پوری امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا۔ اسی طرح آسمان سے یہ صدا آئے کہ دوزخ میں صرف اور صرف ایک ہی شخص ڈالا جائے گا تو مجھے یہ خوف ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا۔" (۱۸)

تصوف صدیقی کی نوعیت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت میں دنیا سے بے نیازی، لذات دنیوی سے اجتناب، تسلیم و رضا، فقر و درویشی، تواضع و انکسار کے بہت سے مظاہر نظر آئیں گے۔ اللہ پر توکل و اعتماد، رسول اکرم علیہ السلام پر یقین کامل، اللہ کے بندوں کی بے لوث خدمت گزاری، اور ان کی خبر گیری ان کے کردار کے نمایاں اوصاف ہیں۔ عزم راسخ، استقامت، ثبات و ایمان محکم جو ان کی سیرت کے اہم اجزاء ہیں، ان کے موحد کامل و عاشق صادق ہونے کی روشن نشانیاں ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے لئے جان کی بازی لگا دینا، اسلام کی خاطر مال و دولت کو قربان کر دینا اور اپنی ذات کی نفی کر کے فنا فی التوحید و فنا فی الرسالت کے مقام بلند پر فائز ہونا، ان کے صوفی، اول، سرتاج اولیاء، امام اصفیاء اور سرخیل صوفیا ہونے کی دلیل و برہان نہیں تو اور کیا ہے؟

بعد کی صدیوں میں قائم ہونے والے صوفیوں کے سلسلے اگرچہ بیشتر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے توسل سے جناب رسول اکرم ﷺ تک متصل کئے گئے، جن کے اسباب و علل اور جن کی ثقاہت پر بحث کا یہ موقع نہیں ہے، مگر سلسلہ نقشبندیہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کے واسطے سے سردار دو عالم ﷺ تک پہونچتا ہے، بزرگ مصنفین تصوف مثلاً سراج، ہجویری، قشیری، شعرانی، شاہ ولی اللہ وغیرہ کے مطابق تصوف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو شرف تقدم حاصل ہے۔ اشارات، لطائف، اقوال و افعال سبھی اعتبارات سے وہ تصوف کے اسلامی مفہوم میں سب سے بڑے صوفی ہیں' اور پہلے مسلمان، پہلے جانشین رسولؐ (خلیفہ) پہلے امیر المومنین کے ساتھ ہی پہلے امام الاصفیاء و قدوۃ الصوفیا بھی ہیں۔

''حواشی (باب نہم)''

(۱) ابن ہشام، ۱: ۱۶۵؛ اسد الغابہ، ۲: ۴ و ۵؛ انساب الاشراف، ۱: ۳۵۶

(۲) شاہ ولی اللہ، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص ۱۰۵

(۳) انساب الاشراف، ۱: ۵۹۲؛ سہیلی، ۲: ۶، ۷ و ۵۵ و ابن ہشام یہی حوالہ؛ ابن اثیر، الکامل، ۲: ۱۸۷

(۴) تاریخ الخلفاء، صفحہ ۴۰؛ طبری جلد سوم بضمن واقعات سنین ۱۱ھ، ۱۲ھ، ۱۳ھ

(۵) احمد ذکی صفوت، جمہرۃ خطب العرب، ۱: ۶۳، ۷۳ و ۷۵، مطبوعہ مصطفےٰ بابی حلبی، مصر ۱۳۵۲ھ

(۶) اسد الغابہ، ۳: ۲۱۶؛ سیاسی وثیقہ جات، صفحہ ۳۴؛ علوم القرآن صفحہ ۶۹؛ ازالۃ الخفاء، ۲: ۲۳ و ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۲: ۶

(۷) تاریخ الخلفاء، صفحہ ۷۶، ۷۷

(۸) اسد الغابہ، ۳: ۲۰۵؛ تاریخ الخلفاء، ۷۱، ۷۶؛ ازالۃ الخفاء، ۲: ۲۴

(۹) ابوداؤد سنن جلد دوم صفحہ ۴۵

(۱۰) شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ جلد اول صفحہ ۱۴۹

(۱۱) بخاری، ۲: ۹۹۹

(۱۲) ازالۃ الخفاء، ۲: ۲۸؛ قرۃ العینین، صفحہ ۶۲

(۱۳) تاریخ الخلفاء ۴۰، ۸۴۔۸۷؛ ازالہ ۲: ۱۹ و ۲۰؛ قرۃ ۳۸ و ۳۹ وغیرہ

(۱۴) قرۃ، صفحہ ۳۰۳

(۱۵) ہجویری کشف المحجوب، مطبوعہ رفاہ عام پریس لاہور ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۲۳؛ ابونصر السراج، کتاب اللمع، مطبوعہ لائڈن ۱۹۱۴ء ص ۱۲۴

(۱۶) کشف المحجوب، صفحہ ۲۳ و ۲۴

(۱۷) الشعرانی، الطبقات الکبری، ۱: ۱۷ و ۱۸، مطبوعہ مصطفےٰ بابی حلبی مصر ۱۳۷۳ھ

(۱۸) کتاب اللمع فی التصوف، ص ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴

باب دہم

افضلیت سیدنا ابوبکر صدیقؓ

ہم اس باب میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر' قرآنی آیات' رسول اکرم ﷺ کے ارشادات' فقہاء واکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم ونیز اجلۂ تابعین کے اقوال سے استدلال کریں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ واقعاتی شواہد ہی کی رو سے نہیں' بلکہ روایاتِ صحیحہ کی رو سے بھی' انھیں کو تمام امت پر شرفِ افضلیت حاصل ہے اور صحابہ کرام نے انھیں خلافتِ نبوت کے لئے جو منتخب کیا' وہ اسی افضلیت کی بناء پر تھا یوں ان کو جو شرفِ تقدم حاصل ہے وہ بربنائے افضلیت ہے۔ یہ افضلیت دینی بھی ہے' دنیوی بھی اور اس کے شاہد واقعات ہی نہیں احادیثِ نبویہ واقوالِ صحابہ وائمہ بھی ہیں۔ گویا جناب رسول ﷺ کی جو بشارتیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں' ان کی تائید وتصدیق ان کے کارہائے نمایاں سے ہوتی ہے اور یوں روایات واحادیث ان کی افضلیت پر تائید مزید کی حیثیت رکھتی ہیں۔

آیات قرآنی

قرآن مجید کی متعدد آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہیں' مگر اللہ نے نزول قرآن کی وقت زندہ اشخاص کے ناموں کے بجائے' ان کے اوصاف یا کسی مخصوص واقعہ کے ضمن میں اشارے کئے ہیں۔ قرآن میں جناب رسول اکرم ﷺ کے اسم گرامی کے علاوہ نام سے صرف آپ کے آزاد کردہ غلام اور مشہور صحابی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا اور اسلام کے بدترین دشمن ابولہب بن عبدالمطلب کا اس کی کنیت کے ساتھ ذکر آیا ہے۔ (۱) ان کے سوا اصحاب رسول یا اعداء اسلام کا ذکر کسی واقعہ کے ضمن میں یا

مخصوص اوصاف کے ساتھ اشارات میں کیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر جمیل رسول اللہ ﷺ کے دیگر اصحاب رضوان اللہ علیہم کے مقابلے میں قرآن میں زیادہ آیا ہے۔ علماء تفسیر نے 'اسباب النزول' نامی کتابوں میں ان مقامات وآیات کی نشاندہی کی ہے۔ ہم آئندہ سطور میں ان کا اختصار سے ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ واقعہ ہجرت کے ذکر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ثانی اثنین اذ هما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا فانزل الله سکینته علیه (التوبه: ۴۰)

دو کے دوسرے جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے' اور وہ اپنے ساتھی (ابوبکرؓ) سے کہہ رہے تھے' فکر نہ کرو اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ پس اللہ نے ان پر اپنی سکینت (تسلی) نازل کی۔

تمام امت مسلمہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ غار ثور میں جناب رسول اکرم ﷺ کے "صاحب" (ساتھی' دوست) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اس ضمن میں بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ دشمن ہمارے اس قدر قریب آچکے ہیں کہ اگر وہ اپنے پاؤں کے نیچے دیکھیں تو ہمیں دیکھ لیں گے' اس پر آپ ﷺ نے جواب دیا:۔

ماظنك یا ابا بکر باثنین الله ثالثهما۔

ان دو کے بارے میں اے ابوبکر تمہارا کیا خیال ہے' جن کا تیسرا اللہ ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے یہ سب سے بڑا شرف ہے کہ وہ تین مقدس ہستیوں میں سے ایک تھے' جب کہ دو ہستیاں اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول کی تھیں۔

(۲) پھر اس سے بھی بڑا شرف یہ کہ اللہ نے ان پر اپنی سکینت (تسلی وتشفی) کا نزول فرمایا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو نبوت ورسالت کے سبب یہ سکینت تو ہمیشہ سے حاصل تھی اور اس موقع (ہجرت) پر اس کا نزول حضرت ابوبکر صدیق کے لئے بھی ہوا۔ (۳) یہاں یہ بھی یاد

رکھنا چاہئے کہ حضرت صدیقؓ کا حزن (فکر، تشویش) جناب رسول مقبولؐ کی سلامتی کے سلسلہ میں بربنائے محبت تھا۔ پھر حزن کوئی صفت ناپسندیدہ نہیں ہے کیونکہ قرآن میں اس کی نسبت خود صاحب وحی علیہ السلام سے بھی کی گئی ہے مثلاً سورہ، حجر کی ۸۸ ویں آیت وغیرہ میں۔ اس کی مزید بحث سہیلی کی الروض الانف جلد دوم صفحہ ۴ و ۵ اور امام ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ، جلد چہارم، صفحہ ۱۳۹ و بعد میں دیکھنی چاہیے۔

۲۔ حضرت بلال اور دوسرے مسلمان غلاموں اور باندیوں کی آزادی کے واقعہ سے متعلق ان آیات میں اشارے کئے گئے ہیں:۔

فاما من اعطیٰ واتقیٰ ہ وصدق بالحُسنیٰ ہ فسنیسرہ للیسریٰ ہ (سورۃ اللیل: ۵۔۷)۔

تو جس نے مال دیا اور پرہیزگاری کا راستہ اختیار کیا اور اچھائی (یعنی اسلام) کی تصدیق کی، تو ہم اس کے لئے آسانی (یعنی جنت) کا راستہ آسان بنادیں گے۔

(ب) وسیجنبھا الاتقیٰ ہ الذی یوتی ماله یتزکیٰ ہ ومالاحد عنده من نعمۃٍ تُجزیٰ ہ الاابتغاء وجه ربه الاعلیٰ ہ ولسوف یرضیٰ ہ (اللیل: ۱۷۔ ۲۱)

اور (جہنم کی آگ سے) دور رکھا جائے گا وہ اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والا شخص جو کہ اپنا مال نفس کی پاکیزگی کی خاطر (راہ خدا میں) دیتا ہے اور اس پر کسی کا احسان نہیں ہے کہ وہ (اس عطیہ سے) اس کا بدلہ اتارنا چاہتا ہو، اسے تو صرف اپنے اعلیٰ پروردگار کی رضا جوئی منظور ہے اور اس سے اللہ ضرور راضی ہوگا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے، ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے، طبرانی نے حضرت عروہ بن زبیر سے، بزاز نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے اور ابوالحسن الواحدی نے حضرت علی سے، عامر بن عبداللہ سے، حضرت ابن زبیر سے اور حضرت عبداللہ بن عباس سے جو روایتیں نقل کی ہیں، ان کی رو سے سورہ، اللیل کی یہ آیتیں حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں کیونکہ انھوں نے حضرت بلال سمیت سات بے سہارا مسلمانوں کو اپنے مال سے خرید کر محض رضائے الٰہی کی خاطر آزاد کیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے برسر منبر لوگوں سے کہا تھا کہ یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں نازل ہوئی تھیں۔ یوں ان کی شان نزول پر صحابہ و تابعین میں اتفاق تھا۔ (۴)

۳۔ ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ سورہ، رحمان کی مندرجہ ذیل آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ علامہ جلال الدین سیوطی کا بیان ہے کہ اس سلسلہ میں اور بھی روایات ہیں، جنھیں انھوں نے اپنی کتاب اسباب النزول میں نقل کیا ہے:۔

ولمن خاف مقام ربه جنتان ہ (رحمٰن: ۴۵)

اور جو شخص اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لئے جنت کے دو باغ ہیں۔ (۵)

۴۔ حضرات عکرمہ، سدی، مقاتل اور محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ میں یہود کے بیت المدراس (تعلیم گاہ) میں گئے، وہاں یہود کا عالم فنحاص بن عازوراء لوگوں کو اپنے دین کی تعلیم دے رہا تھا، اس سے حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا اے فنحاص تم یہود کے عالم ہو، تمھاری کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صادق اور اسلام حق ہے، تم اسلام قبول کرلو، اللہ کو قرض حسنہ دو (بھلائی اور نیکی کرو)، اللہ تمھیں اس کا اجر نیک دے گا، اس پر فنحاص نے تمسخرانہ انداز میں کہا کہ اے ابوبکر تمھارا اللہ فقیر ہے جو ہم سے قرض مانگتا ہے، اس بات پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سخت غصہ آیا اور فنحاص کو ایک زور کا تمانچہ رسید کر کے بولے کہ اے دشمن خدا اگر ہمارے مابین معاہدہ نہ ہوتا تو میں تجھے تیری اس گستاخی پر قتل کردیتا۔ اس کی شکایت فنحاص نے رسول اللہ ﷺ سے کی، آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے دریافت کیا، انھوں نے سارا واقعہ سنایا، فنحاص نے اس بات کا انکار کیا کہ اس نے اللہ کو فقیر بنایا اور مسلمانوں کا مذاق اڑایا ہے، حضرت ابوبکر

صدیقؓ کی تصدیق اور فنحاص کی تکذیب میں سورہ آل عمران کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

لقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر ونحن اغنیاءؕ (آل عمران ۱۸۶:)

اللہ نے ان لوگوں (یعنی یہود) کی بات سن لی ہے جنھوں نے یہ کہا کہ بیشک اللہ فقیر (محتاج) ہے اور ہم مالدار ہیں۔(۶)

۵۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر آیات قرآنی کے واضح اشارات موجود ہیں' ایسے واضح اشارات جن کے بعد ان کی خلافت سے انکار آیات قرآنی سے انکار کے مترادف ہے۔ فتنہء ارتداد کا ذکر' جس کی کسی قدر تفصیل اس کتاب میں آچکی ہے' قرآن شریف میں موجود ہے۔ مرتدین کے دوسرغنے یعنی اسود عنسی اور مسیلمہء کذاب جناب رسالت مآب ﷺ کے آخری دنوں میں آمادہء فساد ہوگئے تھے اور اسود عنسی' کو آپ کی حیات دنیوی کے آخری دنوں میں قتل بھی کر دیا گیا تھا مگر اس کے پیروؤں کا استیصال' مسیلمہ کے فتنہ کا انسداد اور سارے عرب کے مرتدین کا خاتمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا۔ اس اجمال کے بعد قرآن کریم کے مندرجہ ذیل ارشاد پر غور کیجیے:۔

یاایھا الذین آمنوا من یرتدَّ منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقومٍ یُحبّھم ویحبونہ اذلّۃٍ علی المومنین اعزۃٍ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم۔ (مائدۃ:۵۴)۔

اے ایمان لانے والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا (مرتد ہو جائے گا) تو جلد ہی اللہ ایک ایسے گروہ (جماعت) کو لائے گا جن کو وہ دوست رکھے گا اور وہ بھی اس کو دوست رکھیں گے' وہ لوگ اہل ایمان کے ساتھ نرم و مہربان اور اہل کفر کے ساتھ سخت اور کڑے ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور اس سلسلہ میں کسی ملامت و سرزنش سے خوف زدہ نہ ہوں گے۔

مرتدین کے خلاف یہ جہاد وسیع پیمانے پر صرف اور صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا' ان کا مکمل استیصال اور انھیں دوبارہ دائرہء اسلام میں داخل کرنے کا فریضہ بھی انھیں کے دور میں انجام دیا گیا۔ وہ اہل ایمان کا گروہ جس کی امامت صدیق اکبر کو سپرد کی گئی' قرآن نے ان کے بارے میں یہ تصدیق کی ہے کہ وہ اللہ کے محبوب ہوں گے اور اللہ ان کا محبوب ہوگا' اہل ایمان کے حق میں وہ رافت و رحمت کا پیکر ہوں گے' اہل کفر کے لئے سخت گیر ہوں گے' اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور اس نصرت حق پر' اس محبت الٰہی پر اور اس مومنین کے لئے رحم مجسم اور کفار کے لئے کڑے پن پر وہ کسی ملامت سے' کسی سرزنش سے اور کسی باطل کی شرانگیزی سے ہرگز ہرگز نہ ڈریں گے۔ اس آیت قرآنی کی بناء پر مفسرین وائمہء امت نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا قرآن سے استنباط کیا ہے اور یہ استنباط اتنا صریح و واضح ہے کہ کسی وضاحت مزید کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔(۷)

۶۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر واضح اشارہ ذیل کی قرآنی آیت میں بھی موجود ہے۔ اس بات پر دوست و دشمن سبھی متفق ہیں کہ روم و فارس کے خلاف شام و عراق کے محاذ پر مسلمانوں کی جنگیں سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہء خلافت میں لڑی گئیں اور انھیں کے حکم سے پہلے عراق میں ایرانیوں کے خلاف اسلامی لشکر نے جہاد شروع کیا اور بعد ازاں شام میں رومیوں کے مقابلہ میں عساکر اسلامیہ کی لام بندی ہوئی۔ ان کے بعد ان مہمات میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تیزی آئی اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مشرق میں ساسانی اقتدار کا آفتاب غروب ہوگیا اور مغربی محاذ پر رومیوں کو کھدیر کھدیر کر ایشیائے زرخیز سے باہر کر دیا گیا۔ ایران و روم کے خلاف جہاد کی سیادت حضرت صدیق اکبر کو حاصل ہے اور حضرت عمر فاروق وحضرت عثمان غنی نے' ان کے اس عمل نیک کی تکمیل فرمائی۔ بقول سیوطیؒ

فالصدیق ھوالذی جھزالجیوش الیھم و تمام امرھم کان علی

يد عمر و عثمان وهما فرعا الصديق

تو حضرت صدیق نے ان لوگوں کے خلاف لشکر مرتب کر کے روانہ کئے اور ان کی تکمیل حضرات عمر و عثمان کے ہاتھوں ہوئی اور وہ دونوں حضرت صدیق کی دو شاخیں ہیں۔ (۸)

اس جہاد کے برپا کرنے کی بشارت سورہ الفتح میں دی گئی ہے۔ سفر حدیبیہ میں مدینہ کے اردگرد کے اعراب (بدوؤں) نے شرکت سے جان چرائی تھی اور آنحضرت ﷺ کے ہمراہ نہ گئے تھے۔ واقعہ حدیبیہ کے بعد جب سورہ الفتح نازل ہوئی تو ان کے تخلف (جنگ میں شریک نہ ہونے) پر اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش کی اور انھیں قریش مکہ سے بھی سخت جنگ کرنے والے دشمن کے خلاف لڑنے کی غرض سے بلائے جانے کا ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ اس داعی کی اطاعت کرنے پر اللہ نیک اجر (اجر حسن) اور اس سے سرتابی کرنے پر دردناک عذاب (عذاب الیم) دے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

قل للمخلفين من الاعراب ستدعون الىٰ قوم اولى باسٍ شديد تقاتلو نهم او يسلمون فان تطيعوا يؤت كم الله اجراً حسناً وان تتولوا كماتوليتم منٰ قبل يعذبكم الله عذاباً اليماً ٥ (سورة الفتح : ايت ۱۶)

ان بدوؤں سے جو (سفر حدیبیہ میں شرکت سے) پیچھے رہ گئے تھے کہہ دیجئے کہ جلد ہی تم سخت ترین جنگ جو (اقوام) سے جنگ کرنے کے لئے بلائے جاؤ گے، تم ان سے لڑتے رہو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے، تو اگر اس وقت تم حکم مانو گے تو اللہ اچھا اجر دے گا اور اگر تم سرتابی کرو گے جیسا کہ تم پہلے سرتابی کر چکے ہو تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا۔

مفسرین کی کثیر تعداد کا یہ بیان ہے کہ اعراب (بدو) جس قوم سے جنگ کی غرض سے بلائے جائیں گے وہ ایران و روم کی افواج قاہرہ (اولو باس شدید) ہیں، بعض مفسرین کی روایت ہے کہ اس قتال کا تعلق بنوحنیفہ سے ہے، جن سے فتنہ ارتداد کے زمانے میں سب

سے بڑی جنگ یمامہ کے حدیقۃ الموت کے اردگرد لڑی گئی۔ بہرکیف وہ ایران و روم کی افواج قاہرہ ہوں یا بنوحنیفہ کے چالیس ہزار مرتدین، ان سبھی سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگیں ہوئیں۔ اس طرح قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق کی ذات گرامی ہے، جن کی اطاعت اور جن کی امامت و قیادت میں قتال پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اچھے بدلے کی بشارت دی ہے اور جن کے حکم سے سرتابی پر سخت عذاب کی وعید آئی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر یہ دوسری قرآنی دلیل ہے اور ان کی اطاعت پر اجر حسن و حکم عدولی پر عذاب الیم کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ (۹) یہ خیال کہ اعراب (بدوؤں) کو جس لشکر جرار سے قتال کی غرض سے بلائے جانے کا آیت زیرنظر میں ذکر آیا ہے، وہ قتال خود عہد نبویؐ میں ہوا، درست نہیں ہے۔ کیونکہ حدیبیہ کے بعد، عہد رسالت میں، جو دوسری جنگ لڑی گئی، وہ یہود خیبر کے خلاف تھی۔ ایک تو اس معرکہ میں بیشتر شرکائے حدیبیہ کو شامل کیا گیا اور اعراب کو اس کی دعوت نہیں دی گئی تھی (۱۰) دوسرے یہود کوئی عظیم جنگی طاقت بھی نہ تھے، وہ کھلے میدان میں لڑنے کی بجائے قلعہ بند ہو کر لڑے اور ان پر کسی بڑی خونریزی کے بغیر قابو پالیا گیا۔ (۱۱) بعدازاں فتح مکہ کے موقع پر کوئی قتال نہ ہوا، حنین میں ابتدائی سختی کے سوا کوئی بڑی جنگ نہ ہوئی اور تبوک میں بھی کسی قسم کی لڑائی نہ ہوئی۔ اس بناء پر آیت قرآنی میں قوی تر دشمن کے خلاف جس قتال شدید کا بیان ہے، اس کا تعلق عہد رسالت کے غزوات مابعد سے نہیں ہے۔ عہد رسالت کے بعد روم و ایران کے خلاف کارزار عظیم برپا ہوا اور اس میں اعراب بھی شریک تھے اور دیگر قبائل عرب بھی۔ (۱۲) اس امر کی کہ اس آیت قرآنی سے عہد نبویؐ کے معرکے مراد نہیں ہیں، ایک قوی ترین دلیل اور بھی ہے۔ انھیں اعراب (بدوؤں) کے جنگ سے جی چرانے اور رسول مقبول ﷺ کا ساتھ نہ دینے کا ذکر سورہ توبہ میں بھی ہے اور وہاں اللہ نے رسول اکرم ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ:۔

قل لن تخرجوا معى ابداً، ولن تقاتلوا معى عدوّاً، انكم رضيتم

بالقعود اول مرۃ فاقعدُ وامع الخالفین ہ (التوبۃ:۸۳)

آپؑ ان (اعراب) سے کہہ دیجئے تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ نکلو گے اور کبھی بھی میرے ساتھ کسی دشمن سے قتال (جنگ) نہ کرو گے تم لوگوں نے پہلی مرتبہ گھروں میں بیٹھ رہنے اور ہمارے ساتھ نکل کر جنگ نہ کرنے کو پسند کیا تو اب ہم سے علیحدہ ہو جانے والوں کے ساتھ اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔ (۱۳)

۷۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنی اس مقدس کتاب کی حفاظت و صیانت کے متعلق فرماتا ہے:۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون (الحجر آیت ۹)

"بے شک ہمیں نے اس ذکر (کتاب، قرآن) کو (آپ ﷺ پر) اتارا ہے اور بے شک ہمیں اس کی حفاظت بھی فرمائیں گے۔"

قرآن کی حفاظت کا یہ خدائی وعدہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں پورا ہوا۔ ہم جمع القرآن کے سلسلہ میں اس کا ذکر کر چکے ہیں، یہاں ان مباحث کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مہتم بالشان فریضہ جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر ایمان لانے والوں پر عائد کیا گیا تھا، اس کی انجام دہی سیدنا ابوبکر صدیق اکبر کے ذریعہ ہوئی اور آج امت مسلمہ کے ہاتھوں میں جو مقدس کتاب ہے اور جس کی حفاظت کا وعدہ اللہ نے کیا تھا، وہ سرتاسر انہیں کی مساعیٔ جمیلہ کی بدولت ہے۔ یہ دعویٰ کہ قرآن کو کسی اور نے بھی جمع کیا تھا، اس لئے قابل قبول نہیں کہ ایسا کوئی مجموعہ نہ متداول ہے اور نہ معتبر و موثق۔ ساتھ ہی ایسے کسی مجموعہ کا کوئی وجود بھی نہیں ہے۔ اس بناء پر کہ وعدہ خداوندی کی تکمیل عہد صدیقی میں ہوئی، ان کی خلافت کو ایک گونہ تائید الٰہی حاصل ہے اور ان کی بیعت خلافت مشیت ایزدی کے عین مطابق تھی، سو ان کی اطاعت بھی منشا خداوندی کے عین مطابق ہے (۱۴)

۸۔ وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصالحت لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم و لیمکنن لهم د ینهم

الذی ارتضی لهم و لیبد لنهم من بعد خو فهم امنا یعبدوننی لا یشر کون بی شیاء ہ (النور ۵۵)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلافت دیگا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطاء کی، اور یہ کہ ان کے لئے وہ ان کے دین کو جسے اس نے ان کے واسطے پسند کیا، مستحکم کر دے گا اور یہ کہ خوف کے بعد ان کو امن دے گا تا کہ وہ اللہ کی اطمینان خاطر کے ساتھ عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔"

حافظ بن کثیر دمشقی کا بیان ہے کہ یہ آیت قرآنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی خلافت پر منطبق ہے اور اس سے ان کی خلافت ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے مفسرین نے روایات سے یہ استناد کیا ہے کہ اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت قرآن سے ثابت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان بزرگوں کے زمانوں میں اللہ کا یہ وعدہ کہ اہل ایمان کو زمین میں اقتدار (تمکن) حاصل ہوگا، دین اسلام سر بلند ہوگا، خوف کی فضا کافور ہوگی اور امن و امان کا دور دورہ ہوگا، اللہ کی عبادت کی جائے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے گا، پورا ہوا، سو ان کی خلافت اس بشارت خداوندی کا مصداق ہے۔ (۱۵)

ارشادات نبویؐ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کی خلافت پر قرآنی آیات سے استناد کے بعد ہم جناب رسول اکرم ﷺ کے ارشادات کا ذکر کریں گے۔ ایسی احادیث بکثرت ہیں، اس لئے ہم ان میں سے صرف چند کو یہاں بیان کریں گے جن سے ان کی افضلیت کا اثبات اور استحقاق خلافت مقصود ہے:۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول اکرم ﷺ ایک دن مسجد نبوی میں داخل ہوئے آپؐ کے دائیں بائیں حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر

فاروق تھے، آپ ان دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: ''ہم یوں ہی قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ ھکذا نبعث یوم القیامۃ۔(۱۶)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور اس سے باہر نکلوں گا، اس کے بعد ابوبکر کی اور بعد ازاں عمر کی قبریں شق ہوں گی اور وہ ان سے باہر آئیں گے۔(۱۷)

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے ابوبکر میری امت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہوگے۔''(۱۸)

۴۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق سے فرمایا: ''اے ابوبکر تم حوض (جنت) پر میرے ساتھی ہوگے، تم غار (ثور) میں میرے ساتھی ہو۔''(۱۹)

۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ انصار ومہاجرین کے کسی اجتماع میں جس میں حضرات ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی موجود ہوتے، تشریف لاتے تو ان لوگوں میں سے کوئی آپ ﷺ کی طرف ابوبکر وعمر کے سوا آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا، یہی دونوں حضرات آپ کی طرف دیکھتے اور مسکراتے تھے، اور آنحضرت بھی انہیں کی طرف دیکھتے اور تبسم فرماتے تھے۔(۲۰)

۶۔ حضرت ابی اروئ دوسی کا بیان ہے کہ میں جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ابوبکر وعمر وہاں آئے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تم دونوں سے میرے بازو قوی کیے۔''(۲۱)

۷۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرات ابوبکر وعمر کو دیکھ کر فرمایا: ''یہ دونوں میری سماعت وبصارت (کان وآنکھ) ہیں (ھذان السمع والبصر)(۲۲)

۸۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر نبی کی امت میں سے کچھ لوگ اس کے مخصوص ساتھی ہوتے ہیں اور میرے اصحاب میں میرے مخصوص ساتھی ابوبکر وعمر ہیں (وان خاصتی من اصحابی ابوبکر و عمر)(۲۳)

۹۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میری ساری امت پر ابوبکر کی محبت اور ان کا شکریہ واجب وضروری ہے۔(حب ابی بکر و شکرہ واجب علی کل امتی)(۲۴)

۱۰۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد برسر منبر یہ اعلان فرمایا: ''اے لوگو ابوبکر نے کبھی مجھے ناراض نہیں کیا، تم لوگ ان کی اس بات کو جان لو۔ اے لوگو میں ابوبکر سے راضی ہوں۔''(۲۵)

۱۱۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وصال سے پہلے فرمایا: ''مسجد (نبوی) میں ابوبکر کے دروازے کے سوا سارے دروازے بند کردیئے جائیں۔'' علماء کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کی جانب اشارہ ہے کہ وہ اس دروازے سے مسلمانوں کی امامت صلوۃ کے لئے مسجد نبوی میں آئیں گے۔(۲۶)

۱۲۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر انبیا کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں۔''(۲۷)

۱۳۔ حضرت سعد بن زرارہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ کے بعد آپ کی امت میں سب سے اچھے شخص ابوبکر ہیں۔''(۲۸)

۱۴۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ مردوں میں آپ کا سب سے زیادہ پسندیدہ (محبوب) شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا ابوبکرؓ۔''(۲۹)

۱۵۔ حضرت مقداد سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عقیل ابن طالب رضی اللہ عنہما میں کسی بات پر اختلاف ہوا۔ حضرت عقیل نے حضرت ابوبکر صدیق کو برا بھلا کہا، حضرت ابوبکر صدیق ان کا جواب دے سکتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ سے حضرت عقیل کی قرابت داری کے سبب انہوں نے خاموشی اختیار کرلی اور جناب رسول اللہ اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عقیل کی بدکلامی کی شکایت کی۔ یہ سن کر جناب رسول اللہ ﷺ لوگوں کے مجمع میں تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا: ''کیا تم لوگ میری خاطر میرے ساتھی (صاحب) کو (تکلیف پہونچانے) سے باز نہ آ جاؤ گے؟ تمہاری حالت اور ان کی حالت میں بڑا فرق ہے۔ تم سب کیے دروازوں پر ظلمت ہے ماسوا ابوبکر کے جن کے دروازے پر نور ہے۔ اللہ کی قسم تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا جب کہ ابوبکر نے تصدیق کی۔ تم لوگوں نے اپنے مال روک لئے جب کہ ابوبکر نے میرے لئے اپنے مال کو خرچ کیا۔ تم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا جبکہ ابوبکر نے میری غم خواری کی اور میرا ساتھ دیا۔'' (۳۰)

۱۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے جناب رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ابوبکر سے مشورہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔'' (۳۱)

۱۷۔ حضرت عبداللہ بن غنم کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرات ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا: ''اگر تم دونوں مشورہ میں کسی رائے پر متفق ہو جاتے ہو تو میں تمہارے مشورہ کے خلاف نہیں کرتا۔'' (۳۲)

۱۸۔ حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کے دو وزیر اہل آسمان سے اور دو وزیر اہل زمین سے ہوتے ہیں۔ اہل آسمان کے میرے دو وزیر جبرئیل و میکائیل ہیں اور اہل زمین سے میرے دو وزیر ابوبکر و عمر ہیں'' (۳۳)

۱۹۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ ابوبکر غلطی کریں۔'' (۳۴)

۲۰۔ حضرت بسطام بن مسلم کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے ابوبکر و عمر میرے بعد تم دونوں پر کوئی اور حاکم نہ ہوگا۔'' (۳۵)

۲۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کا ایک رفیق (ساتھی، دوست) ہوتا ہے اور جنت میں میرے رفیق ابوبکر ہیں۔'' (۳۶)

۲۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ ایک ساتھ کھڑے تھے کہ اس اثناء میں حضرت ابوبکر صدیق وہاں آ گئے۔ حضورؐ نے ان سے مصافحہ اور معانقہ کیا اور ان کی پیشانی چومی پھر حضرت علیؓ سے فرمایا: ''میرے ہاں ابوبکر کا وہی مقام و مرتبہ ہے جو مقام و مرتبہ اللہ کے نزدیک میرا ہے۔'' (منزلة ابی بکر مدی کمنزلتی عند ربی) (۳۷)

۲۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر میں اپنی امت میں کسی کو خلیل بناتا تو یقیناً ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا، مگر وہ میرے بھائی اور دوست (صاحب) ہیں۔'' (۳۸)

۲۴۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''دنیا میں ابوبکر سے زیادہ راست گفتار کوئی نہیں، جو شخص زہد میں عیسیٰ کے مانند شخص کو دیکھنا چاہتا ہو وہ ابوبکر کو دیکھے۔'' (۳۹)

۲۵۔ حضرت ابولدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آگے آگے چل رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھا تو حضرت ابوالدرداء سے فرمایا: ''اے ابوالدرداء کیا تم اس شخص کے آگے چلتے ہو جو تم سے دنیا و آخرت میں بہتر ہے؟ انبیاء و مرسلین کے بعد کسی ایسے شخص پر نہ آفتاب طلوع ہوا اور نہ غروب جو ابوبکر سے افضل ہو۔'' (۴۰)

۲۶۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: ''کسی شخص کو ابوبکر کے آگے (مقدم) نہ کرو، کیوں کہ وہ تم سے دنیا و آخرت میں افضل ہیں۔'' (۴۱)

۲۷۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''ابھی تمہارے سامنے ایسا شخص آئے گا جس سے بہتر و افضل شخص میرے بعد اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا ہے اور اسے بھی انبیاء کی طرح شفاعت کرنے کا حق ہوگا۔'' ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ حضرت ابوبکر وہاں آ گئے، آنحضرت ﷺ نے اٹھ کر انہیں بوسہ دیا اور اپنے پاس بٹھایا۔'' (۴۲)

۲۸۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد جو لوگ (مسلمانوں کے امام ہوں گے) ان کی اطاعت کرو یعنی ابوبکر و عمر کی۔'' اس مضمون کی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (۴۳)

۲۹۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی صحبت (دوستی) اور مال میں مجھ پر ابوبکر کا سب سے زیادہ احسان ہے۔'' (۴۴)

۳۰۔ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت جناب رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں کسی کام سے آئی۔ آپ ﷺ نے اسے پھر آنے کا حکم دیا اس پر اس نے یہ دریافت کیا کہ اگر آپ موجود نہ ہوں، اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ وفات پا چکے ہوں، تو میں کس کے پاس آؤں؟ جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں نہ ہوں، تو ابوبکر کے پاس آنا۔ یہ جواب سن کر وہ عورت واپس چلی گئی۔ محدث ابوعمر نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استدلال لیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ نے واضح اشارہ فرما دیا تھا اور یہ کہ ان کی وفات کے بعد منصب خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے مختص ہو چکا تھا۔ اس حدیث کو ابن عساکر نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اور شیخین (امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ) نے

حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت کیا ہے۔ (۴۵)

۳۱۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں لڑائی کی اطلاع جناب رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپ ظہر کے بعد ان لوگوں کے مابین صلح کرنے کی غرض سے تشریف لے گئے۔ روانگی سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: ''اگر نماز (عصر) کا وقت ہو جائے اور میں نہ آ سکوں تو ابوبکر سے کہنا کہ نماز میں (مسلمانوں کی) امامت کریں۔'' جب نماز عصر کا وقت ہوا تو حضرت بلال نے اذان دی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ (۴۵ الف) اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے اپنی آخری علالت کے وقت جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت صلوٰۃ کا حکم دیا تھا وہ کوئی منفرد واقعہ نہ تھا بلکہ امامت صلوٰۃ جو دراصل امامت مسلمین و خلافت نبوی ہے اس کے لئے آپ کا تعین ہو چکا تھا اور اس لئے آنحضرت ﷺ نے آخری علالت کے دوران میں یہ فرمایا تھا: ''لا ینبغی لقوم فیھم ابوبکر ان یؤمھم غیرہ'' یعنی جس قوم میں ابوبکر موجود ہوں اس میں کسی اور کا ان کی امامت کرنا اچھا نہیں ہے۔ ایک دوسری حدیث میں جسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے دریافت کرنے پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''لست انا اقدمہ، لکن اللہ یقدمہ'' یعنی میں نے ابوبکر کو امامت صلوٰۃ کے لئے آگے نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں اس کے لئے آگے کیا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ: ''یابی اللہ و المؤمنون، الا ابابکر'' یعنی اللہ اور اہل ایمان ابوبکر کے سوا کسی اور کو امامت صلوٰۃ کے لئے پسند نہیں کریں گے۔ اسی مضمون کی روایت سنن ابی داؤد میں موجود ہے۔ ان احادیث کی روشنی میں یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے مسلمانوں کی امامت کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقرر کر دیا تھا جس کے وہ بجا طور پر اپنی افضلیت کی بناء پر مستحق تھے۔

اس کی تائید مزید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ: ''رسول اللہ

ﷺ نے اپنی علالت کے دوران حضرت ابو بکر صدیق کو امام صلوۃ مقرر فرمایا۔ جب آپ کا وصال ہو گیا تو ہم نے غور کیا صلوۃ اسلام کا علم اور دین کی اساس ہے، سو ہم نے اپنی دنیوی قیادت کے لئے اسی کو پسند کیا جسے رسول علیہ السلام نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا تھا۔ اور ہم نے ابو بکر کی بیعت کر لی۔" (۴۶)

اقوال صحابہؓ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت سے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بکثرت اقوال موجود ہیں، ہم ان میں سے چند کو ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

۱۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: "ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگوں کے مابین افضلیت کی بات کرتے تھے تو (حضرت) ابو بکر کو سب سے افضل، ان کے بعد (حضرت) عمر کو اور ان کے بعد (حضرت) عثمان کو تمام صحابہ سے افضل قرار دیتے تھے۔" ابوداؤد کی روایت ہے کہ صحابہ کرام عہد رسالت میں کسی صحابی کو ابو بکر صدیق کے ہم مرتبہ نہیں سمجھتے تھے، ان کے بعد حضرت عمر اور ان کے بعد حضرت عثمان کو افضل قرار دیتے تھے اور دیگر صحابہ کے مابین افضلیت کی بحث کو ترک کر دیتے تھے۔"

ابن عساکر نے اسی مضمون کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: "ہم اصحاب رسول بکثرت تھے اور ہمارا اس امر پر اتفاق تھا کہ امت محمدیؐ میں نبی اکرم علیہ السلام کے بعد سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق ہیں، پھر عمر، پھر عثمان اس کے بعد ہم خاموش ہو جاتے تھے۔" ان روایات کی رو سے صحابہ کرام کی اس رائے کا علم جناب رسول اللہ ﷺ کو ہوتا تھا اور آپؐ اس کا انکار نہ فرماتے تھے۔ (فیعلم بذالك النبی صلی اللہ علیہ و سلم ولا ینکرہ) (۴۷)

۲۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب فتنہ ارتداد کے موقع پر میرے والد (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) تلوار بلند کئے ہوئے، گھوڑے پر سوار ہو کر مرتدین سے قتال کی غرض سے نکلے تو (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) نے آگے بڑھ کر

ان کی سواری کی لگام تھام لی اور فرمایا: "اے خلیفہ رسول آپ کہاں جا رہے ہیں، میں آج آپ سے وہی کہتا ہوں جو غزوہ احد کے موقع پر رسول کرم (ﷺ) نے آپ سے کہا تھا کہ "اپنی تلوار نیام میں رکھ لو، ہمیں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر غم زدہ نہ کرو۔" آپ مدینہ لوٹ جائیں، خدا کی قسم آپ کو کوئی گزند پہونچی تو آپ کے بعد (اسلام و اہل اسلام کا) کوئی نظام کبھی قائم نہ ہو سکے گا۔" (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کی اس بات پر (حضرت) ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) واپس آ گئے۔" (۴۸)

۳۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یوں مخاطب کیا: "آپ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل ہیں۔" (۴۹)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: "جس قوم میں (حضرت) ابو بکر موجود ہوں اس کا امام بنائے جانے سے مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ میری گردن مار دی جائے۔" (۵۰)

۵۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ابو بکر ہم میں سب سے افضل، رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب اور ہمارے سردار ہیں۔" (۵۱)

۶۔ محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد لوگ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کی بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا: "تم لوگ میری بیعت کی غرض سے میرے پاس آئے ہو، حالانکہ تم میں ثالث ثلثہ (تین کے تیسرے یعنی اللہ، رسول و ابو بکر) ابو بکر موجود ہیں۔" (۵۲)

۷۔ محمد بن حنفیہ نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ صحابہ میں سب سے افضل کون ہے؟ آپ نے جواب دیا "ابو بکر!" (۵۳)

۸۔ ابو جحیفہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ فرماتے سنا: "نبی اکرم ﷺ کے بعد

سب سے افضل ابوبکر ہیں۔"(۵۴)

۹۔علقمہ بن قیس روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برسر منبر فرمایا:"رسول اکرم ﷺ کے بعد ابوبکر سب سے افضل ہیں"۔(۵۵)

۱۰۔نزال بن سبرہ کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:"نبی اکرم ﷺ کے بعد ابوبکر سب سے افضل ہیں۔"(۵۶)

۱۱۔عبداللہ بن سلمہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا:"رسول اکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں۔"(۵۷)

۱۲۔جب حضرات علی وزبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو کہا: تاخیر سے ہمارے بیعت کرنے کا سبب یہ تھا کہ ہمیں مشورہ میں شریک نہ کیا گیا، ہم ابوبکر کو رسول اکرم ﷺ کے بعد مسلمانوں کی سیادت وسربراہی کا سب سے زیادہ حق دار سمجھتے ہیں(احق الناس بعد الرسول)(۵۸)

۱۳۔عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ:"رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کون ان کو زیادہ محبوب تھا؟"انھوں نے جواب دیا:"ابوبکر"۔(۵۹)

۱۴۔حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ:"جس شخص نے ابوبکر وعمر پر کسی دوسرے صحابی ،رسول کو فضیلت وبرتری دی، اس نے تمام مہاجرین وانصار پر عیب لگایا اور ان کی تنقیص کی۔"(۶۰)

۱۵۔ابن شہاب زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھا:"کیا تم نے ابوبکر کے متعلق یہ شعر کہا ہے؟"حسان نے اثبات میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:"سناؤ!"حضرت حسان نے یہ اشعار پڑھے:۔

والثانی اثنین فی الغار المنیف وقد
طاف العدو به اذ صعد الجبلا

(وہ بلند غار میں دو کے دوسرے تھے اور دشمن ان کے چاروں طرف چکر لگا رہے تھے جبکہ وہ پہاڑ پر چڑھ گئے تھے۔)

وکان حب رسول اللہ قد علموا
من البریۃ لم یعدل بہ رجلا

(صحابہ کو اس بات کا علم ہے کہ وہ رسول اللہ کو نہایت عزیز ہیں اور ساری دنیا میں رسول ان کے برابر کسی اور کو نہیں سمجھتے۔)

ان اشعار کو سن کر آنحضرت ﷺ ہنسے اور فرمایا:"اے حسان تم نے سچ کہا، ابوبکر ایسے ہی ہیں جیسا کہ تم نے کہا۔"(۶۱)

۱۶۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں سے کہتے تھے:"اے لوگو! تم اپنے میں سے سب سے اچھے شخص کو اپنا امام بناؤ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد جسے امام بنایا وہ ہم میں سب سے اچھے (افضل) تھے۔"(۶۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان اقوال کی روشنی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت واضح ہو جاتی ہے اور یہ کہ انبیاء کرام کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے افضل الناس ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے۔اس کی تائید مزید سقیفۂ بنی ساعدہ کی بحث وتمحیص سے بھی ہوتی ہے اور یہی وجہ تھی کہ انھوں نے امامت کے منصب جلیل کے لئے انھیں کو چنا

اقوال تابعینؒ

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر تابعین وائمہ امت کے ارشادات بکثرت ہیں ہم ان میں سے چند اقوال ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

۱۔مدینہ کے مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"حضرت ابوبکر صدیقؓ جناب رسول اللہ ﷺ کے وزیر تھے، وہ ان سے تمام معاملات میں مشورہ فرماتے تھے، وہ اسلام میں دوسرے، غار ثور میں دوسرے، جنگ بدر کے موقع پر عریش (سائبان) میں دوسرے اور (حجرہ نبوی میں) قبر میں ان کے دوسرے ہیں۔آپ ﷺ

ان پر کسی کو مقدم نہ کرتے اور نہ ان پر ترجیح دیتے تھے۔" (۶۳)

۲۔ حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ جو فقہائے سبعۂ مدینہ (مدینہ کے سات فقہاء) اور جلیل القدر تابعین میں تھے' ان کے روبرو صحابہ کی اولاد میں سے کسی نے یہ کہا کہ "رسول اللہ ﷺ جس جگہ بھی رہے علیؓ ان کے ساتھ تھے۔" حضرت قاسم نے یہ سن کر فرمایا کہ "تم ایسا نہ کہو کیونکہ غار ثور میں آنحضرتؐ کے ساتھ حضرت علیؓ نہ تھے۔ بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے' کیا تم نے قرآن کی یہ آیت نہیں سنی ہے کہ "وثانی اثنین اذھما فی الغار" الخ اور دو میں کے دوسرے جب کہ غار ثور میں تھے اور اپنے دوست سے کہہ رہے تھے' فکر نہ کرو' بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" (۶۴)

۳۔ کوفہ کے مشہور تابعی فقیہہ و محدث اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے لائق شاگرد حضرت مسروق بن اجدع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "حضرات ابوبکر و عمر کی محبت اور ان کی فضیلت کی معرفت سنت کا حصہ ہے۔" (۶۵)

۴۔ بصرہ کے جلیل القدر تابعی حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "جو شخص حضرات ابوبکر و عمر کی شان میں کمی کرے اور ان کے علوئے مرتبت کا اعتراف نہ کرے' میں نہیں سمجھتا کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے محبت کرتا ہے۔" (۶۶)

۵۔ بصرہ کے مشہور تابعی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن زبیر کو یہ دریافت کرنے کی غرض سے بھیجا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنایا تھا؟ حضرت حسن بصری یہ سوال سن کر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: "کیا اس بارے میں ان کو کسی قسم کا شبہ ہے؟ اللہ کی قسم رسول اکرم نے حضرت ابوبکر کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا' آپ کو ارادہ خداوندی کا علم سب سے زیادہ تھا' آپ اس سے سب سے زیادہ ڈرتے تھے تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آپ کی موت آ جاتی اور آپ کسی کو اپنا جانشین نہ بنا جاتے؟" (۶۷)

۶۔ کوفہ کے جلیل القدر تابعی حضرت عامر بن شراحیل الشعبی کا قول ہے کہ "اللہ تعالیٰ

نے حضرت ابوبکر کو ایسی چار خصوصیات سے نوازا جن سے اس نے ان کے سوا کسی اور کو امتیاز نہیں بخشا' اس نے انھیں صدیق کے لقب سے موسوم کیا جب کہ کسی کو ان کے سوا اس نے صدیق کا نام نہیں دیا' وہ غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تھے' سفر ہجرت میں آپ کے رفیق و ہم سفر تھے اور انھیں رسول اکرم ﷺ نے (اپنی علالت کے دوران میں) مسلمانوں کا امام صلوٰۃ مقرر فرمایا اور اس امر کے اہل اسلام شاہد و گواہ رہے۔" (۶۸)

۷۔ جلیل القدر تابعی و امام اہل بیت حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور دریافت کیا کہ (حضرت) ابوبکر و (حضرت) عمر کو رسول اللہ ﷺ سے کس قدر قرب حاصل تھا اور آپ کی نگاہ میں ان کا کیا مقام و مرتبہ تھا؟ آپ نے جواب دیا "ان دونوں کو رسول اللہ کی زندگی میں وہی قربت و منزلت حاصل تھی جو اس وقت حاصل ہے۔" (یعنی آپ کے وصال کے بعد جس طرح حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں آپ ﷺ کے مزار اقدس کے بالکل قریب ہیں' اسی طرح یہ دونوں اصحاب رسول ﷺ کی حیات دنیوی میں بھی ان سے بالکل قریب تھے اور انھیں آپ سے مقام قرب حاصل تھا)۔" (۶۹)

۸۔ خراسان کے مشہور تابعی حضرت ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "کتاب الاول میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر کی مثال بارش کے قطرہ کی ہے جہاں گرتا ہے' فائدہ پہنچاتا ہے۔" انھیں ربیع کا بیان ہے کہ "ہم نے انبیاء علیہم السلام کے صحابہ کے احوال پر نگاہ ڈالی تو ہمیں کوئی ایسا نبی نہ ملا جس کا صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا ہو۔" (۷۰)

۹۔ مدینہ کے مشہور تابعی حضرت ہشام بن عروہ بن زبیر نے یہ روایت کی ہے کہ: "امت محمدیہ میں اس کے نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے زیادہ غیور' خوددار اور غیرت مند حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ (کان اغیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر)۔ (۷۱)

۱۰۔کوفہ کے عظیم المرتبت تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی رحم دلی و نرم مزاجی کے سبب ''اوّاہ'' کہا جاتا تھا۔ (۷۲)

۱۱۔امام اہل بیت حضرت ابوجعفر محمد بن علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) صدیق تھے؟ انھوں نے فرمایا: ''ہاں رب کعبہ کی قسم' رب قبلہ کی قسم وہ صدیق ہیں' وہ صدیق ہیں۔'' (۷۳)

۱۲۔محدث جلیل و تابعی شہیر حضرت محمد بن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ''حضرت ابوبکر کے فضائل میں یہ بات نہایت اہم ہے کہ انھوں نے ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی قسم کا شک نہیں کیا۔'' (۷۴)

خلاصہء ما فی الباب

گزشتہ سطور میں آیات قرآنی' ارشادات نبویؐ' اقوال صحابہؓ و تابعینؒ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر استدلال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے' جسے امام بخاری اور دیگر محدثین کرام نے نقل کیا ہے' رسول مقبول ﷺ کی حیات دنیوی میں صحابہ کے نزدیک حضرت صدیق اکبرؓ اصحاب نبیؐ میں سب سے افضل سمجھے جاتے تھے اور صحابہ ان کا ہم رتبہ کسی اور کو نہ قرار دیتے تھے' اصحابؓ رسول اکرم کا ایسا سمجھنا اس لئے بھی تھا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے محاسن اخلاق' صفات پاکیزہ و کردار بلند کے سبب اپنے اقران سے برتر و اعلیٰ تھے اور نیز یہ کہ جناب رسالت مآب ﷺ بھی انھیں تخصیص و امتیاز عطاء فرماتے تھے۔ مسجد نبوی کی امامت صلوٰۃ' کہ امتیاز رسول اکرم تھا' رسول کی زندگی میں' حضرت صدیق ہی کو تفویض ہوئی خواہ وہ واقعہ بنی عمرو بن عوف کا موقع ہو یا رسول اکرم علیہ السلام کی آخری علالت کا واقعہ رسول بزرگ کے حکم سے حضرت صدیق ہی کو ملی اور دین کے اس ستون عظیم کی پاسبانی انھیں کے حصہ میں آئی۔ اس پر مزید یہ کہ آخری علالت کے دوران میں نبیؐ اکرم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کو بتاکید منصب امامت صلوٰۃ پر فائز فرما کر اور یہ ارشاد کر کے کہ اللہ اور اہل ایمان ابوبکر کے علاوہ کسی اور کی

امامت کو پسند نہ کریں گے' اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ پھر یہ حکم دے کر کہ مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں اور صرف ابوبکر کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے' اس بات کی طرف بھی واضح اشارہ فرما دیا کہ امامت صلوٰۃ' کہ دراصل امامت مسلمین و خلافت سید المرسلین ہے' نبیؐ اکرم کے بعد انھیں کو تفویض کی جانی ہے۔ افضلیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر یہ پہلی دلیل نقلی ہے۔

حج کہ اسلام کا ایک رکن ہے اور دین کی بنیاد جن ستونوں پر استوار کی گئی ہے' ان میں سے ایک ہے اور اس کی امارت بھی مختصات نبویؐ میں محسوب ہوتی ہے' اس کی امارت بھی رسول اقدس کی حیات دنیوی میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔ رمضان ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد ۸ھ کا حج عربوں کے قدیم طریقے پر ادا کیا گیا ۹ھ کا حج اسلام میں پہلا حج تھا جو اسلامی مناسک و شرائط کے مطابق ادا کیا گیا اور کفار عرب کو ان کے قدیم انداز سے فریضہء حج کی ادائیگی سے روک دیا گیا۔ جناب رسول اکرم ﷺ بوجوہ ۹ھ کے حج میں شرکت نہ فرما سکے اس لئے آپ کے نائب (خلیفہ) کی حیثیت سے اس سال کے حج کی امارت کے فرائض سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انجام دیئے۔ اگلے سال یعنی ۱۰ھ کا حج جو نبیء اکرم علیہ السلام کی زندگی کا آخری حج تھا' رسول اکرم ﷺ کی امارت میں ادا کیا گیا۔ یوں رسول اقدس کی زندگی میں ان کے حکم سے' اس فریضہ کی ادائیگی کی امارت و قیادت بھی حضرت صدیق ہی کے حصہ میں آئی اور ایسا بربنائے افضلیت تھا۔

اسلام کا ایک اور رکن زکوٰۃ ہے۔ رسول مکرم علیہ السلام کے وصال کے بعد اس کی ادائیگی بیشتر قبائل عرب نے روک دی تھی' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی وصول یابی کے لئے مانعین سے جہاد کیا اور زکوٰۃ میں دیئے جانے والے اونٹ کی رسی تک وصول کر کے' دین کے اس ستون کو منہدم ہونے سے بچا لیا اور مال کا حق کہ حق اہل اسلام تھا منکرین سے وصول فرمایا۔

جہاد' اسلام کی حفاظت اور دین کی صیانت کے لئے مخالفین کے خلاف اعلان جنگ

ہے' اسے پوری شدت کے ساتھ مرتدین عرب کے خلاف حضرت صدیق اکبر نے برپا کیا اور بعد ازاں ایران و روم کی طاقت ور سلطنتوں کے مقابلے میں اللہ کے دین کی عظمت کا پرچم انھیں نے بلند کیا اور انھیں کے حکم سے غازیان اسلام جوق در جوق سروں کو ہتھیلیوں پر لئے نزدیک و دور گئے اور اہل اسلام کے خوف کو امن سے اور دنیائے کفر کی ظلمتوں کو نور ایمان کی ضیاؤں سے بدل دیا اور یوں اسلام کو عالمی برادری میں مقام بلند عطاء کیا۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے جنھوں نے اس خدائی وعدہ کو کہ ہم قرآن کی حفاظت کریں گے' پورا کر دکھایا اور ایک مصحف میں خدا کے آخری پیام کو رہتی دنیا تک پہنچانے' اس کی اشاعت اور اس کی حفاظت کا شرف انھیں کو حاصل ہوا۔

جناب رسول اکرم ﷺ اس زمین پر اللہ کے آخری نبی اور تمام انبیاء و رسل کے قائد' سید و امام ہیں۔ ناموس رسالت کی حفاظت اہل ایمان کی سب سے بڑی ذمہ داری اور ان کے مومن ہونے کی شہادت اور گواہی ہے۔ ناموس رسول کی حفاظت اور منصب نبوت کے احترام کی خاطر حضرت صدیق اکبر ہی نے مدعیان نبوت سے جہاد کیا' اسود عنسی طلیحہ اسدی' سجاح تغلبیہ اور مسیلمہ کذاب کے فتنوں کا سد باب اللہ تعالیٰ نے انھیں کے ہاتھوں سے کرایا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ اسلامی نظام کو استقرار و استحکام انھیں کی ذات سے حاصل ہوا۔ مدینہ میں جو اسلامی ریاست جناب رسول اکرم ﷺ نے قائم فرمائی تھی' آپ کے وصال کے بعد اس کا وجود سخت خطرے میں پڑ گیا تھا' اسے انھوں نے خطرات سے نکالا' سرزمین عرب میں استحکام بخشا اور جزیرہ عرب کے باہر ایران و روم کے مقبوضات تک اسے وسعت دی اور بعد ازاں ان کے جانشینوں نے اس ریاست کو استحکام مزید بخشا بقول سیدنا علی رضی اللہ عنہ اگر حضرت صدیق اکبر نہ ہوتے تو یہ نظام باقی نہ رہ سکتا تھا اور اس کے ساتھ ہی حق کا غلبہ بھی نہ ہو سکتا تھا۔

ان اور ان جیسی دوسری وجوہ کی بناء پر اہل اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ امت

محمدیہ میں سب سے افضل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس لئے آج تک تقریباً چودہ سو سالوں سے مساجد کے جمعہ کے خطبوں سے مسلسل یہ آواز بلند ہو رہی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق تمام انسانوں سے انبیاء کرام کے بعد' افضل ہیں (افضل الناس بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ)۔ منصب خلافت نبویؐ و امامت مسلمین پر وہ اسی لئے فائز کئے گئے کہ انھیں نبی اکرم ﷺ تمام صحابہ سے افضل سمجھتے تھے اور یہ کہ تمام صحابہ کرام بھی انھیں اپنے سے افضل خیال کرتے تھے اور جیسا کہ اوراق گزشتہ میں درج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے ظاہر ہے کسی کو ان کے مقابلے میں دعویٰ افضلیت نہ تھا اور اگر کسی شخص نے غلطی سے انھیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل کہہ دیا تو وہ سخت ناراض ہوئے اور اس کی انھوں نے تردید کر دی۔ یہ بزرگ مزاج شناس رسولؐ تھے اور رسول کریم ﷺ کی نگاہ میں رفیق سفر ہجرت' یار غار ثور' رفیق عریش بدر کی جو عزت تھی' وہ اس سے واقف تھے' وہ تعلیم و تربیت نبوی کا اعلیٰ نمونہ تھے' اللہ کی خوشنودی' رسولؐ کی محبت اور مسلمانوں کی فلاح ان کا مقصود زندگی تھا' اس لئے انھوں نے منشائے خداوندی کے مطابق' حکم رسول اکرمؐ کی اتباع میں' اپنے میں سے سب سے افضل یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنا امام و رسولؐ کا خلیفہ منتخب کیا' سو ان کا انتخاب بر بنائے افضلیت ہوا اور ان کے کارنامہ ہائے خلافت نے ان کی افضلیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور یہ وہ افضل بزرگ و شرف سترگ ہے جو نبیوں کے بعد دنیا کے سب سے بڑے سب سے اچھے اور سب سے پاک انسان کے حصہ میں آیا

خیر البریۃ اتقاھا و اعدلھا
بعد النبی و اوفاھا بما حملا (۷۵)

وہ نبی کریمؐ کے بعد دنیا کے سب سے اچھے' سب سے پرہیزگار' سب سے زیادہ عادل اور سب سے زیادہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے والے ہیں۔

"حواشی (باب دہم)"

(١) سید سلیمان ندوی، ارض القرآن، مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ ١٩٢٣ء، جلد دوم ص ١١٩

(٢) بخاری ١:٥١٦؛ الاستیعاب (بہامش الاصابہ جلد دوم) ص ٢٤٣؛ اسد الغابہ ٣:٢٠٩؛ الاصابہ ٢:٣٤٣

(٣) اسد الغابہ ٣:٢١٠؛ تاریخ الخلفاء، ٤٤

(٤) الواحدی، اسباب النزول، مطبوعہ امیر قم تہران ١٣٦٢ھ ش، ص ٣٠٠ و ٣٠١؛ تاریخ الخلفاء ص ٤٤

(٥) تاریخ الخلفاء، ص ٤٤

(٦) اسباب النزول ص ٨٨ و ٨٩

(٧) زمخشری، الکشاف، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ١٣٦٦ھ، جلد اول ص ٦٤٤ تا ٦٤٨؛ امام رازی، تفسیر کبیر، مطبوعہ تہران (تاریخ طباعت ندارد) جلد ١٢ ص ١٨ تا ٢٤

(٨) تاریخ الخلفاء ص ٥٥

(٩) تفسیر کبیر، ٢٨:٩١ و ٩٢

(١٠) امام ابوداود، سنن، جلد دوم ص ٢٩؛ بلاذری، فتوح البلدان، ص ٤٢

(١١) القرآن، سورہ الحشر، آیت ١٤

(١٢) ابن واضح الیعقوبی، تاریخ الیعقوبی، جلد دوم ص ١٣٣

(١٣) تفسیر الکشاف، ٤:٣٣٨

(١٤) ضروری حوالے اور تفصیل کتاب کے باب نہم میں درج ہیں۔

(١٥) حافظ ابن کثیر دمشقی، تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت ١٣٨٨ھ جلد ٣ ص ٦١٥ و ٦١٦

(١٦) امام ابو عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی ص ٥٢٧

(١٧) ترمذی، ص ٥٣٠

(١٨) ابوداود جلد دوم، صفحہ ٢٨٤

(١٩) ترمذی، ص ٥٢٧

(٢٠) ترمذی، ص ٥٢٧

(٢١) قرۃ العینین، صفحہ ٢١

(٢٢) ترمذی، ص ٥٢٧

(٢٣) تاریخ الخلفاء، ص ٤٦

(٢٤) تاریخ الخلفاء، ص ٥١

(٢٥) تاریخ الخلفاء، ص ٤٦ و ٤٧

(٢٦) تاریخ الخلفاء، ص ٥٢؛ بخاری، ١:٥١٦؛ مسلم ٢:٢٧٢

(٢٧) تاریخ الخلفاء، ص ٤٢

(٢٨) تاریخ الخلفاء، ص ٤٢

(٢٩) بخاری، جلد اول، ص ٥١٧

(٣٠) تاریخ الخلفاء، ص ٤٨

(٣١) تاریخ الخلفاء، ص ٤٠

(٣٢) شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، مطبوعہ مطبع السعادۃ، مصر ١٣٢٨ھ، ٢:٣٤٣

(٣٣) ترمذی، ص ٥٢٨؛ اسد الغابہ ٣:٢١٣

(٣٤) الاصابہ، ٢:٣٤٣

(٣٥) ابن سعد، ٣:٢١١

(٣٦) محب الطبری الریاض النضرۃ مطبوعہ دار التالیف مصر ١٩٥٣ء، جلد

اول صفحہ ۱۴۵

(۳۷) الریاض النضرۃ، ۱: ۱۶۵

(۳۸) بخاری، ۱: ۵۱۶؛ ترمذی، ص ۵۲۶

(۳۹) الریاض النضرۃ، ۱: ۹۹

(۴۰) الریاض النضرۃ، ۱: ۱۱۹

(۴۱) الریاض النضرۃ، ۱: ۱۲۰

(۴۲) الریاض النضرۃ، ۱: ۱۳۰

(۴۳) ترمذی، ص ۵۲۶؛ ابن عبدالبر الاستیعاب فی اسماء الاصحاب (برحاشیہ الاصابہ) ۲: ۲۵۰

(۴۴) بخاری، ۱: ۵۱۶؛ مسلم، ۲: ۲۷۲؛ ترمذی ص ۵۲۶

(۴۵) بخاری، ۱: ۵۱۶؛ مسلم، ۲: ۲۷۳؛ الاستیعاب ۲: ۲۴۹، تاریخ الخلفاء ص ۵۲۔

(۴۵ الف) بخاری، ۱: ۴۹؛ سیوطی، ۵۴

(۴۶) ترمذی، ص ۵۲۷؛ مسلم، ۲: ۲۷۳؛ ابن سعد ۳: ۱۸۰ و ۱۸۳؛ ابو داؤد، ۲: ۲۸۵؛ الاستیعاب، ص ۲۵۱؛ تاریخ الخلفاء ص ۵۴

(۴۷) بخاری، ۱: ۵۱۶؛ ابوداؤد، ۲: ۲۸۰؛ تاریخ الخلفاء، ص ۴۱ و ۴۲

(۴۸) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۶: ۳۱۵؛ الریاض النضرۃ، ۱: ۱۳۰

(۴۹) ترمذی ص ۵۲۹

(۵۰) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، ص ۲۷، بحوالہ صحیح بخاری

(۵۱) ترمذی، ص ۵۲۵

(۵۲) ابن سعد، ۳: ۱۸۱

(۵۳) بخاری، ۱: ۵۱۸؛ ابوداؤد، ۲: ۲۸۰

(۵۴) امام احمد، مسند الامام احمد بن حنبل، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت ۱۳۵۹ھ، الجزء الاول، صفحہ ۱۰۶

(۵۵) مسند الامام احمد بن حنبل، ۱: ۱۰۶

(۵۶) الاستیعاب (بہامش الاصابہ) ۲: ۲۵۲

(۵۷) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، ص ۳۱

(۵۸) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، ص ۲۷

(۵۹) ترمذی، ص ۵۲۵

(۶۰) تاریخ الخلفاء، ص ۴۳

(۶۱) ابن سعد، ۳: ۱۷۴؛ الاستیعاب (بہامش الاصابہ) ۲: ۲۴۴ و ۲۴۵؛ اسد الغابہ، ۳: ۲۰۸

(۶۲) الاستیعاب (بہامش الاصابہ) ۲: ۲۵۱

(۶۳) قرۃ العینین، ص ۳۶

(۶۴) الاستیعاب (بہامش الاصابہ) ۲: ۲۴۸

(۶۵) الاستیعاب (بہامش الاصابہ) ۲: ۲۵۷

(۶۶) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص ۳۶

(۶۷) اسد الغابہ، ۳: ۲۲۰

(۶۸) تاریخ الخلفاء، ص ۵۱۲

(۶۹) تاریخ الخلفاء، ص ۴۷

(۷۰) تاریخ الخلفاء، ص ۵۱

(۷۱) ابن سعد، ۳: ۱۷۶

(۷۲) ابن سعد، ۳: ۱۷۱

(۷۳) ابن سعد، ۳: ۲۱۱

(۷۴) تاریخ الخلفاء، ص ۵۲

(۷۵) یہ شعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے اور اس قصیدہ کا حصہ ہے جس کو انہوں نے جناب رسول مقبول ﷺ کی فرمائش پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح میں پڑھا تھا اور جسے سن کر نبی کریم ﷺ نے اظہار خوشنودی فرمایا تھا اور کہا تھا کہ ہاں ابوبکر ایسے ہی ہیں، اس قصیدہ کے دو اشعار اس باب میں اور مذکور ہیں اور ان کا حوالہ نمبر ۶۱ ہے

باب یازدہم

سیرت صدیقؓ

بیان جامع

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فطرتاً سلیم الطبع، دیانت دار، متواضع اور نیک خو تھے۔ سادگی، سیر چشمی، اور فیاضی ان کی سیرت کے نمایاں اوصاف تھے۔ لوگوں کے دکھ درد میں کام آنا، ضرورت مندوں کی حاجت براری اور ناداروں کی مدد کرنا ان کے لئے نہایت خوش گوار اور پسندیدہ افعال تھے۔ قبیلہ قارہ کے رئیس ابن الدغنہ نے اسلام کے ابتدائی دنوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت کی جو نمایاں خصوصیات بیان کی ہیں، ان سے ان کے اخلاق و عادات کا واضح پتا چلتا ہے۔ اس نے کہا:-

" ان مثلك لايخرج ولا يخرج فانك تكسب المعدوم و تصل الرحم، و تحمل الكلَّ، و تقري الضيف و تعين على نوائب الحق"

''اے ابوبکر! تم جیسا شخص نہ تو نکلے گا، اور نہ نکالا جائے گا، کیوں کہ تم ناداروں کی مالی معاونت کرتے ہو، قرابت داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہو، معذوروں کی ذمہ داری اٹھاتے ہو، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہو اور حادثات زمانہ میں حق کی مدد و نصرت کرتے ہو''(۱)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اخلاق کا یہ نقشہ ابن الدغنہ نے کھینچا ہے جو کافر تھا۔ خود جناب رسول ﷺ کے عادات و اخلاق کی جو نشان دہی نزول وحی کے موقع پر حضرت خدیجہ نے کی ہے وہ بھی بعینہ یہی ہے۔ ام المومنین نے ان الفاظ میں اپنے مقدس شوہر کی تشفی دی:-

كلا، والله لايخزيك الله ابداً، انك تصل الرحم، و تحمل

الکل، و تکسب المعدوم، و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق"

"ہرگز نہیں، خدا کی قسم، اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا، کیوں کہ آپ قرابت داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، معذوروں کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں، ناداروں کی مالی معاونت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور حادثات زمانہ میں حق کی نصرت و مدد کرتے ہیں۔" (۲)

جناب رسول ﷺ کے اخلاق و عادات سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عادات و اخلاق کی یہی مماثلت و یکسانی تھی کہ بعثت نبویؐ سے پہلے بھی ان دونوں کے درمیان دوستی و یک جہتی تھی جو آخر دم تک باقی رہی، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ آنحضرت ﷺ ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں۔ (۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ان اخلاق و محاسن کو اسلام نے جلا بخشی اور وہ نکھر کر، درخشاں، تاباں و نمایاں ہوگئے۔ آپ کے اخلاق ستودہ و صفات پسندیدہ کو ہم سطور ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت کسی قدر اختصار کے ساتھ قلم بند کرتے ہیں:۔

خوف خدا

خوف خدا آدمی کو بہت سی اخلاقی برائیوں سے باز رکھتا ہے۔ یہ خیال کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے، ہمارے دلوں کے وسوسے، ہمارے دماغوں کے اندیشے اور ہمارے ہاتھ پاؤں، آنکھ، منہ کی ہر جنبش اور ہر لغزش خدائے دانا و بینا کے علم میں ہے اور یہ کہ ہمیں اپنے ہر عمل کا اللہ کے حضور جواب دینا ہے، بہت سی برائیوں سے ہمیں روکتا ہے اور ہمارے افعال و اعمال پر پابندی عائد کرتا ہے۔ ہر نیکی اور ہر اچھائی کی تہہ میں خشیت الٰہی اور خوف خداوندی کا احساس کارفرما ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت کا غالب عنصر یہی خوف خدا ہے۔ ان کی تمام زندگی خوف خدا کی عملی تشریح و تفسیر ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ کسی باغ سے آپ کا گذر ہوا، وہاں درخت پر بیٹھی ایک چڑیا کو دیکھ کر آپ نے ٹھنڈی

سانس بھری اور بولے! "اے چڑیا تو کتنی خوش قسمت ہے کہ درخت پر بیٹھ کر آرام کرتی ہے، اس کا پھل کھاتی ہے اور پھر اڑ جاتی ہے، نہ کسی بات کی جوابدہی اور کسی خطا پر سزا کا ڈر۔ کاش ابوبکر بھی تجھ جیسا ہوتا!" ایک اور موقع پر ایک درخت کو دیکھ کر فرمایا: "کاش میں یہ درخت ہوتا، کہ گزرنے والے اونٹ اس کے پتے کھاتے اور گزر جاتے۔" ایک دفعہ فرمایا "اے کاش میں زمین پر اگی ہوئی ہریالی ہوتا، جسے جانور کھاتے اور مجھ پر کسی قسم کا حساب یا کوئی عذاب نہ ہوتا۔" (۴)

ورع

ورع و پرہیزگاری، خشیت الٰہی و خوف خدا کا لازمی نتیجہ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت میں ہر مقام پر ورع و تقویٰ کی کارفرمائی نظر آئے گی۔ ان کے ایک غلام نے انہیں کھانے کی کوئی چیز لاکر دی جسے انہوں نے کھالیا۔ اس پر وہ غلام بولا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے یہ کھانا آپ کو کہاں سے لاکر کھلایا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا نہیں۔ غلام نے جواب دیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کی فال نکالی تھی اور مجھے فال نکالنا نہیں آتا تھا، میں نے اس شخص کو دھوکہ دیا تھا۔ اس جھوٹی فال کے عوض مجھے جو رقم ملی، اس سے یہ کھانا لاکر آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حلق میں انگلی ڈال کر جو کھایا تھا وہ سب قے کردیا اور مال حرام میں سے کچھ ان کے پیٹ میں نہ گیا۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص آپ کو کہیں لے جارہا تھا، آپ اس راستہ سے واقف نہ تھے، دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ اس راستہ پر بدمعاشوں اور اوباشوں کی رہائش ہے اور شریف آدمی یہاں سے گزرتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رک گئے اور فرمایا میں اس راستہ سے ہرگز نہ جاؤں گا، یہ کہہ کر آپ وہاں سے الٹے پاؤں لوٹ آئے (۵)

موقع پر انہوں نے جانثاری اور مالی ایثار کی تاریخ میں ایک نہایت ہی روشن و تابناک باب رقم کیا اور اپنا سارا اثاثہ آقائے دو جہاں کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ دریافت کرنے پر کہ اے ابوبکر! اپنے بال بچوں کے لئے کیا چھوڑا؟ عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو ؎

صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس۔

منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد اگرچہ انہوں نے حکومتی مصروفیتوں کے سبب تجارت ترک کر دی تھی اور نہایت ہی قلیل وظیفہ خلافت پر ان کی اور ان کے اہل خانہ کی گزر بسر کا انحصار تھا اور اسے بھی انہوں نے وصیت کر دی تھی کہ واپس کر دی جائے، مگر ان کا دست سخاوت بھی کشادہ تھا وہ لوگوں کی مدد سے دست کش نہ ہوئے اور سردیوں میں ضرورت مندوں کو گرم کپڑے دیتے تھے۔ (۲۳)

فراست ایمانی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فراست ایمانی کی متعدد مثالیں ان کی زندگی میں ملتی ہیں، مثلاً حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے (اپنی حیات دنیوی کے آخری دنوں میں) لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: ''اللہ نے اپنے ایک بندہ کو یہ اختیار دیا کہ وہ دنیا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لے، چنانچہ اس بندہ نے اس چیز کو اپنے لئے پسند کر لیا جو اللہ کے پاس ہے۔'' یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق روئے اور بولے ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ صحابہ کرام کو حضرت ابوبکر صدیق کے اس رونے اور کلمات دعائیہ کہنے پر سخت حیرت ہوئی۔ لیکن جلد ہی رسول اکرم علیہ السلام کا وصال ہو گیا تو لوگوں پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ آنحضرتؐ کا اشارہ اپنے وصال کی جانب تھا۔ اس لئے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ابوبکر ہم میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ (۲۴)

حضرت ابوبکر صدیق کی فراست ایمانی کا دوسرا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے وصال سے متعلق ہے جب انہیں رسول اکرمؐ کے وصال کی اطلاع سخ میں ملی تو وہ فوراً مدینہ واپس

آئے۔ مسجد نبویؐ میں صحابہ کرام کا مجمع سخت اضطراب اور پریشانی کے عالم میں تھا، حضرت عمر فاروق شدت جذبات سے اس حد تک مغلوب تھے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے انکار کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر نے یہ منظر دیکھا، کسی سے کچھ کہے بغیر حجرہ منورہ میں تشریف لے گئے۔ چادر اٹھا کر چہرہ اقدس کو دیکھا، بوسہ دیا اور روتے ہوئے باہر آئے، سیدھے منبر رسول کے قریب گئے اور فرمایا: ''لوگو جو محمد کی عبادت کرتا تھا، وہ سن لے کہ محمد (ﷺ) کا انتقال ہو گیا، اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا۔'' یہ سن کر مجمع پر سناٹا چھا گیا، صحابہ کرام کو آنحضرت ﷺ کی وفات کا یقین آ گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ (۲۵)

حضرت ابوبکر صدیق کی ایمانی فراست کی ایک اور مثال مانعین زکوٰۃ کے ساتھ سخت کارروائی کرنے پر ان کا اصرار بھی ہے۔ صحابہ حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق تک کا یہ خیال تھا کہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر زکوٰۃ کے منکر قبائل سے نرمی برتی جائے، مگر حضرت ابوبکر صدیق کی ایمانی فراست اس خطرہ کی پیش بینی کر رہی تھی کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ میں فرق کرنا اور حالات سے مجبور ہو کر کسی رکن دین کو عارضی طور پر معطل کر دینا، اسلام کی بربادی کا سبب بنے گا اور اس سے آگے چل کر بڑے خطرات پیدا ہوں گے، اسی لئے انہوں نے دوٹوک الفاظ میں کہہ دیا کہ زکوٰۃ مال کا حق اور عبادت ہے جو شخص صلوٰۃ و زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔ بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ان کے فیصلے کی صحت واضح ہو گئی۔ (۲۶)

اصابت رائے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہایت صائب الرائے و صاحب عقل تھے۔ جناب رسول خدا ﷺ ان سے اہم معاملات میں برابر مشورہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو تبلیغ اسلام کی غرض سے یمن روانہ فرمایا تو انہیں دوسرے صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔ مشورہ کے بعد جب حضرت معاذ آنحضرت کی خدمت

ہوئے ان کے ساتھ پا پیادہ چلتے رہے اور وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت یزید نے عرض کیا
کہ یا تو آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیں یا مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کی طرح پا پیادہ
چلوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ نہیں تم یوں ہی سوار رہو گے اور میں تمہارے ساتھ پیدل
چلوں گا کیوں کہ اللہ کی راہ میں پاؤں کو غبار آلودہ کرنا، آتش جہنم سے رستگاری کا سبب
ہے۔ انکساری کی حد یہ تھی کہ ہر ایسی بات سے جس سے تکبر کی بو آئے پرہیز کرتے تھے۔
اہل عرب کا دستور تھا کہ کبر و غرور سے اپنے کپڑے کے گوشہ کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے چلتے تھے
حضرت ابوبکر صدیق کے کپڑے کا ایک گوشہ ان کی چال کے سبب زمین سے لگ جاتا تھا،
اس لئے جناب رسول اکرم ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا، جواب ملا ''ابوبکر تم
اہل تکبر میں سے نہیں ہو۔'' (۸)

رقت قلب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہایت رقیق القلب تھے، اس لئے ان کا لقب اواہ
پڑ گیا تھا۔ جب قرآن کی تلاوت کرتے تو ان کی عجیب کیفیت ہوتی، ایسی رقت طاری
ہو جاتی کہ سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا، انہوں نے اپنے مکان کے صحن میں مسجد بنالی
تھی اور اس میں تلاوت قرآن و عبادت کرتے تھے، ان کے گرد قریش مکہ کے نوجوان اور
عورتیں جمع ہو جاتیں اور ان سے نہایت متاثر ہوتی تھیں۔ اسی لئے قریش کو ان کے اس طرز
عمل پر سخت اعتراض تھا اور وہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ (۹)

استقامت

مگر رقت قلب کے ساتھ ساتھ ان کی سیرت میں استقامت، ثابت قدمی اور
مصائب میں پامردی کے اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ مکہ میں کفار قریش کی سخت سے سخت
ایذائیں انہوں نے برداشت کیں مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ غزوہ بدر کے
موقع پر عریش میں وہ رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے اور اس آزمائش کی گھڑی میں بھی

نہایت پامرد تھے۔ جناب رسول اقدس علیہ السلام کے وصال کے وقت جب مسلمانوں پر
ایک طرح کی سراسیمگی طاری تھی، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے جن کے
استقلال و عزم میں ذرہ برابر بھی کمزوری نہ آئی اور انتہائی مستقل مزاجی سے انہوں نے
مسلمانوں کی پریشانی و سراسیمگی پر قابو پایا۔ اسی طرح فتنہ ارتداد کے موقع پر جب کہ عرب
کے آسمان و زمین مسلمانوں پر تنگ ہو گئے تھے، کفر و نفاق کے گہرے بادل ملک کے افق پر
چھا گئے تھے اور مدینہ میں مسلمانوں کی حالت انتہائی تشویش ناک ہو گئی تھی، بڑے بڑے
صحابہ کرام تک مانعین زکوۃ کے ساتھ نرمی برتنے کا مشورہ دے رہے تھے، مگر حضرت صدیق
اکبرؓ کی مستقل مزاجی و عزم راسخ میں ذرہ برابر ضعف نہ آیا انہوں نے انتہائی سختی کے ساتھ
مخالفین کے مطالبات کو ٹھکرا دیا اور جب تک زکوۃ کی پوری رقم ان سے وصول نہ کر لی اور
انہیں دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل نہ کر لیا وہ چین سے نہ بیٹھے۔ (۱۰)

دنیا سے بے نیازی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دنیا کی کوئی طمع نہ تھی اور وہ اس سے یک گونہ بے
نیاز تھے۔ ان کی زندگی بے طمعی، استغناء و بے نیازی کی شان لئے ہوئے تھی۔ سیرت
الصدیقؓ میں ایسے بہت سے واقعات ہیں جن سے ان کی اس صفت کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً
ایک دفعہ انہیں پیاس لگی، لوگوں نے شہد ملا کر پانی پیش کیا۔ وہ پیالہ ہاتھ میں لیتے ہی زار و
زار رونے لگے۔ پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی آپ کے رونے پر رونا آ گیا۔ جب رونا تھم
گیا، تو دوبارہ آپ پر رقت طاری ہو گئی اور پھر بے ساختہ روئے۔ لوگوں نے ان سے رونے
کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ایک مرتبہ میں جناب رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر
تھا، دیکھا کہ آپ کسی چیز کو دور ہو، دور ہو کہ کر اپنے سامنے سے ہٹا رہے ہیں، جب آپ
نے ایسا دوسری بار کیا تو میں نے پوچھا کہ اللہ کے رسول آپ کس چیز کو اپنے سامنے سے ہٹا
رہے ہیں، حالانکہ میں تو کوئی چیز نہیں دیکھ رہا ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ دنیا تھی جو
اپنے تمام تر جمال و حسن کے ساتھ مجسم ہو کر میرے روبرو آئی تھی، میں نے اسے ہٹایا تو وہ

بولی کہ آپ تو مجھے اپنے سامنے سے ہٹا رہے ہیں مگر آپ کے بعد کوئی ایسا نہ کر سکیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ اس وقت یہی واقعہ مجھے یاد آ گیا۔ بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور یہ خوف ہوا کہ کہیں دنیا مجھ سے چمٹ نہ جائے۔(۱۱)

دنیا سے ان کی یہی بے نیازی تھی کہ وفات کے وقت انہوں نے کوئی درہم و دینار نہ چھوڑا بلکہ جب ان کے صاحب زادہ حضرت عبداللہ نے انتقال کیا اور ترکہ میں پانچ دینار چھوڑے، تو وہ سخت ناراض ہوئے۔ اسی طرح انہوں نے یہ وصیت کی کہ ان کے پاس منصب خلافت کے تعلق سے جو اشیا ہیں، انہیں ان کے جانشین کو واپس کر دیا جائے، چنانچہ ایک غلام جو مسلمانوں کی تلواروں پر سان رکھتا تھا اور ان کے کام کرتا تھا، ایک اونٹ جس پر ان کے استعمال کے لئے پانی لایا جاتا تھا اور ایک معمولی چادر جس کی قیمت پانچ درم سے زائد نہ تھی واپس کر دی گئی۔ امام غزالی نے ان کا یہ قول احیاء العلوم میں نقل کیا ہے کہ ''جس نے اللہ کی محبت کا مزا چکھ لیا وہ دنیا کی طلب سے بے پرواہ ہو جائے گا اور اسے دنیا سے ایک طرح کی وحشت ہو جائے گی۔''(۱۲)

حفظ لسان

سیرت کی پاکیزگی کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اپنی زبان پر قابو رکھے، تاکہ فضول گوئی اور بے ہودہ گفتاری سے، وہ محفوظ رہے۔ آدمی پر بہت سی افتادیں زبان کی بے احتیاطی سے پڑتی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''ان البلاء موکل بالمنطق'' یعنی انسان پر بہت سی مصیبتیں اس کی زبان کے سبب سے آتی ہیں۔ انہیں فضول گوئی سے اس حد تک احتراز تھا کہ اپنے منہ میں کنکریاں رکھے رہتے تھے تاکہ بولنے سے رکے رہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا کہ اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ اس زبان نے مجھے تکلیف دہ صورت حال سے دوچار کیا ہے۔(۱۳)

عبادت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز نہایت خشوع وخضوع سے ادا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نماز میں حضرت ابوبکر صدیق پر ایسا استغراق طاری ہوتا تھا کہ بے حس وحرکت لکڑی کی مانند کھڑے رہتے تھے۔ راتوں کو کثرت سے نفل نمازیں ادا کرتے تھے۔ روزے بھی اکثر رکھتے تھے چنانچہ گرمیوں کے موسم میں مسلسل روزے سے ہوتے تھے۔ قرآن نہایت والہانہ انداز میں تلاوت کرتے تھے اور اس دوران میں ان پر شدت سے رقت طاری ہو جاتی تھی۔ امام جعفر صادقؒ کا بیان ہے کہ بیشتر اوقات حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زبان پر ''لا الہ الا اللہ'' جاری رہتا تھا۔(۱۴)

عشق رسولﷺ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جناب رسالت مآبﷺ کی ذات اقدس سے والہانہ عقیدت تھی اور یہ عقیدت عشق کے درجہ تک پہونچی ہوئی تھی۔ ان کی ساری زندگی اسی عشق سے عبارت ہے۔ مثلاً قیام مکہ کے زمانے میں ایک دن کفار نے صحن حرم میں آنحضرتﷺ کو نہایت بے دردی سے زدوکوب کیا، حضرت ابوبکر صدیق کو خبر ہوئی تو دیوانہ وار دوڑے اور آپ کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ کفار نے آپ کو اتنا مارا کہ آپ بے ہوش ہو گئے، لوگ اٹھا کر گھر لائے، جب ہوش آیا تو اپنی تکلیف بھول گئے، آنحضرت کی خیریت دریافت کی اور سخت اصرار کر کے آپ کے گھر جا کر آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اسی طرح ہجرت کے موقع پر جب غار ثور میں روپوش ہونے کی ضرورت پڑی تو حضرت ابوبکر نے اس ویران غار کی رسول اکرمﷺ کے تشریف لے جانے سے پہلے خود اندر جا کر اچھی طرح صفائی کی تاکہ آپ کو کوئی گزند نہ پہونچے۔ جنگ بدر میں آپ نے رسول اللہﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری لی اور برہنہ تلوار لئے آپ کی حفاظت میں مستعد رہے۔ غزوہ احد میں جب رسول اکرم علیہ السلام دشمنوں کے نرغے میں

گھر گئے تھے تو جو لوگ ماہتاب نبوت کے گرد ہالہ بن گئے، ان میں حضرت ابوبکر صدیق بھی تھے۔ یہی عشق رسول تھا کہ آنحضرت کے وصال کے بعد وہ آتش محبت سے تپاں و سوزاں رہے اور یہی درد پنہاں ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ دوران علالت میں وہ اپنے تیمارداروں سے پوچھتے رہتے تھے کہ حضور ﷺ نے کس دن وفات پائی تھی اور ان سے جلد ملاقات کا شوق انہیں بے قرار کئے ہوئے تھا۔(۱۵)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دعائیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی مغفرت کے لئے اللہ تعالیٰ سے جو دعائیں مانگتے تھے، ان سے بھی ان کی سیرت پر روشنی پڑتی ہے اور نیز ان کے تقویٰ، خوف خدا اور صفائے قلب کا ان سے پتا چلتا ہے۔ امام غزالی کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق یہ دعاء مانگتے تھے:۔

"اللهم ارنی الحق حقا، وارزقنی اتباعه، وارنی الباطل باطلا، وارزقنی اجتنابه، ولا تجعل مشتبها علیَّ فاتبع الهویٰ"

"اے میرے اللہ مجھے حق کو حق دکھلا اور اس کی اتباع کی توفیق ارزانی فرما۔ اور مجھے باطل کو باطل دکھلا اور اس سے پرہیز کی توفیق عطا فرما۔ حق و باطل کو میرے لئے مشتبہ نہ بنا کہ میں ہوائے نفسانی کی پیروی کرنے لگوں۔"

امام ابوجعفر احمد محب الطبری نے اپنی کتاب الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جو دعائیں نقل کی ہیں، ان میں سے دو دعائیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

"اللّٰهم هَبْ لی ایماناً و یقیناً و معافاتاً و نیةً اللهم اجعلْ خیر عمری آخره، و خیر عملی خواتمه، و خیر ایامی یوم لقائك" (۱۶)

"بارالٰہ! مجھے ایمان، یقین، برائی سے احتراز اور نیک نیتی بخش، بارالٰہا! میری عمر کے آخری حصہ کو عمر عزیز کا بہتر حصہ بنا، میرے آخری کاموں کو میرے اعمال کا اچھا عمل بنا

اور میرے دنوں میں سے سب سے عمدہ دن اسے بنا جس دن میں تجھ سے ملوں۔"

خدمت خلق

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دوسروں کے کام کر کے نہایت مسرت ہوتی تھی، چنانچہ مسند آرائے خلافت ہونے سے پہلے وہ اپنی پڑوس کی لڑکیوں کی بکریاں دوہتے تھے اور خلیفہ ہونے کے بعد بھی وہ اس خدمت کو کسی عار کے بغیر انجام دیتے رہے۔ اسی طرح مدینہ میں ایک نابینا بوڑھی عورت رہتی تھی، حضرت عمر فاروقؓ اس کے گھر کے کام کاج کرنا چاہتے تھے، کچھ دنوں کے بعد انہیں یہ معلوم ہوا کہ ان سے پہلے کوئی شخص آکر اس بوڑھی عورت کے خانگی کام کر جاتا ہے۔ انہیں یہ کھوج ہوئی کہ آخر وہ کون ہے جو ان سے بھی پہلے آکر اس نیک کام کو انجام دیتا ہے، چنانچہ وہ گھات میں لگے رہے اور یہ جان کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق تھے جو ان سے پہلے آکر اس معذور خاتون کی خدمت گزاری کے فرائض انجام دے جاتے تھے۔(۱۷)

مہمان نوازی

حضرت ابوبکر صدیق نہایت مہمان نواز تھے اور مہمانوں کے آرام و احترام کا انہیں بڑا خیال رہتا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے چند اصحاب صفہ کو رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ شام کو جناب رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں جانے لگے تو اپنے صاحب زادہ حضرت عبدالرحمٰن کو ہدایت کر گئے کہ اگر مہمان آ جائیں تو میرے آنے سے پہلے انہیں جلد کھانا کھلا دینا اور خاطر تواضع میں کسی طرح کی کمی نہ کرنا۔ جب مہمان آئے تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کے آنے کا انتظار کرنا چاہا اور حضرت عبدالرحمٰن کے اصرار کے باوجود میزبان کے بغیر کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق کو بارگاہ رسالت میں دیر ہو گئی جب وہ تاخیر سے گھر واپس آئے تو یہ جان کر کہ بیٹے نے مہمانوں کی ضیافت میں کوتاہی کی ہے اور وہ اب تک بھوکے ہیں، بیٹے پر سخت ناراض ہوئے اور انہیں شریک طعام کرنے سے انکار کر دیا۔

مگر جب مہمانوں نے بتایا کہ انہوں نے خود ہی میزبان کے بغیر کھانے سے انکار کر دیا تھا اور اس میں حضرت عبدالرحمٰن کا کوئی قصور نہ تھا تو انہیں شریک طعام کیا اور سب نے مل کر خوب سیر ہو کر کھانا تناول کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ اس دن کھانے میں بہت برکت ہوئی۔ اس تکثیر طعام کو علماء نے صدیق اکبر کی کرامت قرار دیا ہے۔(۱۸)

شفقت

خلق خدا کے ساتھ ان کا برتاؤ مشفقانہ تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ اگر میں کسی شراب خور کو پکڑتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ اللہ اس کے عیب کو چھپائے۔ اسی طرح اگر کسی چور کو گرفتار کرتا ہوں تو میری خواہش ہوتی ہے کہ کاش اس کے عیب پر پردہ پڑا رہے اور وہ جرم میں ماخوذ نہ ہو۔(۱۹)

دین میں سختی

ہر چند کے حضرت ابوبکر صدیق خلق خدا پر شفقت فرماتے تھے، مگر دین کے معاملہ میں وہ سخت تھے، چنانچہ ایک بار جب یہودیوں کے عالم فنحاص نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی تو سخت برہم ہوئے اور اسے تمانچہ مار دیا اور فرمایا کہ اگر ہمارا یہود سے معاہدہ نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا۔ اسی طرح جناب رسول اکرم ﷺ کی حرمت و ناموس کا بڑا خیال رکھتے تھے اور اگر ذرا بھی گستاخی کا شائبہ ہوتا تو سخت سزا دینے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ فتنہ ارتداد و منع زکوۃ میں آپ کی سختی اسی دینی جذبے کے سبب سے تھی۔ وہ اپنے جیتے جی دین میں کسی طرح کی کمی یا نقصان کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔(۲۰)

اپنی تعریف سے نفرت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی تعریف و ستائش کو سخت ناپسند کرتے تھے اور اگر کبھی کوئی شخص آپ کی تعریف کرتا تو آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے تھے:-

"اللھم انت اعلم منی بنفسی، وانا اعلم بنفسی منھم،

اللھم اجعلنی خیر امما یظنون، و اغفرلی مالا یعلمون، ولا تو اخذنی بما یقولون۔"

"اے میرے اللہ تو میری ذات کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ اور میں ان (ستائش گروں) سے بہتر طور پر خود کو جانتا ہوں۔ اے میرے اللہ یہ لوگ میرے متعلق جو خیال رکھتے ہیں اس سے بڑھ کر مجھے اچھا بنا۔ اور یہ لوگ جو باتیں نہیں جانتے ان کے لئے مجھے بخش دے، اور یہ لوگ میرے تعلق سے جو کہتے ہیں اس پر میرا مواخذہ نہ کرنا۔"(۲۱)

نادار اعزہ کی کفالت

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے نادار قرابت داروں کی نہایت کشادہ دلی سے مالی مدد فرماتے تھے۔ چنانچہ مسطح بن اثاثہ نامی شخص کی آپ پابندی سے مالی کفالت فرماتے تھے۔(۲۲)

انفاق فی سبیل اللہ

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا بڑی نیکی کا کام ہے۔ خصوصاً اسلام کے ابتدائی دنوں میں جب کہ غریب مسلمانوں کی مالی مدد اور دعوت اسلامی کی مالی ضروریات کے لئے رقم کی اشد ضرورت تھی، انفاق فی سبیل کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے مال سے دین کی نصرت اور مسلمانوں کی مدد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا، تو ان کے پاس چالیس ہزار درم تھے، یہ رقم اللہ کی راہ میں صرف ہوتے ہوتے ہجرت کے وقت صرف پانچ ہزار رہ گئی تھی اور اسے بھی انہوں نے سفر ہجرت میں خرچ کے لئے اپنے پاس رکھا تھا۔ مکہ میں انہوں نے سات کمزور اور بے سہارا غلاموں اور باندیوں کو جو اسلام کی خاطر کفار کے ظلم وستم کا نشانہ بن رہے تھے، خرید کر آزاد کیا تھا۔ اس کا ذکر قرآن پاک میں بھی موجود ہے اور ان کے مالی ایثار کا اعتراف جناب رسول اکرم ﷺ نے بھی فرمایا ہے۔ ہجرت کے بعد غزوہ تبوک کے

میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کی رائے دریافت کی، بولے کہ میں ابوبکر صدیق کے مشورہ پر عمل کروں گا۔ ارشاد ہوا کہ ہاں! اللہ کو یہ بات ناپسند ہے کہ آسمان کے نیچے ابوبکر غلطی کریں۔ (۲۷) معاہدہ حدیبیہ بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھا، اس لئے بہت سے صحابہ اس سے ملول تھے، انہیں میں حضرت عمر فاروق بھی تھے۔ انہوں نے اپنے ملال کا ذکر حضرت ابوبکر صدیق سے کیا، اس پر حضرت ابوبکر نے انہیں سمجھایا کہ معاہدہ مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے آنحضرت ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور کوئی کام اس کے حکم کے بغیر نہیں کرتے۔ حالات نے یہ بات ثابت کردی کہ معاہدہ حدیبیہ، مسلمانوں کی واضح فتح اور روشن کامیابی تھا اور بعد کی تمام ظفر مندیوں کا نقطۂ آغاز یہی معاہدہ ثابت ہوا جو بظاہر مغلوبانہ صلح نظر آتا تھا۔ (۲۸)

شجاعت

شجاعت ایک ایسی صفت ہے جو ایمان، یقین اور اعتماد علی اللہ سے انسان میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ یقین کہ مقصد درست و حق ہے، موت و حیات اللہ کے اختیار میں ہے اور اس کے سوا کوئی دوسری ذات نہ تو نفع پہونچا سکتی ہے اور نہ نقصان، آدمی کو شجاع، بہادر اور نڈر بناتا ہے۔ گویا دل کی قوت، یقین کی دولت اور اعتماد علی اللہ کی طاقت شجاعت کے اجزاء ہیں، جسمانی تن و توش اور قد و قامت اس کے لازمی عناصر نہیں ہیں۔ اس اعتبار سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہایت بہادر اور بے حد شجاع تھے۔ اسلام کی حقانیت، موت و حیات پر اللہ کا اختیار اور جو مارے گئے تو نعمت شہادت و جنت سے بہرہ اندوزی، سیرت صدیقی کے یہ نمایاں پہلو تھے۔

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں برسر منبر یہ فرمایا کہ ابوبکر لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے، پھر فرمایا کہ مکہ میں کفار قریش نے ایک روز آنحضرت ﷺ کو اپنے نرغے میں لے کر بڑی اذیت پہونچائی اور نہایت بے دردی سے آپ کو زدوکوب کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق کو اس کی اطلاع ہوئی تو دیوانہ وار دوڑتے ہوئے

پہونچے، کفار کو مارنا ہٹانا شروع کیا ان کا گھیرا توڑ کر جناب رسول اکرم کے پاس پہونچے اور آپ کو دشمنوں کے نرغے سے یہ کہتے ہوئے نکال لائے کہ کیا تم ایک ایسے شخص کو مار ڈالنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی طرح جنگ بدر کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے لئے ایک سائبان (عریش) بنایا گیا تھا وہاں حضرت ابوبکر صدیق رات بھر ننگی تلوار لئے آنحضرت کی حفاظت کرتے رہے۔ یہاں تک بیان کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہوگئی اور آپ رونے لگے۔ (۲۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت کا اس واقعہ سے بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جنگ احد میں اپنے کافر بیٹے سے نبرد آزما ہونے کی غرض سے تلوار بلند کئے ہوئے بڑھے، مگر آنحضرت نے انہیں یہ کہہ کر روک لیا کہ مجھے اپنی زندگی سے فائدہ اٹھانے دو۔ اسی طرح کا واقعہ فتنۂ ارتداد کے آغاز میں پیش آیا کہ آپ مرتدین کے مقابلہ کے لئے شمشیر بکف نکلے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کو دہرا کر انہیں پیش قدمی سے روک دیا۔ (۳۰)

ہردلعزیزی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے قریش میں نہایت ہردل عزیز تھے اور وہ ان کی بڑی عزت کرتے تھے یہ عزت ان کے حسن معاملہ، نرم خوئی اور خوش خلقی کے سبب انہیں حاصل ہوئی تھی، اس وجہ سے متعدد ر وداراشخاص نے ان کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا جب وہ کفار کی مخالفت کی وجہ سے مکہ سے جانے لگے تو رئیس قارہ ابن الدغنہ نے انہیں روکا اور ان کی ہردل عزیزی کا واضح الفاظ میں ذکر کیا۔ ہجرت کے بعد بھی وہ مسلمانوں میں مقبول رہے اور لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔ ان کی اس صفت کا ذکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں بھی کیا تھا۔ (۳۱)

خودداری

حضرت ابوبکر صدیق نہایت خوددار انسان تھے، کسی سے سوال کرنے اور کسی کا احسان لینے سے احتراز کرتے تھے۔ ان کے ہاتھ سے اونٹ کی مہار اکثر چھوٹ کر گر جاتی تھی، کسی سے اس کو اٹھانے کے لئے سوال کرنے کے بجائے اونٹ کو روک کر، نیچے اترتے اور مہار اٹھاتے تھے۔ اسی طرح ان کے گھریلو کاموں کے منتظم حضرت معیقب بن ابی فاطمہ دوسی تھے، دوران علالت آپ کی عیادت کو آئے تو ان سے حساب پوچھا معلوم ہوا کہ ان کے پچیس درہم حضرت ابوبکر صدیق کے ذمہ نکلتے ہیں، حضرت معیقب نے کہا میں نے وہ معاف کر دیئے، اس پر آپ ناراض ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہ کو حکم دیا کہ واجب الادا رقم فوراً ادا کر دی جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (۳۲)

فقرودرویشی

اگرچہ حضرت ابوبکر کا شمار کھاتے پیتے لوگوں میں ہوتا تھا مگر ان کی رہائش نہایت سادہ اور درویشانہ تھی، سخ میں ان کا مکان اون کے ایک مختصر حجرہ سے زیادہ نہ تھا۔ خوراک بھی معمولی تھی، اور لباس سادہ ہوتا تھا جس پر کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے سفر میں بھی ان کے پاس ایک کپڑے کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا' جسے وہ اوران کے رفیق اوڑھتے تھے۔ اسی طرح سخ میں قیام کے دوران میں وہ خلیفہ ہونے کے بعد بھی مدینہ اکثر پاپیادہ آتے، دن بھر کار خلافت انجام دینے کے بعد عشاء پڑھ کر پیدل ہی سخ واپس چلے جاتے تھے۔ (۳۳)

تربیت صحابہؓ

حضرت ابوبکر صدیق مختلف مواقع پر صحابہ کرام کی تربیت و اصلاح کرتے تھے، بقول شاہ ولی اللہ ایسے مواقع اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی تفصیل کے لئے ایک سفینہ چاہئے۔ ہم ذیل میں ایسے چند واقعات کے ذکر پر اکتفا کریں گے:۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر اس کی بعض شرائط سے جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف جاتی

تھیں، اکثر صحابہ ملول تھے انہیں میں حضرت عمر فاروق بھی تھے۔ انہوں نے اس کا اظہار رسول اکرم ﷺ سے تیز لہجہ میں کیا پھر حضرت ابوبکر صدیق سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے حضرت عمر کو یہ کہہ کر مطمئن کیا کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں وہ جو کرتے ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں، اس لئے صلح حدیبیہ کی بعض شرائط سے مایوس نہ ہونا چاہئے کہ مصلحت و خیر اسی میں ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر مطمئن ہو گئے۔ (۳۴)

آنحضرت ﷺ کے وصال کے وقت مسجد نبوی میں کہرام مچا ہوا تھا، صحابہ کرام سخت اضطراب کے عالم میں مسجد نبوی میں جمع تھے اور حضرت عمر جیسا شخص بھی شدت جذبات سے مغلوب ہو کر یہ کہہ رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ فوت نہیں ہوئے ہیں ایسا منافقین نے جھوٹ مشہور کر دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور سیدھے حجرہ مبارکہ میں گئے، چہرہ اقدس سے چادر سرکائی، جھکے اسے بوسہ دیا اور روئے۔ پھر باہر نکل کر حضرت عمر کو روکا مگر وہ نہ مانے تو منبر کے قریب جا کر لوگوں کو یوں مخاطب کیا ''لوگو! جو محمد کو معبود سمجھتا تھا وہ سن لے کہ ان کا انتقال ہو گیا اور جو اللہ کو معبود سمجھتا ہے وہ جان لے کہ اللہ حی وقیوم ہے۔'' یہ سن کر صحابہ کو آنحضرت کے وصال کا یقین ہو گیا۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی، مجھے یقین آ گیا کہ آپ وفات پا چکے ہیں، ایسا محسوس ہوا کہ میرے پاؤں بیٹھ گئے ہیں، میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ (۳۵)

فتنہ ارتداد کے دوران میں منکرین زکوۃ کے خلاف حضرت ابوبکر صدیق کی سخت حکمت عملی کے برعکس حضرت عمر اور بعض دوسرے صحابہ نرم روی کے قائل تھے اور انہوں نے خلیفۃ الرسول کو ان کے ساتھ مصلحت وقت کی بنا پر سختی سے باز رہنے کا مشورہ دیا، وہ اس پر سخت ناراض ہوئے اور حضرت عمر سے فرمایا: ''تم تو زمانہ جاہلیت میں بڑے سخت تھے اور مسلمان ہونے کے بعد ذلت آمیز مشورہ دے رہے ہو'' اس پر حضرت عمر نے کہا: ''رسول اکرم کا ارشاد ہے کہ مجھے لوگوں سے اس وقت تک قتال کرنے کا حکم ہے جب تک کہ وہ کلمہ توحید کا اقرار نہ کرلیں، سو آپ زکوۃ نہ دینے والوں سے جب کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور اپنے آپ کو

مسلمان کہتے ہیں کیسے جنگ کریں گے۔'' حضرت ابوبکر صدیق نے اس کے جواب میں فرمایا: ''جو شخص صلوۃ اور زکوۃ میں فرق کرے گا میں اس سے قتال کروں گا کیوں کہ زکوۃ مال کا حق اور دین کا رکن ہے۔'' اس جواب سے حضرت عمر فاروق کو یقین ہو گیا کہ اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق پر حق منکشف کر دیا ہے اور وہی برسر صواب ہیں۔ (۳۶)

اپنی آخری علالت کے زمانے میں جب حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمر فاروق کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے سلسلہ میں کبار صحابہ سے مشورہ کیا تو ان سب حضرات نے اس کی تائید کی مگر حضرت طلحہ نے یہ کہا کہ ''آپ ایک نہایت سخت شخص کو مسلمانوں کا امیر بنا رہے ہیں، اللہ کو اس کا کیا جواب دیں گے؟'' یہ سن کر انہیں سخت غصہ آیا، تیمار داروں سے کہا کہ ذرا مجھے سہارا دیکر بٹھاؤ، جب بیٹھ گئے تو بولے! ''مجھے اللہ کے خوف سے ڈراتے ہو! میں اللہ سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر تیرے سب سے اچھے بندے کو امیر مقرر کیا ہے۔'' پھر فرمایا: ''وہ میری نرمی دیکھ کر سخت ہیں، جب خلافت کا بوجھ ان کے کندھوں پر پڑے گا تو وہ نرم ہو جائیں گے۔'' لوگ یہ سن کر مطمئن ہو گئے اور عہد فاروقی کے واقعات نے ان کے خیال کی تصدیق کر دی۔ (۳۷)

اپنی آخری وصیت میں انہوں نے حضرت عمر کو تفصیل سے نصیحت کی، خوف خدا، مخلوق خدا کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی پر انہوں نے زور دیا۔ عہد فاروقی کا مطالعہ کرنے والوں کو سیرت فاروقی میں سیدنا صدیق اکبر کی انہیں نصیحتوں کی کارفرمائی نظر آئے گی۔ (۳۸)

''حواشی''

(۱) بخاری، ۱:۷ ۳۰؛ الاصابہ، ۲:۲۴۴

(۲) بخاری، ۱:۳؛ ابن سعد، ۱:۱۹۵؛ طبری، ۳:۲۹۸و۲۹۹

(۳) الکامل فی التاریخ، ۲:۷۳؛ بخاری، ۱:۲۵۲؛ ابن سعد، ۳:۱۷۲

(۴) ابن سعد، ۳:۱۹۸؛ ازالۃ الخفاء، ۲:۲۲

(۵) بخاری، ۱:۵۴۲؛ علی متقی ہندی، کنز العمال، مطبوعہ حیدر آباد (دکن) ۱۳۱۲ھ، جلد ۶، صفحہ ۳۱۲

(۶) ابن سعد، ۳:۱۹۸؛ الریاض النضرۃ، ۱:۲۳۶؛ اسد الغابہ، ۳:۲۱۷و۲۱۸

(۷) اسد الغابہ، ۳:۲۱۷؛ الریاض النضرۃ، ۱:۱۷۴؛ ازالۃ الخفاء، ۲:۲۲؛ ابن سعد، ۳:۱۹۶و۲۰۱؛ الکامل فی التاریخ ۲:۲۹۱

(۸) مسند احمد، ۱:۱۱؛ اسد الغابہ، ۳:۲۱۹؛ ابن سعد، ۳:۱۸۲؛ ازالۃ الخفاء، ۲:۲۲و۲۳؛ بخاری، ۱:۵۱۷

(۹) بخاری، ۱:۲۵۲و۲۵۳

(۱۰) اسد الغابہ، ۳:۲۱۲، ۲۱۳، ۲۲۱؛ الریاض النضرۃ، ۱:۱۳۰

(۱۱) الریاض النضرۃ، ۱:۱۷۴؛ اسد الغابہ، ۳:۲۱۷

(۱۲) تاریخ الخلفاء، ص ۶۹؛ ابن سعد، ۳:۱۹۵و۱۸۷؛ ازالۃ الخفاء، ۲:۲۱

(۱۳) قرۃ العینین، ص ۹۶؛ ازالۃ الخفاء، ۲:۲۲

(۱۴) تاریخ الخلفاء، ص ۸۴، ۸۶؛ بخاری، ۱:۲۵۲و۲۵۳؛ الریاض النضرۃ، ۱:۱۷۲

(۱۵) الاستیعاب، (بہامش الاصابہ) ۲:۲۴۷؛ ابن کثیر دمشقی البدایہ والنہایہ، ۳:۳۰ مطبوعہ المکتبہ القدوسیہ لاہور ۱۹۸۴ء؛ الریاض النضرۃ، ۱:۸۵، ۸۷و۸۹؛ اسد الغابہ، ۳:۲۱۲؛ بخاری، ۲:۵۸۴؛ تاریخ

الخلفاء، ص ۶۷ و ۶۹؛ ابن سعد، ۳:۲۰۱؛ قرۃ العینین، ص ۹۵

(۱۶) ازالۃ الخفاء، جلد دوم صفحہ ۲۲؛ الریاض النضرۃ، ۱:۱۷۲

(۱۷) الکامل فی التاریخ، ۲:۲۹۰؛ اسد الغابہ، ۳:۲۱۹

(۱۸) بخاری، ۲:۹۰۶؛ قرۃ العینین، ص ۹۳

(۱۹) ازالۃ الخفاء، ۲:۲۲

(۲۰) الواحدی، اسباب النزول، ص ۸۸ و ۸۹؛ اسد الغابہ، ۵:۵۳۳ و ۵۳۴؛ البدایہ والنہایہ، ۶:۳۱۱

(۲۱) اسد الغابہ، ۳:۲۱۷

(۲۲) اسد الغابہ، ۴:۳۵۵

(۲۳) القرآن، سورہ الحدید، آیت ۱۰؛ ابن سعد، ۳:۱۷۲، ۱۸۶، ۱۸۷؛ ترمذی، ۵۲۶؛ الاستیعاب (برحاشیہ الاصابہ) ۲:۲۴۶؛ اسد الغابہ، ۳:۲۱۸؛ الکامل فی التاریخ، ۲:۲۹۰؛ الاصابہ، ۲:۳۴۲ و ۳۴۳

(۲۴) بخاری، ۱:۵۱۶؛ مسلم، ۲:۲۷۲؛ ترمذی، ۵۲۶؛ الاستیعاب (برحاشیہ الاصابہ) ۲:۲۴۶ و ۲۴۷؛ اسد الغابہ، ۳:۲۱۶

(۲۵) بخاری، ۱:۵۱۷

(۲۶) البدایہ والنہایہ، ۶:۳۱۱؛ الریاض النضرۃ، ۱:۱۳۰؛

(۲۷) تاریخ الخلفاء، ۴۰ و ۴۱

(۲۸) بخاری، ۱:۳۸۰

(۲۹) البدایہ والنہایہ، ۳:۲۷۱ و ۲۷۲

(۳۰) الریاض النضرۃ، ۱:۱۳۰، اسد الغابہ، ۳:۳۰۵

(۳۱) الاستیعاب (برحاشیہ الاصابہ) ۲:۲۴۶؛ الاصابہ، ۲:۳۴۲؛ ابن سعد، ۳:۱۸۲

(۳۲) مسند احمد، ۱:۱۱؛ ازالۃ الخفاء، ۲:۴۱

(۳۳) اسد الغابہ، ۳:۲۱۹ و ۲۲۱؛ الریاض النضرۃ، ۱:۱۷۴؛ ازالۃ الخفاء، ۲:۲۲؛ ابن سعد، ۳:۱۸۶ و ۱۸۷

(۳۴) مسلم، ۲:۱۰۶

(۳۵) بخاری، ۱:۱۲۶ و ۵۱۷

(۳۶) الریاض النضرۃ، ۱:۱۳۰

(۳۷) الکامل فی التاریخ، ۲:۲۹۲

(۳۸) الکامل فی التاریخ، ۲:۲۹۲ و ۲۹۳

باب دوازدہم

صدیقیت

ا۔ تمہید

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق ہے۔ اس کی صفت کے بطور ''اکبر'' کا صیغہ، تفضیل بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی ''صدیق اکبر''۔ یہ بات غور طلب ہے کہ لفظ ''صدیق'' اپنے لغوی مفہوم میں صرف ایک صفت ہے جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی یا یہ شریعت کی ویسی ہی اصطلاح ہے، جیسی رسول نبی، شہید اور مومن وغیرہ اصطلاحات شرعیہ ہیں۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اس حقیقت کی جانب سب سے پہلے امام المفسر اللغوی حسین بن محمد بن مفضل الملقب بہ راغب الاصفہانی متوفی ۵۰۲ھ نے توجہ دی اور یہ ثابت کیا کہ ''صدیق'' ایک شرعی اصطلاح ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ رسول، نبی، شہید اور مومن وغیرہ اصطلاحات شرعیہ ہیں۔ (۱) اس سے اس بات کی تغلیط ہو جاتی ہے کہ ''صدیق'' کو ایک شرعی اصطلاح کہنا صوفیائے کرام کی محض اپج یا ان کی شطحیات ہے، (۲) کیوں کہ امام راغب اس موضوع پر لکھنے والے صوفیاء مثلاً ابن عربی، مجدد الف ثانی، وغیرہ سے تقدم زمانی رکھتے ہیں اور ان کی کتابیں المفردات فی غریب القرآن اور الذریعہ الی مکارم الشریعہ، ان صوفیائے کرام کی تصانیف سے بہت پہلے لکھی گئی ہیں۔ ''الصدیق'' کے ایک شرعی اصطلاح ہونے کی تائید آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، واقعات تاریخیہ اور مقالات ائمہ سے ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے تتبع سے یہ بات روا ضح ہو جاتی ہے کہ ''صدیق'' کا استعمال باری تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں صرف لغوی معنی کے اعتبار سے

نہیں کیا ہے بلکہ اسے ایک شرعی اصطلاح کے بطور بیان فرمایا ہے۔ لغوی مفہوم اور اصطلاحی معنی میں یک گونہ اشتراک معنوی ہوتا ہے تاکہ حقیقت سے مجاز عقلی کی جانب ذہن کی رسائی اور فہم کی پہونچ ممکن ہو۔ لغوی اور اصطلاحی مفاہیم کا یہی مابہ الاشتراک جزء بہت سے لکھنے والوں کو اس مغالطہ میں ڈال گیا ہے کہ ''صدیق'' لغوی معنی کے لحاظ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفت ہے اور یہ کوئی قائم بالذات شرعی اصطلاح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی اس خلط مبحث کا سبب ہوئی کہ جملہ اصحاب رسول ﷺ میں یہ شرف کہ انہیں ایک شرعی اصطلاح کے ساتھ مخصوص کیا جائے، خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر کے سوا کسی اور کو حاصل نہ ہوا۔ بہر کیف سبب کچھ بھی ہو، سیرت الصدیق پر لکھنے والوں نے ''صدیق'' اور ''صدیقیت'' کی اصطلاح سے صرف نظر کیا اور سیرت الصدیق کا یہ پہلو تشنہ ہی رہا۔

چند سال پہلے کراچی یونی ورسٹی کے میرے ایک رفیق کار پروفیسر نے ایک صاحب کو اس موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھوایا اور انہیں ڈگری بھی ایوارڈ ہوئی یوں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت کا یہ گوشہ پڑھنے والوں کے سامنے نمایاں ہوا۔ اس مقالہ کو کراچی کے ایک ناشر نے شائع بھی کر دیا ہے اور یوں وہ دستیاب ہے۔ (۳)

لیکن بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مقالہ نگار کے بیان میں ژولیدگی اور ضعف تالیف کے باعث کتاب مذکور کی عبارات بے ربط، حشو و زوائد سے پر اور لسانی اغلاط سے مملو ہیں اور یوں اہل علم کے لئے اس کا مطالعہ آسان اور اس سے ذہنی ہم آہنگی پیدا ہونا نہایت دشوار ہے۔ اس مقالہ میں انہوں نے ایک بڑی زیادتی یہ کی ہے کہ متقدمین مثلاً شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، امام ابن تیمیہ، امام ربانی مجدد الف ثانی، امام شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے نتائج فکر کو اپنا بیان قرار دے کر قرآنی آیات و احادیث سے استشہاد کیا ہے اور قاری کو یہ باور کرانا چاہا ہے کہ یہ تمام مباحث ان کی فکر و کاوش کا نتیجہ ہیں اور ان سے پہلے انہیں صوفیاء کرام کی شطحیات سے زیادہ نہ سمجھا گیا۔ علاوہ بریں خلط مبحث اور غیر ضروری موضوعات پر بلا وجہ توجہ اور زور دینے کے باعث ''صدیقیت'' کی بحث علمی

اسلوب، تنسیق وتہذیب اور ترتیب وتحقیق کے منہج سے بہت دور جا پڑی ہے اور یہ موضوع
پراگندگی فکر کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ صوفیائے کرام، ملت اسلامیہ کے قابل
احترام بزرگ ہیں اور علم وعمل کی دولت سے ان کا دامن کمال کبھی خالی نہ رہا ہے۔ ان
بزرگوں کے متعلق یہ خیال کرنا کہ ان کے واردات قلبیہ جو طویل علمی کاوشوں اور عملی
ریاضتوں کا ثمرہ ہوتے ہیں، محض اس لئے لایعنی اور ناقابل توجہ ہیں کہ قشری علماء ولفظی
مباحث میں مستغرق فضلاء ان کے ادراک سے قاصر رہے ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی
شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علم وعمل کی اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک اور فکر ونظر کی بلندیوں پر فائز
ہیں اور ان کی فکر یا قلم سے محض شطحیات کا صدور کہ مخالف شرع ہوں، ممکن نہیں ہے۔ علاوہ
بریں امام ابن تیمیہ کو طبقہ صوفیا میں محسوب کرنا، امام موصوف کے ساتھ ایسی زیادتی ہے کہ
اگر وہ آج زندہ ہوتے تو ایک نڈر عالم اور بہادر مجاہد کی طرح سب سے پہلے ایسے ہی لوگوں
کے خلاف جہاد کرتے۔ امام شاہ ولی اللہ اور ان کے لائق فرزند شاہ عبد العزیز محدث دہلوی
کے افکار کو شطحیات کہنا، غالباً خود غیر صوفیانہ شطحیات کے سوا کچھ اور نہیں ہے اس لئے اگر
''صدیقیت'' صوفیائے کرام کی فکری اصطلاح ہوتی تو بھی مستند ہوتی۔

قصہ مختصر ہمیں کھلے دل سے اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ ہر نئی ایجاد اسی طرح کی
سابق ایجاد کی اساس پر قائم ہوتی ہے اور ہر نئی فکر پہلوں کی فکر کے بنائے زینوں کو طے کر
کے بلندیوں پر پہونچتی ہے۔ ہمارے قلم کی جولانی، ہمارے اسلاف کے قلمی جوہر کی
بدولت ممکن ہو سکی ہے۔ اور یوں چراغ سے چراغ جلتا رہے گا۔ بلاشبہ ''صدیقیت'' کی
بحث مختلف انداز میں ہمارے قابل فخر اسلاف کے ہاں اختصار کے ساتھ مختلف مقامات پر
موجود ہے۔ ہم ان منتشر تحریروں کو یکجا کر کے، ایک بیانیہ مرتب کریں گے اور اس بحث کو کسی
قدر بسط وتفصیل سے، کسی قدر تہذیب وتنسیق سے اور کسی قدر تعدیل وتطبیق سے سطور آئندہ
میں قارئین کے سامنے پیش کریں گے۔ یہاں یہ عرض کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ تاریخ اسلام

کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے، میں اس مضمون کی تدریس وتعلیم سے یونی ورسٹی کی
سطح پر ایک طویل عرصہ تک وابستہ رہا ہوں اور اب بھی قرائت وتسوید کی حد تک اس سے
منسلک ہوں۔ اسلام کی سیاسی ومذہبی تاریخ میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات والا
صفات اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے ہمیشہ نمایاں اور ممتاز رہی ہے۔ ان کی بلند وبالا
شخصیت کی چھاپ ہماری تاریخ کے ہر پہلو پر نظر آئے گی۔ وہ سیاسیات ہوں، عبادات
ہوں، معاملات ہوں یا اخلاقیات، ہر موضوع پر ان کی شخصیت کو جناب رسول اکرم ﷺ کی
ذات بابرکات کے بعد سب سے اہم سب سے اعلیٰ اور سب سے اولیٰ مرتبہ حاصل ہے۔ وہ
انبیاء کرام کے بعد افضل البشر ہیں اور ان کی افضلیت پر امت محمدیہ کا اجماع ہے۔ میں عمر
بھر کے مطالعہ اور غور وفکر کے نتائج کو ذیل میں سپرد قلم کر رہا ہوں۔ میرا ہرگز یہ دعویٰ نہیں ہے
کہ میں کوئی نئی بات پیش کر رہا ہوں، بلکہ میری یہ تحریر اسلاف کی نگارشات وتحقیقات پر مبنی
ہیں۔ میں نے انہیں کے پھولوں سے یہ گلدستہ سجایا ہے اور انہیں کے فکر وفہم سے یہ محفل
آراستہ کی ہے۔ والعون من اللہ

۲۔ لفظ صِدّیق کا لغوی مفہوم

لفظ صِدّیق کا مادہ صَدَق (ص د ق) ہے جو لفظ کَذَب (ک ذ ب) کی ضد ہے۔ اس
کے معنی ہیں، سچ، سچائی اور راستی۔ اس مادہ سے ''صِدّیق'' مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کا وزن
ہے ''فِعّیل''۔ جوہری کی ''صحاح'' ابن منظور کی ''لسان العرب'' اور زبیدی کی ''تاج
العروس من جواہر القاموس'' میں اس کے جو معانی بیان کئے گئے ہیں، وہ ہیں، مُصَدِّق،
تصدیق کرنے والا، بہت زیادہ سچا، کثیر الصدق، جس سے کبھی بھی کذب (جھوٹ) سرزد
نہ ہوا ہو۔ ''صِدّیق'' مبالغہ کا صیغہ ہے اور یہ ''صَدُوق'' سے زیادہ بلیغ ہے اور لفظ ''صَدُوق''
لفظ ''صَدِیق'' سے بلیغ تر ہے۔ یوں ''صِدّیق'' لفظ ''صَدُوق'' اور لفظ ''صَدِیق'' سے بلیغ تر
ہے۔ مشہور لغوی جوہری نے ''صحاح اللغات'' میں لفظ ''صِدّیق'' کے معنی یہ بتائے ہیں کہ وہ
ہمیشہ تصدیق کرنے والا، یعنی ''الدائم التصدیق'' ہو اور اس کے قول کی اس کے عمل

سے تصدیق وتائید ہوتی ہو۔ امام راغب الاصفہانی کے نزدیک ''صَدقُ'' کے معنی ہیں کہ قول، بیک وقت، ضمیر اور جس کی تصدیق کی جارہی ہو، اس کے مطابق ہو اور دونوں اعتباروں سے اس کا سچ اور درست ہونا، ثابت ہو۔ یعنی جو بات کہی جائے وہ مبنی بر صدق ہو اور کہنے والے کے ضمیر کے عین مطابق بھی ہو۔ صدق کا دائرہ صرف افعال قلوب تک محدود نہیں ہے، بلکہ افعال جوارح بھی ''صدق'' کے دائرہ میں آتے ہیں، مثلاً ''صَدَقَ فی القتال'' (اس نے جنگ میں اس کا حق اداء کردیا)۔ اس طرح ''صدق' ایک ہمہ جہت اور مکمل صفت ہے اور اس کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو سچائی میں کامل ہو اور عمل سے اپنے قول کو سچ کردکھائے۔ (۴)

۳۔ امام راغب اصفہانی کی توجیہات

''صِدّیق'' کے مفہوم کی وضاحت مزید کی غرض سے امام راغب الاصفہانی نے اس کے معانی کی مختلف توجیہات کی ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ الصدیق من کثر منه الصدق

صدیق وہ ہے جس سے صرف ''صدق'' بہت زیادہ صادر ہو۔

۲۔ الصدیق من لایکذب قط

صدیق وہ ہے جو کبھی جھوٹ نہ بولے اور اس کے قول سے کبھی کذب سرزد نہ ہو اور نہ اس کے عمل سے جھوٹ کا صدور ہو۔

۳۔ الصدیق من لایتاتی منه الکذب التعوده الصدق

صدیق وہ ہے جس سے کذب اس لئے سرزد نہیں ہوتا کیوں کہ وہ صدق کا عادی ہوتا ہے اور سچائی اس کی عادت ثانیہ ہوجاتی ہے۔

۴۔ الصدیق من صدق بقوله و اعتقاده و حقّق صدقه بعمله

صدیق وہ ہے جو اپنی بات (قول) اور اعتقاد میں سچا ہو، اور اپنی سچائی اور صدق کی تحقیق واثبات اپنے فعل سے کرے۔ یعنی وہ صادق القول ہو، صادق العقیدہ ہو اور اس کا یہ

صدق اس کے عمل وفعل سے متحقق و مبرہن ہو۔ اس کا فعل اس کے قول اور عقیدہ کی تصدیق کرے۔

۵۔ الصدیق من لزمه الصدق

صدیق ایسا شخص ہے کہ صدق اس کے لئے لازم وملزوم ہو، یوں ''صدیق' تام الصدق ہوتا ہے اور یہ ''صدق'' اس کی طبیعت ثانیہ وفطرت اصلیہ کے بمنزلہ ہوجاتا ہے۔ (۵)

۴۔ لفظ صدیق کا اصطلاحی مفہوم

''صدیق'' کے لغوی مفاہیم کے تعلق سے سطور ماسبق میں جو کچھ عرض کیا گیا، اس سے اس کے اصطلاحی مفہوم کو سمجھنا چنداں دشوار نہیں رہ جاتا۔ امام فخر الدین رازی نے قرآن مجید کی سورہ النساء آیت ۶۹ کی تفسیر میں لکھا ہے:۔ (۶)

''ان الصدیق اسم لمن سبق الی تصدیق الرسول علیه الصلوۃ و السلام، فصار فی ذالك قدوۃ لسائر الناس۔''

''صدیق اس شخص کا نام ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے میں سب سے پہل کی اور یوں اس تصدیق میں وہ لوگوں کا قائد وپیشوا ہوگیا۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:۔ (۷)

''انّ الصدیق یهدی الی البرّو انّ البرّ یهدی الی الجنۃ وان الرجل، لیصدق حتیٰ یکتب عند اللہ صدیقاً۔''

صدیق وہ ہے جو لوگوں کی نیکوکاری کی جانب رہنمائی کرتا ہے، اور نیکوکاری جنت کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔ اور آدمی سچائی کا خوگر ہوجاتا ہے اور اللہ کے ہاں اس کو 'صدیق'' لکھ لیا جاتا ہے۔

''صدیق'' کے اصطلاحی مفہوم کی وضاحت مزید کی غرض سے ہمیں کتاب اللہ سے رجوع کرنا ہوگا، جہاں یہ اصطلاح ایک قائم بالذات شرعی اصطلاح کے بطور متعدد مقامات

پر مذکور ہوئی ہے۔

۵۔ قرآن میں صدیق کا ذکر

قرآن مجید میں "صِدّیق" اور اس جیسے مشتقات، یعنی "صِدّیقہ"، "صِدّیقون"، اور "صِدّیقین" کا ذکر چھ مقامات پر آیا ہے۔ یہ مقامات مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ "الصِدّیق" (بحالت رفعی) آیت ذیل میں:۔

"یوسف ایها الصدیق افتنا فی سبع بقرات سمان یاکلهن سبع عجاف" (یوسف ۴۶)

(یوسف اے "صدیق" ان سات فربہ گایوں کے بارے میں جنہیں سات دبلی گائیں کھائے جا رہی ہیں، ہمیں اپنی رائے بتاؤ)

۲۔ "صِدّیقا" (بحالت نصبی) مندرجہ ذیل دو آیتوں میں:۔

(۱) "واذکر فی الکتاب ابراهیم انه کان صدیقا نبیا" (مریم ۴۱)

(اے رسول) اس کتاب (قرآن) میں ابراہیم کا مذکور بھی لوگوں سے بیان کرو، وہ صدیق نبی تھے)

(۲) "واذکر فی الکتاب ادریس انه کان صدیقا نبیاً" (مریم ۵۶)

(اس کتاب (قرآن) میں ادریس کا بھی لوگوں سے ذکر کرو۔ وہ صدیق نبی تھے)

۳۔ "الصِدّیقون" (جمع مذکر، بحالت رفعی) درج ذیل آیت میں:۔

"والذین امنوا بالله ورسله اولئك هم الصدیقون والشهداء عند ربهم لهم اجرهم ونورهم" (الحدید ۱۹)

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہی اللہ کے ہاں صدیقوں اور شہیدوں کے درجہ میں ہیں، انہیں کے لئے ان کا اجر اور نور ہے)

۴۔ "الصِدّیقین" (جمع مذکر، بحالت جری) آیت درج ذیل ہیں:۔

ومن یطع الله والرسول فاولئك مع الذین انعم الله علیهم من

النبیین والصدیقین و الشهداء و الصالحین" (النساء ۶۹)

(اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، (قیامت کے روز) وہ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ نے فضل و انعام کیا ہے، یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ (ہوں گے)۔

۵۔ "صِدّیقہ" (واحد مونث) آیت ذیل میں:۔

"وامه صدیقة کانا یاکلان الطعام" (المائدہ آیت ۷۵)

(اور عیسیٰ کی ماں "صدیقہ" تھیں، وہ دونوں (حضرت عیسیٰ و مریم) کھانا کھاتے تھے (یعنی آدمی تھے، اللہ نہ تھے)

۶۔ احادیث میں صدیقیت کا ذکر

احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول ﷺ نے متعدد مقامات پر صدیقیت کو نبوت و شہادت کی طرح ایک مخصوص منصب و مقام کے بطور بیان فرمایا ہے۔

امام بخاری (۸) نے حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ کوہ احد پر تشریف لے گئے۔ آپؐ کے ہمراہ حضرات ابوبکر، عمر و عثمان بھی تھے، کہ پہاڑ میں حرکت ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا "اے احد ٹھہر جا کہ اس وقت تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید موجود ہیں۔" یہ "صدیق" حضرت ابوبکر تھے اور دو شہید تھے حضرت عمر و حضرت عثمان اور نبی تو حضور کی ذات گرامی تھی۔ امام مسلم (۹) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ کوہ حرا پر تشریف رکھتے تھے اور آپ کے ساتھ حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ و زبیر تھے۔ پہاڑ میں اچانک لرزش ہوئی، آپ نے فرمایا: "اے حراء ٹھہر جا! کہ تجھ پر نبی، صدیق اور شہید کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔" یہاں بھی نبی، حضور اکرمؐ تھے، صدیق، حضرت ابوبکر تھے اور باقی حضرات (عمر، عثمان، علی، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم) شہید ہوئے۔

اسی طرح امام مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کہ صدیق کو یہ بات

زیب نہیں دیتی کہ وہ کسی پر لعنت کرے۔'' (۱۰) اس ارشاد نبوی سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی روحانیت میں ''صدیقیت'' ایک مقام بلند ہے۔ اس کی تائید مزید امام بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جس میں یہ مذکور ہے کہ: ''صدیق نیکوکاری کی جانب رہ نمائی کرتا ہے اور نیکوکاری جنت کی راہ دکھاتی ہے اور آدمی سچائی کا خوگر ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ کے ہاں اسے ''صدیق'' لکھ لیا جاتا ہے۔'' (۱۱)

ان احادیث صحیحہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نہ صرف وحی کی رو سے اسلام کی روحانی اشرافیہ میں ''صدیق'' ایک مقام بلند ہے، بلکہ زبان رسالت سے بھی اسے ایک منصب عالی قرار دیا گیا اور یہ اصطلاح صوفیہ کی شطحیات نہیں، بلکہ دین کی ایک معتبر اصطلاح ہے اور جیسا کے بعد میں ثابت کیا جائے گا حضرت ابوبکر صدیقؓ اس منصب عالی کے حامل تھے، و کفی به شرفاً۔

۷۔ صدیقیت کیا ہے؟

احسان کے ثمرات جنہیں ''احوال'' و ''مقامات'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان میں جو عقل کے ساتھ وابستہ و متعلق ہیں، ان کی اصل ''یقین'' ہے۔ اس ''یقین'' سے توحید، اخلاص، توکل، شکر، انس، ہیبت (اللہ کی جلالت شان کا یقین کامل) تفرید (یعنی مومن کے قوائے ادراکیہ پر ذکر الٰہی کا غلبہ)، صدیقیت و محدثیت کی صفات پیدا ہوتی ہیں اور یہ تمام شعبے (شاخیں) ''یقین'' کے تناور درخت سے برگ و بار لاتے اور اسی سرچشمہ سے سیراب ہوتے ہیں۔ (یوں یہ یقین عقل کا خمیر مایہ اور اصل الاصول ہے)۔ مشہور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''یقین تمام ایمان ہے'' (الیقین الایمان کلہ)۔ ایک دوسری روایت میں یہی قول جناب رسول ﷺ سے مروی ہے۔ آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے: ''بارالہا! ہمارے لئے ''یقین'' کا وہ درجہ مختص فرما جس سے دنیوی مصائب و تکالیف کو برداشت کرنا، آسان و سہل تر ہو جائے۔''

''یقین'' کے معنی یہ ہیں کہ مومن ان تمام مسائل قدر و احکام معاد پر، جنہیں شریعت

نے بیان کیا ہے، ایمان لائے، یہ ایمان اس کی عقل پر غالب ہو جائے، اس کی عقل ایمان سے پر ہو جائے اور عقل سے، اس کے قلب و نفس پر رشحات مترشح ہوں، جس کے باعث، جس امر کا اس کو یقین ہو، وہ اس کے لئے بدیہی، واضح و محسوس کے بمنزلہ ہو جائے۔ یقین سرتا سر ایمان ہے اور عقل کی اصطلاح و تہذیب کے لئے وہی عمدہ و بہترین مصلح و مہذب ہے۔ یہ عقل کی تہذیب و شائستگی، قلب و نفس کی تہذیب و اصلاح کا باعث ہوتی ہے، وہ یوں کہ جب یقین قلب پر غالب ہو جاتا ہے، تو اس سے مختلف خصائل کا انشعاب ہوتا ہے اور ایسا شخص ان امور سے کوئی خوف نہیں محسوس کرتا، جن سے دوسرے عموماً و عادتاً خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ اسے (مومن کو) اس امر کا یقین ہوتا ہے کہ جو ہمارے لئے مقدر ہو چکا ہے وہ تو ہو کر رہے گا اور جو بات ہمارے لئے مقدر نہیں ہے، وہ بھی ہمیں لاحق نہ ہوگی۔ اس طرح آخرت میں جو وعدہ الٰہی ہے، اس پر مطمئن ہونے کے باعث ان دنیوی مصائب کو برداشت کرنا، اس کے لئے آسان و سہل ہو جاتا ہے۔ مومن کا نفس، اس علم کے بعد، کہ قدر و جو بیہ (فیصلہ و حکم خداوندی) ہی عالم میں اختیار و ارادہ کے ساتھ مؤثر ہے، اور یہ اسباب معمول کے مطابق ہیں دنیوی اسباب کو بے حقیقت سمجھنے لگتا ہے اور اس کا نفس ان کے حصول کی سعی کو لایعنی سمجھ کر ترک کر دیتا ہے۔

قصہ مختصر جب ''یقین'' قوی، مستمر اور مکمل ہو جائے گا، تو مومن فقر و غناء، عزت و ذلت اور آرام و تکلیف سے متاثر نہ ہوگا اور اس کی نگاہ میں سونا اور پتھر یکساں اور بے حقیقت ہوں گے۔ اس ''یقین'' سے بہت سی شاخیں پھوٹتی ہیں اور اس کے مختلف شعبے ہیں۔ جن میں سے ایک شعبہ (شاخ) ''صدیقیت'' ہے۔ صدیقیت کی حقیقت یہ ہے کہ امت میں ایک شخص ایسا ہوتا ہے جو اپنے اوصاف میں انبیا کے ساتھ مشابہہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال تاثر پذیری میں ایک محقق استاد کے مستعد، ذہین و فطین شاگرد کی ہے، جس کو استاد سے اخذ و کسب میں مہارت تامہ بہم پہونچی ہو۔

انبیاء کے ساتھ اس تشبہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک ''قوائے عقلیہ'' کے اعتبار

سے اور دوسری ''قوائے عملیہ'' کے اعتبار سے۔ ''قوائے عقلیہ'' میں جسے یہ ''تشبہ'' میسر ہو وہ ''صِدّیق'' و ''مُحدَّث'' کہلائے گا اور اگر یہ ''تشبہ بالا انبیاء'' ''قوائے عملیہ'' کے اعتبار سے ہو، تو ایسے مردِ مومن کو ''شہید'' و ''حواری'' کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت میں انہیں گروہوں کی جانب اشارہ فرمایا ہے: ''والذین امنوا باللہ ورسلہ اولئلک ھم الصدیقون والشھداء'' (سورہ الحدید آیت ۱۹) یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہ صدیقون اور شہداء ہیں۔''

''صِدّیق'' اور ''مُحدَّث'' میں یہ فرق ہے کہ صدیق کا نفس، نبی کے نفس سے قریب الماخذ ہوتا ہے اور وہ نبی سے اس سرعت سے اثر پذیر ہوتا ہے، جس سرعت سے گندھک، آگ سے اثر قبول کرتی ہے (یعنی جس طرح گندھک کو آگ دی جاتی ہے تو بھک سے اڑ جاتی ہے اور اس پر آگ کا فوری اثر ہوتا ہے، بالکل اسی طرح صدیق، نبی سے فوراً اثر قبول کرلیتا ہے)، چنانچہ وہ جب بھی نبی سے کوئی خبر سنتا ہے، اس کا اثر اس کے نفس پر بہت گہرا پڑتا ہے اور وہ اس خبر کو اپنے نفس کی گواہی و شہادت کے ساتھ قبول کرلیتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا علم اور ایسی خبر ہے جو کسی تقلید و شک کے بغیر اس کے نفس سے برآمد و حاصل ہوئی ہے۔ اس صفت کی جانب اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جب جبرئیل نبی کریم ﷺ کی خدمت میں وحی لے کر حاضر ہوتے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کی آواز کی بھنبھناہٹ سنتے تھے۔

مگر ''مُحدَّث'' وہ مردِ مومن ہے جس کا نفس علم ملکوت کے بعض معاون و ذخائر تک جلد پہونچ جاتا ہے اور اس میں سے کچھ ایسے علوم کو اخذ کرلیتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی شریعت کے بطور، انسانوں کی اصلاح کی غرض سے مقرر کیا ہے، اور ابھی ان کے بارے میں وحی نازل نہیں ہوئی ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے، جو ایسے بہت سے حادثوں کو، جن کے متعلق ایجاد و اختراع کا فیصلہ ہوچکا ہے، خواب میں دیکھتا ہے۔ محدث کی خصوصیت یہ ہے کہ متعدد امور میں، اس کی رائے کے موافق وحی نازل ہوتی ہے۔

صدیق کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے نفس میں رسول اکرم ﷺ کی شدید محبت ہوتی ہے، جس کے باعث وہ جان و مال سے رسول (ﷺ) کی مواسات و غم خواری کرتا ہے اور اس موافقت سے کسی حال میں بھی سرمو تجاوز نہیں کرتا۔ یوں اس کا حال نبی کریم علیہ السلام کے اس ارشاد کے مطابق ہوجاتا ہے کہ ''وہ اپنے مال اور صحبت (دوستی) میں نبی پر سب سے زیادہ منت واحسان کرنے والا ہے۔'' اس کے بارے میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم یہ فرماتے ہیں کہ ''اگر وہ کسی شخص کو اپنا خلیل (دوست) بناتے تو وہ ابوبکرؓ ہی ہوتے۔'' ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے نفس سے، صدیق کے نفس پر مسلسل انوارِ وحی وارد ہوتے رہتے ہیں۔ جب یہ تاثیر و تاثر اور فعل و انفعال کا عمل بار بار دہرایا جاتا ہے تو فناء اور فدائیت کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے۔ صدیق کو یہ کمال نبی علیہ السلام کی صحبت سے مستفید ہونے اور ان کا کلام سننے سے اس لئے بہم پہونچتا ہے کہ وہ تمام صحابہ کرام میں سب سے زیادہ نبی ﷺ کی صحبت سفر و حضر میں رہے ہوتے ہیں۔

''صدیق'' کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ خوابوں (رویاء) کی تعبیر کرنے والا ہو، ایسا اس لئے ممکن ہوتا ہے کہ وہ ادنیٰ سبب سے امورِ غیبی کو پالینے کی فطری صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ اکثر اوقات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خوابوں کی تعبیر دریافت فرماتے تھے (قرآن میں حضرت یوسف علیہ السلام کو صدیق کہا گیا ہے۔ (سورہ یوسف، آیت ۴۶) اس میں ان کی اس ''تعبیر رویا'' کی صلاحیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے)

''صدیق'' کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ سب لوگوں سے پہلے اور کسی معجزہ کے ظہور کے بغیر جناب رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لاتا ہے۔ اس کے لئے صرف نبی علیہ السلام کا قول موقر اور معتبر ہوتا ہے اور اسے قبول حق میں کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں پڑتی۔

''صدیق'' تمام لوگوں سے زیادہ منصب خلافت و نیابت رسول اکرم علیہ السلام کا حق

دار ہوتا ہے، کیوں کہ اس کا نفس آشیانہ (وکر'') و مستقر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ان عنایات کا،
جو وہ نبیؐ پر کرتا ہے، اس لئے وہ نبی کریمؐ کی نصرت اور ان کی تائید کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس
کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ گویا نبی کی روح اس کی زبان سے گویا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ
عنہ نے جب اہل ایمان کو وصال نبویؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت
خلافت کی دعوت دی تھی، تو اسی مفہوم کی یہ بات کہی تھی کہ: ''اللہ کے نبی کا وصال ہو گیا، اس
نے تمہارے درمیان ایک ''نور'' چھوڑا ہے۔ جس سے تم لوگ وہ راہ ہدایت پالو گے جو اللہ
نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ لوگوں کو دکھائی ہے۔'' انہوں نے یہ بھی کہا کہ:
''(حضرت) ابوبکر ارشاد خداوندی کے مطابق غار ثور میں دو کے دوسرے (ثانی اثنین) ہیں
(القرآن سورہ توبہ، آیت ۴۰) وہ تم لوگوں کے امور کو انجام دینے کے سب سے زیادہ اہل و
مستحق ہیں، سو اٹھو اور ان کی بیعت کرو۔'' اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے کہ:
''والذی جاء بالصدق و صدق به، اولئك هم المتقون'' (سورہ، الزمر،
آیت ۳۳) یعنی جو شخص سچ (حق) کو لایا اور اس کی تصدیق کی، تو یہی لوگ متقی ہیں۔'' (۱۲)

ہم نے سطور بالا میں ''صدیقیت'' کی حقیقت اور ''صدیق'' کے اوصاف سے متعلق
شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے افکار ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ سے بے کم و کاست پیش
کر دیئے ہیں۔ وفیه مایغنیك عن غیرہ۔

۸۔ مقام صدیقیت

انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم اور صادق ہیں، چنانچہ وہ بھی ''صدیق'' ہیں۔ مگر
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرات ابراہیم، ادریس اور یوسف علیہم السلام کو بطور خاص
''صدیق'' کی صفت سے متصف فرمایا ہے۔ (۱۳) اور ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ ان
بزرگوں میں صفت صدیقیت مرنج واضح تھی۔ یوں ہر نبی صدیق ہے لیکن قرآن مجید میں
حضرت عیسیٰ کی والدہ جناب مریم کو بھی ''صدیقہ'' کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ (۱۴)
یہ امر متفق علیہ ہے کہ وہ ''نبیہ'' نہ تھیں، سو یہ معلوم ہوا کہ غیر نبی بھی ''صدیق'' ہوتا ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں انبیاء کے ساتھ، صدیقین، شہداء اور صالحین کا ذکر کیا ہے۔
(۱۵) ظاہر ہے کہ یہ حضرات انبیاء نہیں ہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ اور اس کے
رسول پر ایمان لانے والوں میں ''صدیقون'' و ''شہداء'' کا بیان ہوا ہے۔ (۱۶) ان آیتوں
سے یہ امر متحقق ہو جاتا ہے کہ ''صدیق'' کا ''نبی'' ہونا ضروری نہیں ہے اور غیر نبی بھی مقام
صدیقیت پر فائز ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ ہر نبی صدیق ہے، مگر ہر صدیق نبی نہیں ہے سو بعض
غیر نبی صدیق ہیں جو مقام صدیقیت پر متمکن ہیں۔

اب یہ بات غور طلب ہے کہ اسلام کی روحانی اشرافیہ میں ''صدیق'' کا کیا مقام ہے
اور منصب صدیقیت کی، اس درجہ بندی میں کیا حیثیت ہے۔ امام راغب اصفہانی نے
قرآن کی سورہ النساء کی آیت ۶۹ سے، جس میں ''صدیقین'' کا ذکر نبیین'' کے بعد
اور ''شہداء'' اور ''صالحین'' سے پہلے کیا گیا ہے، یہ استدلال کیا ہے کہ:۔

الصدیقون هم قوم دوین الانبیاء فی الفضیلة یعنی صدیقون وہ لوگ
ہیں جو فضیلت و شرف میں انبیاء کرام سے کم اور ان کے بعد ہیں۔ (۱۷) امام رازی نے اس
آیت سے استدلال کر کے یہ لکھا ہے کہ ''مقام صدیقیت''، ''مقام نبوت'' سے متصل
ہے۔ (۱۸)

امام ربانی مجدد الف ثانی کے مطابق ''مقام ولایت'' کے اوپر (فوق) ''مقام
شہادت'' ہے۔ ''مقام شہادت'' سے بالاتر ''مقام صدیقیت'' ہے اور اس سے بالاتر صرف
''مقام نبوت'' ہے، ان دونوں کے مابین کوئی مقام نہیں ہے۔ ''صدیقیت'' مقام بقاء سے
وابستہ ہے اور ''صدیق'' اہل بقاو تمکین'' سے ہوتا ہے، کسی حادثہ کے وقت اس پر کسی طرح کا
اضطراب طاری نہیں ہوگا۔ جناب رسول اکرم ﷺ کے وصال کے موقع پر حضرت ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ پر کوئی اضطراب طاری نہ ہوا تھا اور انہوں نے نہایت استقامت سے
اس موقع پر کام لیا تھا کہ یہی ''مقام صدیقیت'' کا تقاضہ تھا۔ وہ علوم جو نبی کو وحی کے ذریعہ
حاصل ہوتے ہیں، وہ صدیق پر الہام کے واسطہ سے منکشف ہوتے ہیں۔ سو ان دونوں علوم

میں وہی فرق ہے جو وحی اور الہام کے درمیان ہے۔ وحی قطعی ہوتی ہے اور اس سے حاصل ہونے والا علم قطعی و یقینی ہوتا ہے، مگر الہام سے حاصل ہونے والا علم ظنی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وحی ملائکہ کے توسط سے آتی ہے۔ چونکہ ملائکہ معصوم و معروف ہیں، ان سے کسی خطاء کا احتمال نہیں ہوتا، اس کے برخلاف الہام ہر چند کہ ایک ''محل عالی'' رکھتا ہے اور یہ ''محل عالی'' قلب ہے جس کا تعلق ''عالم امر'' سے ہوتا ہے، مگر اس کا ایک نوعیت کا تعلق، عقل و نفس سے بھی ہوتا ہے۔ ''نفس'' خواہ تزکیہ سے کتنی ہی مطمئنہ ہو جائے، اپنی خاصیت سے کلیتہ برگشتہ نہیں ہوتی، اس لئے اس میں خطاء کا احتمال بہر حال باقی رہتا ہے۔

ہر چند کہ مطمئنہ گردد
ہرگز ز صفات خود نگردد

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ جو مقامات ''مقام صدیقیت'' سے فروتر ہیں، یعنی ''مقام ولایت'' و ''مقام شہادت'' وغیرہ، ان کا تعلق ایک نوع کے ''سکر'' سے ہے، جبکہ ''مقام صدیقیت'' کی یہ خصوصیت ہے کہ اس مقام میں ''صحو تام'' ہوتا ہے (۱۹)

حاصل بحث یہ کہ ''صدیق''، ''نبی'' کے بعد افضل الناس اور مقام اعلیٰ پر فائز ہوتا ہے۔ وہ نبی سے دین کی تعلیم پاتا ہے اور صالحین اس سے دین حاصل کرتے ہیں۔ اس کی فطرت پاکیزہ اور اخلاق اعلیٰ و ارفع ہوتے ہیں۔ وہ حق و باطل میں بلا کسی تردد کے تمیز کرتا اور حق کو اختیار کرتا ہے۔ وہ جان و مال سے نبی کی تائید و نصرت کرتا ہے اور راہ حق میں بخوشی تکلیفات برداشت کرتا اور ان سے لذت کش ہوتا ہے۔ ''نبی'' کے بعد وہ ''نبی'' کے کاموں کی تکمیل کرتا اور دین کی حفاظت و صیانت میں جاں فشانیاں کرتا ہے۔

۹۔ صدیقیت کی خصوصیات و اوصاف

سطور گذشتہ میں ''صدیقیت'' کی حقیقت اور امت مسلمہ کی روحانی اشرافیہ میں اس کے مقام بلند اور اس منصب کے حامل کی جو خصوصیات و اوصاف بیان ہوئے، ہم سطور آئندہ میں انہیں سمیٹ کر شمار کریں گے، ان کی کسی قدر تفصیل کریں گے اور اگلے عنوان

کے تحت آخر میں ان کی وضاحت مزید کریں گے۔ یہ خصوصیات و اوصاف مختصراً مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ تشبہ بالانبیاء:۔ صدیق کو نبی سے یہ تشبہ ''قوائے عقلیہ'' میں حاصل ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں صدیق کے جو فرائض متعین ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ ۱۔ نبی کے کاموں کی تکمیل۔ ۲۔ ارکان اسلام کی حفاظت۔ ۳۔ مقام رسالت کا تحفظ۔ ۴۔ قرآن کی حفاظت۔ ۵۔ دین کی تائید و نصرت۔ ۶۔ جہاد کا تسلسل اور ۷۔ حفاظت مسلمین۔

۲۔ نبیؐ کے نفس سے بسرعت اثر پذیری اور نبیؐ کے ہر قول و خبر کی بے جھجک تصدیق، گویا وہ ایسا علم ہے جو کسی تقلید اور شک کے بغیر خود صدیق کے نفس سے برآمد ہوا ہے۔

۳۔ محبت رسول ﷺ، ان کی مواسات، غم خواری و مالی ایثار۔ نبیؐ کی صحبت میں دوسروں سے زیادہ رہنا اور ان کے لئے جذبہ فدائیت رکھنا۔

۴۔ تعبیر رویاء کا ملکہ۔ خود نبی علیہ السلام کا ان (صدیق) سے خوابوں کی تعبیر کا دریافت کرنا۔

۵۔ صدیق سب سے پہلے اسلام قبول کرتا ہے اور اسے نبیؐ کے قول پر یقین کامل ہوتا ہے، وہ قلب کی شہادت سے دعوت حق پر لبیک کہتا ہے اور کسی خارجی شہادت و معجزہ کے ظہور کا منتظر نہیں رہتا۔

۶۔ صدیق، خلافت نبویؐ کے منصب کا امت میں سب سے زیادہ حق دار ہوتا ہے۔

۷۔ ''منصب صدیقیت'' ''منصب نبوت'' سے متصل و فرو ہے، سو نبیؐ کے بعد وہ ''افضل الناس'' ہوتا ہے۔

۸۔ صدیق اہل بقا و تمکین سے ہوتا ہے اور کسی حادثہ کے وقت اس پر کسی طرح کا اضطراب طاری نہیں ہوتا۔

۹۔ وہ علوم جو انبیاء علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں، وہ صدیق کو کشف و الہام سے حاصل ہوتے ہیں، کیوں کہ اس کے نفس پر نبیؐ کے ذریعہ انوار وحی مسلسل وارد

ہوتے رہتے ہیں۔

صدیقیت کے ان اوصاف وخصوصیات کے ذکر کے بعد ہم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت اور کارنامہ زندگی کا اختصار سے تذکرہ کرکے یہ ثابت کریں گے کہ امت محمدیہؐ میں وہی "منصب صدیقیت" کے بلند پایہ حامل ہیں اور یہ قبائے مقدس انہیں کے پیکر پر سب سے زیادہ بجتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی سیرت اور کارناموں کا بیان ہماری اس کتاب کے اوراق میں بار بار ہوا ہے اور وہاں مستند حوالے بھی درج کئے گئے ہیں، اس لئے ہم یہاں حوالے نہیں دیں گے، الا یہ کہ کوئی نئی بات کہی گئی ہو۔

۱۰۔ حضرت ابوبکرؓ بحیثیت "صدیق"

"صدیقیت" کی جو خصوصیات اور "صدیق" کے جو اوصاف گذشتہ عنوان کے تحت بیان کئے گئے ہیں، ہم ان کا ذکر کرکے سیرت صدیقی کے واقعات اور ان کے کارناموں کی جانب اشارہ کریں گے اور امت محمدیہؐ میں ان کے مقام بلند کی وضاحت اور منصب صدیقیت پر ان کے تمکن کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کریں گے۔ واقعات اور کارنامہ عہد صدیقی کی تفاصیل، ابواب گذشتہ خصوصاً باب دہم اور باب یازدہم میں، بیان کی گئیں ہیں، اس لئے ان کی تفصیل تطویل محض سے زیادہ نہیں ہے سو ہم نے ان سے صرف نظر کیا ہے۔

۱۔ تشبہ بالانبیاء

"صدیق" کو "نبی" سے یہ تشبہ "قوائے عقلیہ" میں ہوتا ہے اور اس مشابہت کا اولین تقاضہ یہ ہے کہ "صدیق" نبی کے ان کاموں کی تکمیل کریں جن کا تعلق منصب نبوت سے نہ ہو۔ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے ساتھ ہی امت کو نئے مسائل اور نئی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اور عرب کی سرزمین ماسوا مدینہ، مکہ وطائف، اہل ایمان پر تنگ ہوگئی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بیعت خلافت کے ساتھ ہی ان مشکلات وحوادث کا مقابلہ کرنا اور ان سے عہدہ برآ ہونا پڑا۔ نبی علیہ السلام کے ان کاموں

کی تکمیل عین منشائے خداوندی کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کی یعنی:۔

(۱) ارکان دین کی حفاظت

جیسا کہ باب چہارم میں "فتنہ ارتداد" کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے، آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر سنتے ہی بیشتر عرب قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا اور دیگر مخالفین کے ساتھ ایکا کرکے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تھا اور مدینہ خطروں میں گھرا ہوا تھا۔ حالات کی نزاکت کا احساس کرکے بعض کبار صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ "مانعین زکوٰۃ" کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے، لیکن صدیق رسول نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ "وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے، دین مکمل ہو چکا ہے کیا میرے جیتے جی اس میں کوئی کمی آسکتی ہے، اللہ کی قسم میں ان زکوٰۃ کے منکرین سے اس وقت تک جہاد کروں گا جب تک کہ میں ان سے وہ رسی بھی نہ وصول کرلوں جس سے باندھ کر وہ لوگ زکوٰۃ کے جانوروں کو اللہ کے رسول (ﷺ) کی خدمت میں بھیجتے تھے۔" صدیق رسول نے ایتائے زکوٰۃ کے لئے مخالفین سے جہاد کیا اور دین کے اس رکن کو منہدم ہونے سے بچایا۔ دین کا ایک اور رکن حج ہے۔ جناب رسول خدا (ﷺ) کی حیات دنیوی میں یہ شرف صرف صدیق اکبرؓ کو حاصل ہو کہ ۹ھ کے حج میں مسلمانوں کے امیر الحج بنا کر مکہ بھیجے گئے۔ اسی طرح اسلام کا رکن رکین صلوٰۃ ہے۔ حضرت صدیق اکبر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہیں نے علالت نبیؐ کے دوران امامت صلوٰۃ کی۔

۲۔ مقام رسالت کا تحفظ

تحفظ مقام رسالت کا پہلا تقاضہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے احکام کی بجا آوری میں حد درجہ مستعدی دکھائی جائے۔ صدیق رسول کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر نئے مسئلہ میں دریافت فرماتے تھے کہ اس بارے میں رسول مکرم نے کیا حکم دیا ہے یا اگر وہ ہوتے تو کیا فیصلہ کرتے، چنانچہ اس اساس پر وہ فیصلہ کرتے تھے۔ احکام رسول کی بجا آوری کی سب

سے اعلیٰ مثال جیش اسامہ کی سرحدات شام کی جانب روانگی کا فیصلہ ہے۔ وصال نبویؐ کے بعد مسلمان جس نازک صورت حال سے دوچار تھے اس کے پیش نظر صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ اس کی روانگی موخر کردی جائے لیکن صدیق رسولؐ نے ایسا کرنے سے انکار کردیا اور جیش کو روانہ کردیا۔

مقام رسالت کے تحفظ کی دوسری شاندار مثال مدعیان نبوت کا قلع قمع کرنا ہے۔ یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ کی حیات دنیوی میں یمن کے عبہلہ (اسود عنسی) نے اور یمامہ کے مسیلمہ کذاب نے اپنی اپنی نبوت کے جھوٹے دعوے کئے تھے اور آپؐ کے وصال کے بعد بنوتمیم و بنوتغلب کی مشترکہ فتنہ گر عورت سجاح نے اور بنواسد کے طلیحہ اسدی نے بھی نبوت کے دعوے کئے تھے۔ صدیق رسولؐ نے ان تمام کذابین کو کیفر کردار تک پہونچایا اور نبوت و رسالت کی حفاظت میں سردھڑ کی بازی لگادی۔ ان کا اس ضمن میں یہ اسوہ حسنہ قیامت تک مدعیان نبوت کے مشرکانہ عمل کو روکوانے اور اسلام میں نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کے سدباب کے لئے قابل تقلید ہے۔

۳۔ قرآن کی حفاظت

قرآن مجید، اللہ کا کلام ہے اور اس نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی لی ہے، لیکن یہ فریضہ نبی کریم ﷺ پر عائد کیا گیا اور آپؐ نے کتابت اور تحفیظ کے ذریعہ اسے محفوظ کیا چنانچہ آپ کے حیات میں متعدد صحابہ نے حفظ کے ذریعے اسے اپنے سینوں میں محفوظ کرلیا تھا، اور بعض نے آیات و سور کو لکھ کر بھی بحفاظت رکھ لیا تھا۔ مگر قرآن کو ایک جلد میں مرتب و مدون کرنے کے کام کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انجام دیا اور آج جو مصحف ہے وہ انہیں کے عہد خلافت میں، انہیں کے حکم سے مدون و جمع کیا گیا تھا اور یوں حفاظت قرآن کے عظیم کام کو انہیں نے مکمل کیا، سو حفاظت قرآن کے فریضہ کی تکمیل، صدیقیت کا بڑا کارنامہ ہے۔

۴۔ دین کی تائید و نصرت

اس عنوان کے تحت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ان جاں فشانیوں کو یاد کرنا چاہیئے، جو انہوں نے اسلام کی مکی زندگی میں مالی ایثار اور جانی مشقتوں سے کیں۔ بعدازاں ہجرت کے دوران اور قیام مدینہ کے زمانہ میں صلح و جنگ کے حالات میں ان کی خدمت پر نظر ڈالنی چاہئے۔

غرض عہد نبویؐ میں ان کی خدمات جو اسلام کی نصرت و تائید میں انہوں نے انجام دیں، دیکھنے سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے بعد انہیں کی شخصیت سب سے نمایاں اور سب سے اونچی ہے۔ منصب خلافت سنبھالنے کے بعد ان کے ان کارناموں پر غور کرنا چاہئے جو انہوں نے فتنہ ارتداد کی بیخ کنی کے ضمن میں انجام دیئے اور اس کے بعد ایران و روم کی اسلام دشمن طاقتوں سے نبرد آزما ہوکر انہوں نے دین کی بنیادیں مستحکم کیں۔ نہ صرف یہ کہ سرزمین عرب کو ان کے خطروں سے محفوظ کیا بلکہ عراق و شام کو بھی ان مخالفوں کے قبضہ سے آزاد کراکے، اسلام کو پھلنے پھولنے کا موقع بہم پہونچایا۔ ان سب باتوں کے علاوہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ استخلاف کو حل نہ کیا ہوتا، تو دین، رسول اکرم علیہ السلام کے پردہ فرماتے ہی انتشار کی بھینٹ چڑھ کر رہ جاتا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے نتیجہ میں جو فتنہ برپا ہوا، وہ اس سے کوئی پچیس سال پہلے ہی اسلام اور اہل اسلام کے لئے تباہی کا پیام لے کر آجاتا۔

۵۔ جہاد کا تسلسل

تشبہ بالانبیاء کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جہاد کا وہ سلسلہ جو عہد نبویؐ میں شروع ہوا تھا، اسے جاری رکھا جائے۔ چنانچہ عہد صدیقیؓ میں داخلی مشکلات پر قابو پاتے ہی، اس کا آغاز ہوا ۱۲ھ میں عراق کے محاذ پر ساسانیوں کی چیرہ دستیوں کی مزاحمت کی غرض سے جہاد

کی ابتدا کی گئی اور اس میں جناب مثنیٰ شیبانی اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نمایاں کامیابیاں ہوئیں۔ اگلے سال یعنی ۱۳ھ میں بازنطینیوں اور ان کے حامی نصرانی عربوں کی سرکوبی کی غرض سے شام میں جہاد کا ڈول ڈالا گیا۔ یہ سلسلہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات تک کسی خلل کے بغیر جاری رہا اور ان کی وفات کے بعد عہد فاروقیؓ و عہد عثمانیؓ میں نہایت شد و مد سے جاری رہا۔

۶۔ حفاظت مسلمین

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام عمر خصوصاً منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد، مسلمانوں کی داخلی و خارجی حفاظت و سلامتی میں بڑا اہتمام تھا۔ اپنی آخری علالت کے دوران بھی آپ کو اس کی فکر تھی، چنانچہ انہوں نے صحابہ کرام کے مشورہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی مقصد سے اپنا خلیفہ اور مسلمانوں کا امام مقرر کیا۔ عہد فاروق میں اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی فلاح و کامرانی سے یہ مقصد بدرجہ اتم حاصل ہوا اور اکابر ملت نے انہیں بجا طور پر ''حسنة من حسنات ابی بکر'' (ابوبکرؓ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی) قرار دیا۔ (۲۰)

۲۔ نبیؐ کے نفس سے بسرعت اثر پذیری

صدیق کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ نبیؐ کے ہر قول اور ان کی دی ہوئی خبر کی فوراً کسی جھجک کے بغیر تصدیق کرتا ہے اور اسے کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کتاب زندگی میں ایسے ابواب بکثرت ملیں گے جن میں انہوں نے نبی کریم علیہ السلام کی سب سے پہلے تصدیق کی ہو۔ مثلاً تصدیق رسالت میں اولیت، واقعہ معراج کی تصدیق اور ہدنہ حدیبیہ کے موقع پر فیصلہ رسول کی اصابت کی تصدیق اور حضرت عمرؓ کو اس کی تفہیم۔ ان کی اس صفت کا خود جناب رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے: ''تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور کہا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں، جب کہ ابوبکر

نے بلا کسی تردد کے میری تصدیق کی۔'' (۲۱)

۳۔ محبت رسولؐ

صدیقیت کا تقاضا ہے کہ رسول کی محبت صدیق کے قلب میں سب سے زیادہ ہو اور وہ نبی کی محبت میں دوسروں سے زیادہ رہا ہو۔ اور نبیؐ کے لئے جذبہ فدائیت سے مالا مال ہو۔ صدیقؓ رسول کی زندگی ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ مثلاً مکہ میں آپ کی محبت میں کفار کے مجمع میں گھس کر آپ کی حفاظت کرنا اور خود شدید زخمی ہونا، غار ثور میں آپ کی سلامتی کی خاطر مجروح ہونا، عریش بدر میں آپ کی حفاظت میں سربکف ہونا اور آپؐ کے وصال کے بعد حد درجہ غمگین رہنا اور اس غم سے وفات پانا۔ (۲۲)

۴۔ تعبیر رویاء کا ملکہ

صدیق کو تعبیر رویاء میں بہت درک ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ''صدیق'' کے لقب سے مخاطب کیا گیا ہے اور ان کی تعبیر رویاء میں مہارت کا ذکر کیا گیا ہے۔ (سورہ یوسف ۴۶)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ میں سب سے زیادہ تعبیر رویاء کا ملکہ حاصل تھا اور جناب رسول اکرم ﷺ خود ان سے خوابوں کی تعبیر دریافت فرمایا کرتے تھے۔ کتب سیرت و احادیث میں اس کی متعدد مثالیں ملیں گی۔ (۲۳)

۵۔ صدیق سب سے پہلے اسلام قبول کرتا ہے

یہ بات کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے سب سے پہلے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی آواز حق پر لبیک کہا اور وہ سب سے پہلے اسلام لائے، روایات صحیحہ سے ثابت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خود اس کا ذکر فرمایا کہ آپؐ نے جس کسی کو اسلام کی دعوت دی، اس نے کچھ ہچکچاہٹ ضرور محسوس کی، لیکن صدیق رسول نے بلا کسی جھجک کے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ عہد رسالت میں بھی لوگ انہیں ''اول الناس اسلاماً'' سمجھتے تھے چنانچہ رسول اکرمؐ اور صحابہؓ کے سامنے شاعر رسولؐ حضرت حسانؓ ابن ثابت نے حضرت صدیقؓ کی اولیت اسلام کا

بڑے فخر سے ذکر کیا تھا۔(۲۴)

۶۔صدیق منصب خلافت کا سب سے زیادہ حق دار ہوتا ہے

جیسا کہ گزشتہ ابواب میں بیان کیا جا چکا ہے، صدیق رسولؐ، سیدنا ابوبکرؓ تمام مسلمانوں میں خلافت نبویؐ کے سب سے زیادہ حق دار تھے۔ وہ غار ثور میں، عریش بدر میں اور ہر نازک سے نازک موقع پر نبی علیہ السلام کے ساتھ رہے اور جاں فشانیاں کرتے رہے۔ رسول کریمؐ کی حیات دنیوی میں وہ مسلمانوں کے امیر الحج ہوئے، آپ کی علالت کے دوران مسجد نبویؐ میں امام صلوۃ رہے اور مسلمانوں میں ان کی شخصیت نبی کریمؐ کے بعد سب سے نمایاں و ممتاز تھی اس لئے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں ان کے مفاخر و فضائل بیان کئے تو سب کی گردنیں جھک گئیں اور ان کی خلافت کی سب نے بیعت کر لی۔(۲۵)

۷۔صدیق انبیاء کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہوتا ہے

قرآن مجید میں ''صدیقین'' کا ذکر ''نبیین'' سے بالکل متصل کیا گیا ہے (سورہ النساء آیت ۶۹)۔ امام راغب اصفہانی کے نزدیک منصب ''صدیقیت'' ''منصب نبوت'' سے فروتر ہے۔ امام ربانی کے مطابق ''نبوت'' اور ''صدیقیت'' کے درمیان کوئی اور مقام نہیں ہے۔ یوں ''صدیق'' انبیاء کے بعد افضل الناس ہے۔ امت محمدیہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیاء کے بعد ''افضل الناس'' ہیں۔ اور چودہ سو سال سے اوپر ہو رہے ہیں کہ تمام دنیا کی مساجد جمعہ سے ''خطیب'' کی یہ آواز گونج رہی ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ افضل الناس بعد الانبیاء ہیں۔(۲۶)

۸۔صدیق اہل بقا و تمکین سے ہوتا ہے

''صدیق'' کے اہل بقاء و تمکین سے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ کسی ہنگامی صورت حال سے اس پر اضطراب طاری نہیں ہوتا اور وہ عزیمت و تمکنت سے اس کا مقابلہ کرتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ایسے کئی حالات سے دوچار ہونا پڑا، جب نازک صورتحال سے مسلمان پریشان و مضطرب تھے اور انہیں ایسے قائد کی ضرورت تھی جو ان کی صحیح سمت میں رہ نمائی کرے۔ وصال نبوی کے وقت اصحاب کرام پر اضطراب طاری تھا اور وہ مسجد نبویؐ میں نہایت پریشانی کے عالم میں جمع تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس نازک موقع پر مسجد نبویؐ میں تشریف لائے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کو بوسہ دیا، بے اختیار آنسو نکل آئے مگر ضبط کر کے مسلمانوں سے خطاب کیا اور قرآن کی آیت (۱۴۴، سورہ آل عمران) تلاوت کر کے آپ کے وصال کا اعلان کیا اور مسلمانوں کو صبر و ہمت سے کارثہ عظیم اور حادثہ فاجعہ کو برداشت کرنے کی تلقین فرمائی۔ اسی طرح ''فتنہ ارتداد'' کے سر اٹھانے کے موقع پر بھی انہوں نے غیر معمولی عزیمت و استقلال کا مظاہرہ کیا۔(۲۷)

۹۔صدیق کو علوم کشف والہام سے حاصل ہوتے ہیں

صدیق کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جو علوم و اخبار انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی حاصل ہوتے ہیں اور ان کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں وہی علوم و اخبار صدیق کو کشف والہام کے ذریعہ بہم پہونچتے ہیں اور وہ انہیں کے مطابق عمل کرتا ہے۔ یہ ایک طرح کی فراست ایمانی ہے، جو صدیق کو ارزانی فرمائی جاتی ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس قوت کشف اور مُعف فراست ایمانی کا، ان کے عہد میں پیش آنے والے متعدد حوادث میں، ان کے درست اور مناسب فیصلوں سے، اندازہ لگایا جا سکتا ہے، مثلاً صحابہ کرام کے مشورہ کے بر خلاف جیش اسامہ کو بلا تاخیر سرحدات شام کی جانب روانہ کرنے کا فیصلہ جس کے دوررس نتائج ظاہر ہوئے حالانکہ بادی النظر میں ایسا دکھائی نہیں دے رہا تھا؛ مانعین زکوۃ کے خلاف جہاد کا عزم مصمم، جو اس وقت کے احوال و ظروف میں خلاف مصلحت سمجھا جا رہا تھا۔

اپنے نتیجہ کے لحاظ سے یہ فیصلہ نہایت درست اور اسلام کے لئے آیۂ رحمت ثابت ہوا؛ اس فراست و کشف کی ایک اور مثال یہ ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ حبیبہ بنت خارجہ حاملہ تھیں، آپ نے پیدا ہونے والے بچہ کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ لڑکی ہوگی اور میراث

میں ایک بیٹی کا حصہ اس نومولود کے لئے علیحدہ کرا کر محفوظ کرا دیا۔ چنانچہ لڑکی ہی پیدا ہوئی، جن کا نام ام کلثوم رکھا گیا۔(۲۸)

۱۱۔حاصل بحث

صفحات گذشتہ میں جو معروضات پیش کی گئیں، ان سے یہ بات الم نشرح ہو جاتی ہے کہ ''صِدّیق'' اسی طرح ایک شرعی اصطلاح ہے، جس طرح نبی، شہید، مُحَدَّث وغیرہ اصطلاحات شرعیہ ہیں۔ اسلام کی ''روحانی اشرافیہ'' میں ''صدیق'' نبی سے فروتر، مگر اس کے متصل اور یوں انبیا کے بعد تمام انسانوں سے افضل واعلیٰ ہے۔ اسلام میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی اس منصب بزرگ پر فائز ہیں اور وہی ''صدیق'' ہیں۔ چنانچہ انہیں ''افضل الناس'' بعد الانبیاء قرار دیا گیا اور اس پر تمام امت محمدیہ کا اجماع ہے۔ اگر کسی نے اس سے اختلاف کیا ہے تو وہ شاذ ہے اور ''الشاذ کالمعدوم'' کے مصداق ان کا اختلاف درخور اعتنا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جناب جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے حضرت ابوبکرؓ کو ''صدیق'' کہا (۲۹) اور قرآن مجید میں صدیق کا تذکرہ انبیا، شہداء وصالحین کے ساتھ کیا۔ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ ''صدیق'' ایک شرعی اصطلاح ہے۔ اور صحیح بخاری وصحیح مسلم کی روایات کی رو سے، سرور کائنات ﷺ نے اسے نبی وشہید کے ساتھ ایک دینی منصب قرار دیا ہے اور اس منصب بلند کے صدر نشین کی حیثیت سے حضرت ابوبکر کو اس کا حامل کہا ہے۔(۳۰)

میں نے اپنی معروضات میں یہ بھی کہا ہے کہ ''صدیقیت'' حضرات صوفیہ کی ''شطحیات'' نہیں ہے اور تصوف وسلاسل صوفیہ کے وجود میں آنے سے بہت پہلے سے یہ اصطلاح موجود تھی۔ قرآن وحدیث کے حوالوں سے اس میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ یہ اصطلاح شطحیات نہیں ہے اور اسے محض شطحیات کہہ کر اس کی اہمیت کم نہیں کی جانی چاہئے۔ صوفیہ نے ''صدیقیت'' سے بحث کی ہے مگر واضح دلائل کے ساتھ نہ کہ صرف اپنے واردات کے حوالہ سے، سوان کا بیان بھی معتبر وموقر ہے۔

اسلام میں منصب صدیقیت کا حامل صرف سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرار دیا گیا ہے چنانچہ جنگ قادسیہ کے ہیرو حضرت ابومحجن ثقفی کہتے ہیں

وسميت صديقا و كل مهاجر
سواك يسمى باسمه غير منكر (۳۱)

(اے ابوبکر صرف آپ کو صدیق کے لقب سے ملقب کیا گیا، جبکہ آپ کے علاوہ دوسرے مہاجرین کو بلا شبہ اپنے ناموں سے موسوم کیا گیا)

”حواشی (باب دوازدہم)“

(۱) امام راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، صفحہ ۲۷۷؛ الذریعہ الی مکارم الشریعہ، مطبوعہ نجف، ۱۹۶۷ء، صفحہ ۹۳ و نیز مطبوعہ مصر ۱۳۱۵ھ

(۲) ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن ”صدیق اکبرؓ“ الخ، مطبوعہ طاہر اینڈ سنز کراچی، ۱۹۸۵ء، صفحہ ۲۴

(۳) اس کتاب کو ”طاہر اینڈ سنز“ اردو بازار کراچی نے ۱۹۸۵ء میں شائع کیا ہے

(۴) المفردات، ص ۲۷۷؛ ابن منظور افریقی مصری، لسان العرب، مطبوعہ قم، ایران، ۱۴۰۵ھ، جلد عاشر، صفحہ ۱۹۳ و ۱۹۴؛ ابوالسعادات ابن الاثیر جزری، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، مطبوعہ ایران، ۱۴۰۶ھ، جلد ثالث، صفحہ ۱۸؛ مرتضیٰ حسینی زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، مطبوعہ مصر ۱۳۱۶ھ، جلد ثامن، صفحہ ۴۰۵ و ۴۰۶

(۵) المفردات، ص ۲۷۷

(۶) التفسیر الکبیر، جلد ۳ صفحہ ۳۸۰

(۷) بخاری، جلد ثانی، صفحہ ۹۰۰

(۸) بخاری، جلد اول، صفحہ ۵۱۹، ۵۲۱ و ۵۲۳

(۹) مسلم، جلد ثانی، صفحہ ۲۸۲

(۱۰) مسلم، جلد ثانی، صفحہ ۳۲۳

(۱۱) حوالہ نمبر (۷) سے رجوع کیجئے

(۱۲) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، جلد ثانی، صفحہ ۹۱ تا ۹۴

(۱۳) القرآن، سورہ مریم، آیت ۴۱ و ۵۶؛ سورہ یوسف، آیت ۴۶

(۱۴) القرآن، سورہ المائدہ، آیت ۷۵

(۱۵) القرآن، سورہ النساء، آیت ۶۹

(۱۶) القرآن، سورہ الحدید، آیت ۱۹

(۱۷) المفردات، ص ۲۷۷

(۱۸) التفسیر الکبیر، جلد ۳ صفحہ ۳۸۰

(۱۹) امام ربانی، مکتوبات، مطبوعہ امرت سر، ۱۳۳۶ھ، حصہ اول، دفتر اول، مکتوب ہیجدہم، صفحہ ۳۷ و ۳۸؛ حصہ دوم، دفتر اول، مکتوب چہل و یکم، صفحہ ۲۰۳ و ۴

(۲۰) کتاب کے ابواب اول، سوم، چہارم، پنجم، دہم، یازدہم اور سیزدہم میں تفصیلات ملیں گی

(۲۱) ابواب اول و دہم دیکھئے نیز بخاری جلد اول، صفحہ ۵۱۶ و ۵۱۷

(۲۲) باب یازدہم اور سیزدہم سے مزید معلومات کے لئے رجوع کیجئے

(۲۳) باب نہم میں تفصیلات ملیں گی

(۲۴) باب اول، دوم و دہم کا مطالعہ مزید معلومات کے لئے مفید ہوگا

(۲۵) دیکھئے باب دہم و باب سیزدہم

(۲۶) حوالہ نمبر ۱۲ و ۱۹، نیز باب دہم سے رجوع کیجئے

(۲۷) باب دوم و دہم میں مزید معلومات ملیں گی، نیز بخاری، اول صفحہ ۵۱۶ و ۵۱۷

(۲۸) باب دوم و یازدہم دیکھئے، نیز کتاب اللمع فی التصوف، صفحہ ۱۲۳

(۲۹) ابن سعد، جلد ثالث، صفحہ ۱۷۰؛ الریاض النضرۃ جلد اول صفحہ ۶۸

(۳۰) حوالہ جات نمبر ۸۔۱۱ سے رجوع کیجئے

(۳۱) قرۃ العینین صفحہ ۱۳ (بحوالہ الاستیعاب)

باب سیز دہم

"علالت و وفات"

علالت

۷ جمادی الآخر ۱۳ھ کا دن نہایت سرد تھا، اس سرد دن میں حضرت ابوبکر صدیق نے غسل کیا، اس سے آپ کو بخار ہو گیا۔ یہ بخار برابر پندرہ دن تک چڑھا رہا اور اس میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ جب تک جسم میں قوت رہی، آپ نماز کی امامت فرماتے رہے مگر جب کمزوری بڑھی اور نشست و برخاست میں دشواری پیش آنے لگی تو آپ نے حضرت عمر کو اپنے بجائے نماز کی امامت کا حکم دیا۔ ابن اثیر نے آپ کی بیماری کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وصال سے وہ حد درجہ ملول و محزون تھے اور یہی صدمہ جان لیوا ثابت ہوا۔ علالت کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک یہودی نے چاول میں زہر دیا تھا جس کا اثر سال بھر کے بعد ظاہر ہوا اور بخار کا سبب وہی زہر تھا۔ بہرکیف بخار کی شدت کی وجہ سے اور اپنی صفائے باطن کے سبب سیدنا صدیق اکبرؓ کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ اب ان کا وقت آخرین آپہونچا ہے، اس لئے جب لوگوں نے آپ سے طبیب کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "ہاں اس نے مجھے دیکھا اور کہا کہ میں جو چاہوں گا کروں گا۔" اس جواب سے لوگوں کو مایوسی ہوئی۔ صحابہ کو آپ کی علالت سے سخت تشویش تھی مگر آپ کا دماغ اخیر وقت تک بالکل صحت مند رہا اور آپ مسلمانوں کے امور سے ذرا غافل نہ رہے۔ اس بیماری کے دوران میں بھی امور مملکت کی بجا آوری پوری تندہی سے کرتے رہے۔(۱)

جانشینی

حضرت ابوبکر صدیق کو اس بات کی سخت تشویش تھی کہ ان کے بعد مسلمان انتشار کا شکار نہ ہو جائیں اس لئے وہ اپنا جانشین نامزد کر دینا چاہتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق حضرت عمر فاروق مسلمانوں میں سب سے زیادہ خلافت کے منصب کے اہل تھے۔ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عثمان اور حضرت اسید بن حضیر انصاری وغیرہ سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عمر فاروق کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور حضرت عثمان سے اس کے متعلق ایک تحریر لکھوائی۔ اس کے بعد آپ نے مسلمانوں کے پاس جو آپ کے مکان کے سامنے جمع تھے یہ تحریر بھیج دی جسے حضرت عثمان نے پڑھ کر لوگوں کو سنایا۔ پھر آپ بالا خانہ پر عزیزوں کے سہارے آئے اور فرمایا "لوگو! میں نے جس شخص کو خلیفہ بنایا ہے وہ میرا عزیز نہیں ہے، بلکہ وہ عمر ہیں، تو کیا ان کا تقرر تم لوگوں کو منظور ہے؟" سب نے بیک آواز کہا "ہم نے سنا اور مانا۔"(۲)

حضرت عمر کو ہدایات

جانشین نامزد کرنے کے بعد آپ نے حضرت عمر فاروق کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی تلقین کی اور مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کی۔ دوران علالت ہی عراق کے محاذ سے مثنیٰ بن حارثہ مزید امدادی دستوں کی روانگی کی درخواست لے کر آئے تھے کیوں کہ حضرت خالد کے شام کے محاذ پر چلے جانے کے باعث عراقی محاذ پر پہلی جیسی سرگرمی نہیں رہ گئی تھی اور یہ کہ ایرانیوں نے اپنے اختلافات بھلا کر متحدہ قوت سے مسلمانوں پر فوج کشی کی تھی جس کے مقابلے کے لئے عراق میں موجود فوجیں کافی نہ تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عراق مزید فوج روانہ کرنے کا حضرت عمر کو حکم دیا۔(۳)

وصیت

امور ملکی سے یک سوئی کے بعد آپ نے اپنے گھریلو حالات کی جانب توجہ کی۔ اپنے

ترکہ کو ورثہ میں تقسیم کرنے کی ہدایت کی اور یہ وصیت کی کہ انہیں پرانے استعمالی کپڑوں میں کفنایا جائے کیوں کہ نئے کپڑوں پر مُردوں سے زیادہ زندہ لوگوں کا حق ہے۔ پھر وصیت کی کہ رسول اکرم ﷺ کے پہلو میں انہیں دفن کیا جائے۔(۴)

وفات

۱۵ دن بیمار رہ کر ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ کو مغرب وعشاء کے درمیان حضرت صدیق اکبر نے انتقال فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ وصیت کے مطابق آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس نے غسل دیا اور آپ کے صاحب زادے حضرت عبدالرحمٰن نے ان کی مدد کی۔ حضرت عمر فاروق نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قبر میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اترے۔ رسول اکرم ﷺ کے پہلو میں اس طرح دفن کئے گئے کہ آپ کا سر آنحضرت ﷺ کے شانہ مبارک تک آتا تھا۔ وفات کے وقت آپ کا سن ۶۳ برس تھا اور خلافت کی مدت دو برس، تین مہینے اور گیارہ دن تھی۔(۵)

وظیفہ

حضرت ابوبکر صدیق کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ خلیفہ ہونے کے بعد یہ سلسلہ جاری نہیں رہ سکتا تھا، اس لئے مسلمانوں کے مشورہ سے آپ کے اخراجات کے لئے ایک رقم مقرر کردی گئی۔ مرض الموت کے دوران آپ نے یہ دریافت فرمایا کہ ''مجھے خلیفہ بننے کے بعد اب تک بیت المال سے کل کتنا وظیفہ ملا ہے۔'' حساب کرکے بتایا گیا کہ چھ ہزار درہم رقم آپ کو بیت المال سے ملی ہے۔ آپ نے یہ سن کر اپنے ورثہ کو حکم دیا کہ ''میری فلاں زمین بیچ کر چھ ہزار درم کی رقم بیت المال کو واپس کردی جائے۔'' اس طور سے حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے دور خلافت میں کوئی وظیفہ نہ لیا اور مفت خدمات انجام دیں پھر انہوں نے یہ دریافت کیا کہ خلافت کے بعد سے ان کے مال میں کس قدر اضافہ ہوا؟ بتایا گیا کہ ایک حبشی غلام جو بچوں کو کھلاتا ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کی تلواروں پر سان رکھتا ہے، ایک اونٹنی

جس پر پانی لایا جاتا ہے اور ایک چادر۔ آپ نے حکم دیا کہ یہ سب چیزیں نئے خلیفہ کو لوٹا دی جائیں۔(۶)

ازواج

حضرت ابوبکر صدیق نے اسلام سے پہلے مکہ میں دو نکاح کئے ایک حضرت ام رومان سے جنہوں نے ابتداء ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ ہجرت کے بعد وہ مدینہ آئیں اور یہیں ۶ھ میں انہوں نے انتقال کیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی لاش کو قبر میں اتارا۔ دوسری شادی انہوں نے مکہ میں قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے کی۔ قتیلہ نے غالباً اسلام قبول نہ کیا، اس خیال کو اس بات سے تقویت پہونچتی ہے کہ وہ ہجرت کرکے مدینہ نہ آئیں اور خیال یہی ہے کہ جب مسلمانوں نے اپنی ان بیویوں کو جو مسلمان نہیں ہوئیں، علیحدہ کردیا تو قتیلہ سے بھی حضرت ابوبکر صدیق نے علیحدگی اختیار کرلی ہوگی۔ بہرکیف ان کا اسلام مشکوک ہے اور وہ مدینہ نہیں آئیں، مکہ ہی میں انہوں نے انتقال کیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے مکہ میں کوئی اور نکاح نہیں کیا۔ البتہ مدینہ آنے کے بعد انہوں نے حضرت خارجہ بن زید انصاری کی صاحب زادی حبیبہ بنت خارجہ سے نکاح کیا، خیال ہے کہ یہ نکاح حضرت ام رومان کی ۶ھ میں وفات کے بعد کیا ہوگا۔ مدینہ ہی میں انہوں نے ایک اور نکاح حضرت اسماء بنت عمیس سے کیا، یہ پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں، مکہ میں اسلام لائیں اور اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کرگئیں۔ جب مہاجرین حبشہ مدینہ آئے تو یہ بھی حضرت جعفر کے ساتھ آگئیں۔ غزوہ موتہ میں حضرت جعفر شہید ہوئے، یہ غزوہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں ہوا اس لئے خیال ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوہ حضرت اسماء بنت عمیس سے ۸ھ کے اخیر یا ۹ھ کے آغاز میں نکاح کیا ہوگا۔ حضرت حبیبہ بنت خارجہ نے اور حضرت اسماء بنت عمیس نے حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کے بعد بالترتیب اساف بن عتبہ بن عمرو سے اور حضرت علی بن ابی طالب سے نکاح کرلیا تھا۔ یوں حضرت ابوبکر صدیق نے کل چار نکاح کئے، دو اسلام سے

قبل اور دو اسلام کے بعد۔ ان کی وفات کے بعد ان کی موخر الذکر بیویوں (حضرت حبیبہ و اسماء) نے ان کے ترکہ سے میراث پائی۔ (۷)

اولاد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد چھ تھیں۔ تین بیٹے حضرت عبدالرحمٰن، حضرت عبداللہ اور محمد، تین بیٹیاں حضرت اسماء، حضرت عائشہ، اور حضرت ام کلثوم۔ ہم ذیل میں ان کا اجمالی ذکر کرتے ہیں:۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ

حضرت ابوبکر صدیق کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ام رومان کے بطن سے مکہ میں پیدا ہوئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ کے حقیقی بھائی تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے۔ بڑے بہادر اور ماہر قدر انداز تھے۔ جنگ یمامہ میں شریک تھے اور مسیلمہ کے سات سرداروں کو جن میں محکم الیمامہ بھی شامل ہے، انہوں نے قتل کیا۔ شام کے محاذ پر بھی انہوں نے جنگوں میں حصہ لیا۔ حدیث کے راویوں میں ہیں، ان سے متعدد حضرات نے احادیث بیان کی ہیں۔ جب حضرت امیر معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز کی تو انہوں نے بھی اس کی سخت مخالفت کی۔ ۵۳ھ میں مکہ جاتے ہوئے شہر سے دس میل پہلے انتقال کیا۔ مکہ لاکر دفن کئے گئے۔ ان کے ایک بیٹے محمد تھے جن کی کنیت ابوعتیق تھی اور جنہیں شرف صحابیت حاصل ہے۔ ان کی نسل کثرت سے چلی۔ حضرت عبدالرحمٰن کے دوسرے بیٹے عبداللہ تھے، جن کے بیٹے طلحہ تھے جنہیں بڑا عروج نصیب ہوا اور سیدنا صدیق اکبر کی نسل سب سے زیادہ انہیں سے چلی جو طلحیون کہلاتی تھی۔ (۸)

حضرت عبداللہ

حضرت ابوبکر صدیق کے دوسرے بیٹے تھے۔ قتیلہ کے بطن سے پیدا ہوئے، حضرت اسماء کے حقیقی بھائی تھے۔ کم عمری میں اسلام لائے اور ہجرت کے وقت نوجوان تھے۔ غار ثور

میں قیام کے دوران میں یہ حضرت ابوبکر صدیق اور آنحضرت ﷺ کے پاس رات کو کھانا لے کر آتے، رات وہیں بسر کرتے، دن بھر کی قریش کی خبر پہونچاتے اور منہ اندھیرے شہر مکہ لوٹ جاتے تھے۔ ہجرت کے بعد جب ان کے اہل خاندان مدینہ چلے آئے تو یہ بھی آئے اور اپنے والد کے ساتھ رہے۔ انہوں نے فتح مکہ، غزوہ حنین اور محاصرہ طائف میں شرکت کی۔ طائف کے معرکہ میں ان کے تیر لگا جس سے وہ زخمی ہو گئے، زخم بھر گیا، لیکن پھر ہرا ہو گیا اور اس سے شوال ۱۱ھ میں انہوں نے انتقال کیا۔ انہوں نے سات دینار کا قیمتی کپڑا (حلہ) خریدا تھا، جس میں آنحضرت ﷺ کو کفن دینے کا ارادہ تھا، لیکن پھر یہ خیال ترک کر دیا گیا، حضرت عبداللہ کی علالت کے دوران میں انہوں نے یہ وصیت کی کہ اس کپڑے میں انہیں نہ کفنایا جائے کیوں کہ اگر یہ کپڑا اچھا ہوتا تو اس میں آنحضرت ﷺ کو کفن دیا جاتا۔ یہی حلہ (کپڑا) انہوں نے ترکہ میں چھوڑا۔ ان کی نماز جنازہ ان کے والد نے پڑھائی اور قبر میں ان کے بھائی عبدالرحمٰن اور حضرت عمر وغیرہ اترے۔ ان کی شادی حضرت سعید بن زید کی ہمشیرہ حضرت عاتکہ سے ہوئی تھی جو حضرت عمر فاروق کی چچازاد بہن تھیں۔ ان کے بطن سے اسماعیل نامی ایک بیٹا پیدا ہوا مگر اس کی نسل نہ چلی۔ (۹)

محمد

یہ حضرت اسماء بنت عمیس کے بطن سے حجۃ الوداع کے دوران سفر ۱۰ھ کے آخری مہینے میں پیدا ہوا۔ حضرت ابوبکر کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کے وصال ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کے وقت اس کی عمر تین ماہ سے چند دن کم تھی، اس لئے اسے شرف صحابیت حاصل نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے انتقال کے وقت محمد کا سن صرف دو سال چھ ماہ کا تھا حضرت اسماء بنت عمیس نے حضرت صدیق اکبر کی وفات کے بعد حضرت علی سے نکاح کر لیا تھا۔ اور محمد نے انہیں کی نگرانی میں پرورش پائی۔ حضرت عثمان غنی کے خلاف مصر کے باغیوں کا ایک سرغنہ یہ بھی تھا۔ ۳۱ھ میں رومیوں کے خلاف بحری معرکہ جنگ ذات الصواری کے موقع پر اس نے مسلمان فوجوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی، حضرت عثمان

کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا اور محاذ جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ بعد میں مدینہ پر مصری باغیوں کو چڑھا کر لایا۔ بصرہ اور کوفہ کے سرکشوں سے بھی رابطہ قائم کیا اور حضرت عثمان کا محاصرہ کرنے والوں میں پیش پیش رہا۔ جس دن سیدنا عثمان غنی شہید ہوئے یہ محمد بھی باغیوں کے ساتھ آپ کے گھر میں داخل ہوا، قتل کی نیت سے آپ کی ریش مبارک پکڑی، مگر ان کے غیرت دلانے پر خود تو ہٹ گیا لیکن اس کے ساتھیوں نے خلیفہ مظلوم کو شہید کر دیا۔ جنگ جمل میں حضرت علی کے ساتھ ہو کر جنگ کی۔ بعد ازاں مصر کا گورنر رہا، وہاں غیر جانب دار گروہ سے جو خربتا کے مقام پر مقیم تھا اس نے چھیڑ چھاڑ کی، جنگ ہوئی اور یہ مارا گیا۔ محمد کی موت نہایت عبرت ناک تھی، اس کے مخالفوں نے جس سے اس نے جنگ خود ہی خریدی تھی اسے لڑائی میں شکست دے کر فرار ہو جانے پر مجبور کر دیا، محمد نے ایک ویرانے میں پناہ لی، بھوک، پیاس اور خوف سے اس کا برا حال تھا، اس کے دشمنوں کو اس کا سراغ مل گیا، انہوں نے اسے گدھے کی کھال میں سی کر زندہ جلا دیا۔ اس نامراد موت کے بعد اس کے بیٹے قاسم اور بیٹی صفیہ کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے پاس مدینہ بلوا لیا اور اپنی نگرانی میں ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ قاسم کا شمار مدینہ کے فقہاء میں ہوتا ہے اپنے علم و فضل کی بناء پر انہیں آل صدیق اکبر میں نمایاں مقام حاصل ہے، انہوں نے ۱۰۱ھ میں انتقال کیا۔ قاسم کے بیٹے عبدالرحمٰن تھے جن کی نسل موجود ہے، ام فروہ نامی ایک بیٹی بھی ان کی تھی۔ ام فروہ کا نکاح محمد بن علی بن حسین ابن علی ابن ابی طالب سے ہوا۔ یہ محمد اثنا عشری شیعوں کے پانچویں امام ہیں۔ ام فروہ کے بیٹے امام جعفر صادق تھے۔ (۱۰)

حضرت اسماءؓ

حضرت ابوبکر صدیق کی بڑی صاحب زادی تھیں۔ ان کی ماں قتیلہ تھیں۔ یہ عبداللہ بن ابی بکر کی حقیقی بہن اور نہایت قدیم الاسلام تھیں۔ سفر ہجرت کے وقت آنحضرت ﷺ کا زادہ راہ انہیں نے اپنے پٹکہ (نطاق) سے باندھا تھا اور اس لئے ذات النطاقین کہلاتی

ہیں۔ ان کا نکاح حضرت زبیر بن عوام سے مکہ میں ہوا۔ بڑی طویل عمر پا کر ۷۲ھ میں مکہ میں انتقال کیا۔ ان کے بیٹوں میں حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عروہ بن زبیر وغیرہ اسلامی تاریخ میں اپنی سیاسی، مساعی اور علمی سرگرمیوں کے لئے نہایت مشہور ہیں۔ (۱۱)

حضرت عائشہؓ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ام رومان کے بطن سے مکہ میں ۶ھ نبوی میں پیدا ہوئیں، وہ حضرت عبدالرحمٰن کی حقیقی بہن تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے مکہ میں جب ان کا سن چھ یا سات سال کا تھا نکاح کیا، ہجرت کے بعد مدینہ میں نو سال کے سن میں رخصتی ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نو سال رہیں، اٹھارہ سال کی عمر میں بیوہ ہوئیں، ۵۸ھ میں لانبی عمر پا کر مکہ میں انتقال کیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علمی و روحانی فیوض و برکات و مآثر کے بیان کے لئے ایک الگ کتاب چاہئے۔ اردو میں مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے سیرت عائشہ پر نہایت عمدہ کتاب لکھی ہے۔ یہاں صرف اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ قرآن فہمی، روایت حدیث، فقہی مسائل کے استنباط و اجتہاد میں ام المومنین سرآمد روزگار تھیں۔ اس کے علاوہ طب، شعر فہمی اور خطابت میں بھی نمایاں حیثیت کی مالک تھیں۔ امت مسلمہ پر بالعموم اور مسلمان خواتین پر بالخصوص ان کے عظیم احسانات ہیں۔ (۱۲)

حضرت ام کلثومؓ

یہ حضرت ابوبکر صدیق کی سب سے چھوٹی صاحب زادی ہیں۔ حضرت حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ کے بطن سے اپنے والد کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ ام المومنین کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھیں۔ جوان ہوئیں تو حضرت طلحہ بن عبیداللہ سے بیاہی گئیں۔ ان سے متعدد تابعین نے حدیث روایت کی ہے۔ (۱۳)

”حواشی (باب سیزدہم)“

(۱) ابن سعد، ۳: ۱۹۸؛ طبری، ۳: ۴۱۹؛ اسد الغابہ، ۳: ۲۲۳ و ۲۲۴؛ ابن اثیر الکامل، ۲: ۲۸۷ و ۲۸۸

(۲) ابن سعد، ۳: ۱۹۹ و ۲۰۰؛ طبری، ۳: ۴۲۸ و ۴۲۹

(۳) ابن اثیر، الکامل، ۲: ۲۹۲ و ۲۹۳؛ طبری ۳: ۴۱۴

(۴) ابن سعد، ۳: ۲۰۴؛ طبری، ۳: ۴۲۱

(۵) ابن سعد، ۳: ۲۰۳: ۸: ۲۸۳ و ۲۸۴؛ طبری، ۳: ۴۲۰ـ۴۲۲

(۶) ابن سعد، ۳: ۱۹۲ـ۱۹۴؛ طبری ۳: ۴۳۲ و ۴۳۳

(۷) ابن سعد، ۸: ۲۷۶، ۲۸۰ـ۲۸۵؛ طبری، ۳: ۴۲۵ و ۴۲۶

(۸) ابن قتیبہ، المعارف صفحہ ۷۵ و ۷۶؛ اسد الغابہ، ۳: ۳۰۴ و ۳۰۵

(۹) ابن قتیبہ، المعارف صفحہ ۷۵ و ۱۰۸؛ اسد الغابہ ۳: ۱۹۹

(۱۰) ابن سعد، ۸: ۲۸۲، ۲۸۳، طبری ۴: ۲۹۲، ۳۴۶، ۵۵۵، ۵۵۷

(۱۱) المعارف، صفحہ ۷۵، اسد الغابہ ۵: ۳۹۳

(۱۲) مزید مطالعہ کی غرض سے سیرۃ عائشہؓ از سید سلیمان ندوی و کشف الغمہ از حکیم نیاز احمد ملاحظہ کریں

(۱۳) اسد الغابہ، ۵: ۶۱۱ و ۶۱۲

”اختتامیہ“

(۱) اَوّلیاتؓ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جو کام انجام دیے یا جو کارنامے سب سے اول ان کی ذات کے ساتھ وابستہ ہیں، انہیں ”اَولیات“ کہتے ہیں۔ اس موضوع پر ابو ہلال عسکری اور حافظ جلال الدین سیوطی نے کتابیں تالیف کی ہیں، نیز ابن جریر طبری نے تاریخ الرسل والملوک میں، سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے جا بجا جستہ جستہ ان ”اَولیات“ کو بیان کیا ہے۔ (۱) علامہ شبلی نعمانیؒ نے الفاروقؓ کے اخیر میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اَوّلیات کو یکجا تحریر کیا ہے۔ (۲) مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ نے ”صدیق اکبرؓ“ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اَولیات کو جمع کر دیا ہے۔ (۳) ہم بھی ان بزرگوں کی اتباع میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی اَوّلیات پر اپنی کتاب کو ختم کر رہے ہیں:۔

۱۔ سب سے پہلے اسلام لائے۔

۲۔ مکہ میں اپنے گھر کے سامنے سب سے پہلے مسجد بنائی۔

۳۔ مکہ میں رسول اکرم ﷺ کی حمایت میں سب سے پہلے کفار قریش سے قتال کیا۔

۴۔ اسلام کی راہ میں سب سے پہلے کثیر مال خرچ کیا اور جیشِ عسرت کے موقع پر تمام اثاثہ اللہ کی راہ میں دے دیا۔

۵۔ سب سے پہلے متعدد غلاموں اور باندیوں کو جو اسلام لانے کے جرم میں کفار کے ظلم و ستم کا شکار تھیں خرید کر آزاد کیا۔

۶۔ سب سے پہلے قرآن کریم کو ایک جلد میں جمع کیا۔

۷۔ سب سے پہلے انہوں نے قرآن کا نام مصحف رکھا۔

۸۔وہ سب سے پہلے جانشین رسول،خلیفہ ہیں۔

۹۔سب سے پہلے کسریٰ وقیصر کے خلاف جہاد کیا۔

۱۰۔رسول اللہ ﷺ کی حیات دنیوی میں سب سے پہلے امیر الحج مقرر ہوئے۔

۱۱۔رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں سب سے پہلے صلوۃ میں مسلمانوں کی امامت کی۔

۱۲۔اسلام میں سب سے پہلے بیت المال قائم کیا۔

۱۳۔اسلام میں سب سے پہلے خلیفہ ہیں جن کا مسلمانوں نے وظیفہ مقرر کیا۔

۱۴۔وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے اپنا جانشین نامزد کیا۔

۱۵۔وہ پہلے خلیفہ ہیں جن کی بیعت خلافت کے وقت ان کے والد حضرت ابوقحافہ عثمانؓ بقید حیات تھے۔

۱۶۔وہ پہلے شخص ہیں جنہیں اسلام میں کوئی لقب رسول اللہ نے عطاء فرمایا اور وہ لقب ''عتیق'' ہے۔

۱۷۔وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے فقہی مسائل کے استنباط کے لئے اصول اربعہ کو اساس بنایا۔

۱۸۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص ہیں جن کی چار پشتوں کو شرف صحابیت حاصل ہے، یعنی ان کے والد حضرت ابوقحافہ عثمانؓ، وہ خود، ان کے صاحب زادے حضرت عبدالرحمٰن بنؓ ابی بکرؓ اور ان کے پوتے حضرت محمدؓ بن عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اجمعین سب کے سب صحابی رسول ﷺ ہیں۔

ان اُولیات کے علاوہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے رفیق غار ثور، رفیق سفر ہجرت ورفیق عریش بدر ہیں اور دنیوی زندگی میں ان کی اس قربت پر اللہ تعالیٰ نے اس بات سے مہر تصدیق ثبت کردی کہ روضہ نبویؐ میں سب سے پہلے وہی رسول اکرم علیہ السلام کے ساتھ آسودہ لحد ہوئے۔

(۲)''حاصل بحث''

گزشتہ صفحات میں امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا اس سے مشہور شیعی مورخ محمد بن علی بن طباطبا المعروف با بن طقطقی کے مندرجہ ذیل خیالات کی عملی تفسیر وتوضیح ہوتی ہے:۔

انهادولة الم تكن من طرز دول الدنيا، وهي بالامور النبوية و الاحوال الاخروية اشبه، و الحق في هذا ان زيهاقد كان زي الانبياء، وهد يها هدى الاولياء، و فتوحها فتوح الملوك الكبار (۴)

(خلفاء راشدین) کی حکومت دنیوی حکومتوں جیسی نہ تھی۔ وہ نبوت کے امور اور آخرت کے احوال سے زیادہ مشابہ تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کا لباس انبیا کا لباس تھا، اس کی روش اولیا، اللہ کی روش تھی اور اس کی فتوحات عظیم الشان بادشاہوں جیسی تھیں۔

خلافت راشدہ کے پیش رو وسرخیل ہونے کے ناطے حضرت ابوبکر صدیق ان صفات کے جامع اور ان اوصاف کا کامل نمونہ تھے۔ ان کی آخری وصیت کے مطابق جب سرکاری سامان یعنی ایک حبشی غلام، ایک اونٹ اور پانچ درم قیمت کی ایک چادر ان کے جانشین سیدنا عمر فاروق کے حوالے کی گئی تو وہ رو پڑے اور بولے:۔

رحم الله ابابكر لقد اتعب من بعده تعبا شديداً

اللہ ابوبکر پر رحم کرے انہوں نے اپنے بعد آنے والوں کو بہت تھکا دیا۔(۵)

ان کے جانشینوں کی یہی کوشش رہی کہ ان کے طرز عمل کی پیروی کریں، ان کے اصول کی تقلید کریں اور اس ڈگر پر چلیں جو انہوں نے بنائی تھی۔ اسلام کے بطل جلیل سیدنا عمر فاروق کا پورا دور خلافت اس تھکا دینے والی روش اور مثالی سیرت کی اتباع میں گذرا اور ان کا خود ان کی نگاہ میں سب سے بڑا کمال یہی تھا کہ وہ اپنے بزرگ پیش رو کی روش پر گام زن رہے اور اس کاروبار حکومت کے تھکا دینے والے عمل سے سرخرو گزرے، کامیاب و کامران گزرے اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے ایک اور تھکا دینے والی روش اور تقلید کا

اعلیٰ نمونہ چھوڑ گئے۔

اسلام کی تاریخ میں رسول اکرم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت سب سے زیادہ پاک، سب سے بڑھ کر قابل احترام اور اپنے اعلیٰ کارناموں کی وجہ سے بہت زیادہ تاباں و درخشاں ہے۔ ان کی سیرت کا سب سے اہم پہلو ذات نبوت و رسالت سے ان کی غیر متزلزل عقیدت تھی، جو عشق کے درجہ تک پہونچی ہوئی تھی۔ یہی عشق نبویؐ انہیں ناموس رسالت کی حفاظت، دین اسلام کی نصرت و حفاظت اور امت محمدیہ کی فلاح و بہبود کے مقدس جذبات سے سرشار رکھنے کا سب سے بڑا سبب تھا۔ ارشاد نبوی کی تعمیل، منشائے رسالت کی تکمیل اور مرضی نبویؐ کی جستجو و تلاش ان کی زندگی کا مقدس نصب العین تھا۔ جسمانی اعتبار سے وہ کمزور تھے مگر ان کے اس نحیف جسم میں بلا کی قوت تھی، عزم کی، ارادے کی اور یقین محکم کی، اسی لئے وصال نبویؐ کے وقت عام سراسیمگی کے عالم میں، وہ ذرا پریشان نہ ہوئے اور اس عظیم سانحہ کے باوجود ان کا ہوش جوش پر اور عقل جذبات پر غالب رہی۔ فتنہ ارتداد کی کالی آندھی ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ لاسکی اور نہایت پامردی سے وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے، جیش اسامہ کی روانگی کے ملتوی کئے جانے کے مشورہ کو انہوں نے محض اس لئے نہ مانا کہ نبی کریم کے حکم کی خلاف ورزی ان کے لئے کسی صورت بھی ممکن نہ تھی۔ ان کی سیرت میں بلا کی نرمی تھی، ایسی نرمی جو محبوبیت کے درجہ تک پہونچی ہوئی تھی مگر اصول پر ان میں عزم و ارادہ کی پختگی اس حد تک تھی کہ بڑی سے بڑی آزمائش انہیں حق سے ہٹا نہ سکتی تھی۔ نرمی و سختی کا یہی امتزاج ان کی ذات کو پرکشش بنا دیتا ہے۔

درشتی و نرمی بہم درجہ بہ بہست (۶)

فراستِ ایمانی جو اہل ایمان کی خصوصیت ہے اور جسے مخبر صادق علیہ السلام نے نور الٰہی کا فیض قرار دیا ہے، سیدنا صدیق اکبر میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ مانعین و منکرین زکوٰۃ کے ساتھ نرمی برت کر وہ دین کے اس اہم رکن کو معطل کرنے میں آنے والی قباحتوں کو

دیکھ رہے تھے کہ کل کلاں کوئی گروہ صلوٰۃ یا صوم یا حج و جہاد سے پہلو تہی کر کے دین کو مزید بربادی سے دوچار کر سکتا تھا۔

ان کی فراست ایمانی کی سب سے بڑی مثال استخلاف عمر یعنی حضرت عمر فاروق کو اپنا جانشین اور اہل اسلام کا امام مقرر کرنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق لوگوں میں سب سے زیادہ صاحب فراست تھے کہ انہوں نے حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرت علی فرماتے تھے کہ یہ ابوبکر کی فراست ایمانی تھی کہ انہوں نے حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر کیا کہ وہی قوی و امین تھے۔ حضرت عمر فاروق ان کی حسنات میں سے ایک نیکی تھے۔ (۷)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تربیت و تعلیم میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ قبول اسلام کے بعد سے اپنی وفات تک وہ ہر نازک موقع پر اپنے لائق جانشین کی تربیت فرماتے رہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ہجرت سے پہلے مکہ میں مسلمانوں کے (۸) مابین بھائی چارے (مواخاۃ) کا رشتہ قائم کیا تو حضرت ابوبکر کے ساتھ حضرت عمر فاروق کو منسلک کیا۔ حدیبیہ کے موقع پر، وصال نبویؐ کے وقت، فتنہ ارتداد کے جاں گسل لمحات اور اخیر اخیر اپنی آخری علالت کے دوران میں وہ ان کی تربیت کرتے رہے اور اسی کا اثر تھا کہ ان میں سختی کے ساتھ نرمی، جذبات کی تندی و تیزی کے ساتھ ٹھہراؤ اور رچاؤ پیدا ہوا۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ حضرات عمر و عثمان کے زمانے کی ترقیاں، حضرت صدیق اکبر کی حکمت عملی کا نتیجہ اور ان کی خلافتیں ان کی خلافت کی فرع (شاخ) اور تسلسل تھیں۔ (۹)

بے نفسی، للٰہیت اور تواضع وہ عناصر ہیں جن سے ان کی سیرت کی تعمیر ہوئی۔ تسلیم و رضا، ترک لذات، خشیت الٰہی اور دنیا سے بے رغبتی ان کے کردار کے نمایاں اوصاف ہیں۔ فراست، معاملہ فہمی، بردباری اور مردان کار کے انتخاب میں ان کی ذات بے مثال ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ ہر چند کہ ان کا عہد خلافت مختصر ہے مگر اپنے کارناموں کی وجہ سے اسے

نہایت اہمیت حاصل ہے اوران کی ذات اپنی محبوبیت، ہر دل عزیزی، قوت فیصلہ اور مستقل مزاجی کے لئے سب سے نمایاں ہے۔ اسلامی تاریخ میں رسول سلام علیہ السلام کے بعد ان کی شخصیت سب سے زیادہ دل آویز، سب سے بڑھ کر محترم اور سب سے بلند و بالا ہے اسی لئے اس پر امت کا اجماع ہے کہ وہ انبیا کے بعد افضل الناس (لوگوں میں سب سے زیادہ صاحب فضیلت) ہیں۔

''حواشی''

(اختتامیہ کے بیشتر مندرجات کے حوالے کتاب کے مختلف ابواب میں درج کئے گئے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ کے دوران قارئین کرام کی نگاہوں سے وہ گزر چکے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کا اعادہ غیر ضروری سمجھا گیا ہے۔ ہاں، بعض مندرجات کے حوالے، جن کے بارے میں خیال ہے کہ ان کا ذکر ابواب سابق میں نہیں آیا ہے، یہاں ثبت کر دیئے گئے ہیں، ہر چند کہ ان کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی، لیکن بطور تائید مزید ان کا اعادہ، افادہ مزید کا باعث ضرور ہوگا)

(۱) طبری، ۳: ۴۱۹ و بعد؛ ابن اثیر، ۲: ۲۹۱؛ الاستیعاب، ۲: ۲۴۳ تا ۲۵۱؛ اسد الغابہ ۳: ۲۲۴؛ ابو ہلال عسکری، کتاب الاوائل، بیروت ۱۴۰۷ھ، ص ۹۴ تا ۱۰۲؛ سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۶۴ تا ۶۶

(۲) شبلی نعمانی، الفاروق، ص ۵۶۶ تا ۵۶۸

(۳) سعید احمد اکبر آبادی، صدیق اکبر، ص ۴۴۹

(۴) ابن طقطقی، الفخری، ص ۵۲

(۵) ابن سعد، ۳: ۱۹۲؛ طبری، ۳: ۴۳۳

(۶) مسلم، ۲: ۱۰۶؛ قرۃ العینین، ص ۸۲ تا ۸۵

(۷) تاریخ الخلفاء، ص ۶۷ و ۶۸

(۸) بلاذری، انساب الاشراف، ۱: ۲۷۰؛ ابن سعد، ۳: ۱۷۴

(۹) تاریخ الخلفاء، ص ۵۵

"کتابیات عمومی"

(اس فہرست میں بیشتر وہی کتابیں شامل ہیں، جن کے حوالے کتاب میں دیئے گئے ہیں۔ یہ کتب سہل الحصول اور بآسانی دست یاب ہیں اور قارئین کرام بوقت مطالعہ ان سے رجوع کر سکتے ہیں)

"الف"

القرآن الکریم

مصنف	کتاب	ناشر
آزاد، احمد، ابوالکلام	مسئلہ خلافت	داتا پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۷۸ء
آلوسی، شکری، محمود	بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب	مطابع دار الکتاب، قاہرہ ۱۳۴۳ھ
ابن تیمیہ، احمد، تقی الدین	منہاج السنۃ	المکتبۃ السلفیہ، لاہور ۱۳۹۶ھ
ابن حبیب، محمد	کتاب المحبر	مطبوعہ دار النشر الکتب الاسلامیہ، لاہور س۔ن
ابن حنبل، احمد امام	المسند	المیمنیہ مصر ۱۳۱۳ھ والمکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۱۴۰۵ھ
ابن خلدون، عبدالرحمٰن، محمد	المقدمہ	المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر (س ن)
	کتاب العبر الخ	المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر (س ن)
ابن رشیق قیروانی، حسن، ابو علی	کتاب العمدہ	المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر ۱۳۷۴ھ
ابن سعد، محمد	الطبقات الکبریٰ	دار صادر، بیروت ۱۹۵۷ھ

مصنف	کتاب	ناشر
ابن سلام، قاسم، ابوعبید	کتاب الاموال	المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، قاہرہ ۱۳۵۳ھ
ابن طقطقی، محمد بن علی	الفخری فی الآداب السلطانیہ	المطبعۃ الرحمانیہ، مصر ۱۳۴۵ھ
ابن ماجہ محمد بن یزید۔ ابوعبداللہ	السنن لابن ماجہ	اصح المطابع، کراچی (س ن)
ابن منظور محمد بن مکرم۔ جمال الدین	لسان العرب	نشر ادب الحوزہ، قم ایران ۱۴۰۵ھ
ابن ہشام، عبدالملک، ابومحمد	السیرۃ النبویۃ	المکتبۃ الفاروقیہ، ملتان ۱۳۹۷ھ
ابوالفداء، اسماعیل بن علی	المختصر فی اخبار البشر	المطبعۃ الحسینیہ، مصر ۱۳۲۵ھ
ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم	کتاب الخراج	المکتبۃ السلفیہ، مصر ۱۳۸۲ھ
اشعری، ابوالحسن، امام	مقالات الاسلامیین	مطبوعہ استنبول ۱۹۳۰ء
اصفہانی، راغب، امام	المفردات فی غریب القرآن	اصح المطابع، کراچی (س۔ن)
اکبر آبادی، سعید احمد، مولانا	صدیق اکبرؓ	ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۶۱ء
امین، احمد	فجر الاسلام	مکتبۃ النہضۃ المصریہ، مصر ۱۹۶۵

"ب"

مصنف	کتاب	ناشر
الباقی، عبد فواد، محمد	المعجم المفہرس لالفاظ القرآن کریم	سہیل اکیڈمی، لاہور ۱۳۹۵ھ
بخاری، محمد بن اسماعیل، امام	الجامع الصحیح	اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ
بغدادی، عبدالقاہر بن طاہر، ابومنصور	اصول الدین	دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۰ھ

ایضاً	الفرق بین الفرق	مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۸ھ
بلاذری، احمد، بن یحیٰ بن جابر	انساب الاشراف	دارالمعارف، مصر ۱۹۵۹ء
	فتوح البلدان	مطبعۃ السعادۃ، قاہرہ ۱۹۵۹ء

"پ"

پانی پتی، حسنین، غلام، (چراغ علی)	تحقیق الجہاد (ترجمہ اردو)	نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۷ء

"ت"

تبریزی، محمد بن عبداللہ، - ولی الدین	مشکوٰۃ المصابیح	اصح المطابع لکھنؤ، ۱۳۱۹ھ
ترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابوعیسیٰ	الجامع للترمذی	اصح المطابع، کراچی، (س-ن)

"ج"

الجاحظ، عمرو بن بحر، ابوعثمان	البیان والتبیین	مطبوعہ دار صعب، بیروت ۱۹۶۸ء
الجزری، ابن اثیر علی بن - محمد، ابوالمکارم	اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	المطبعۃ الوہبیہ مصر ۱۲۸۰ھ وبولاق مصر ۱۲۸۲ھ
ایضاً	الکامل فی التاریخ	دارالکتاب العربی، بیروت ۱۳۸۷ھ
الجزری، ابن اثیر، مبارک - بن محمد، ابوالسعادات	النہایۃ فی غریب الحدیث - والاثر	قم، ایران، ۱۳۶۴ھ ش

جمیل الرحمٰن (گائی لی اسٹرینج)	جغرافیہ خلافت مشرقی (ترجمہ اردو)	عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد ۱۹۳۰ء
الجہشیاری، محمد بن عبدالدوس، ابوعبداللہ	کتاب الوزراء والکتاب	مصطفیٰ بابی حلبی، قاہرہ ۱۹۳۸ء

"ح"

حسن، ابراہیم، حسن	تاریخ الاسلام السیاسی	مطبعۃ النہضۃ العربیہ، قاہرہ ۱۹۶۴ء
حمیداللہ، محمد، پروفیسر	رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی	دارالاشاعت، کراچی ۱۳۸۰ھ
ایضاً	عہدِ نبویؐ کے میدان جنگ	اتحاد پبلی کیشنز، لاہور (س-ن)
ایضاً	عہدِ نبویؐ میں نظام حکمرانی	اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی، ۱۹۸۱ء

"خ"

خضری، محمد، شیخ	تاریخ التشریع الاسلامی	المکتبہ التجاریۃ الکبریٰ، قاہرہ ۱۹۶۰ء
ایضاً	محاضرات فی تاریخ الامم الاسلامیہ	ایضاً ۱۹۷۰ء

"د"

داناپوری، عبدالرؤف، مولانا	اصح السیر	اصح المطابع، کراچی (س-ن)
دمشقی، ابن کثیر، اسماعیل بن عمر ابوالفداء	البدایۃ والنہایۃ	المکتبہ القدوسیہ، لاہور ۱۹۸۴ء

ایضاً	تفسیر القرآن العظیم	دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۸۸ھ
دینوری، ابن قتیبہ، عبداللہ بن مسلم، ابومحمد	عیون الاخبار	الموسسۃ المصریہ ۱۹۶۳ء
ایضاً	المعارف	اصح المطابع، کراچی ۱۹۷۶ء
دینوری، احمد بن داؤد، ابوحنیفہ	الاخبار الطوال	مطبوعہ لائیڈن، ۱۸۸۸ء

"ذ"

ذہبی، محمد بن احمد، ابوعبداللہ، شمس الدین	تاریخ الاسلام	مکتبۃ القدس، قاہرہ ۱۳۶۷ھ

"ر"

رازی، فخر الدین، امام	التفسیر الکبیر	مطبوعہ تہران (س ن)
رومی، شہاب الدین، ابو عبداللہ، یاقوت حموی، بغدادی	معجم البلدان	مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت (س ن)
زبیدی، واسطی، حسینی، مرتضیٰ، محمد، سید	تاج العروس من جواہر القاموس	المطبعۃ الخیریہ، قاہرہ ۱۳۰۶ھ
زمخشری، جار اللہ، محمود بن عمر	تفسیر الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل	دار الکتاب العربی، بیروت ۱۳۶۶ھ
زیدان، جورجی	تاریخ التمدن الاسلامی	دار المعارف، قاہرہ ۱۹۵۸ء
ایضاً	آداب اللغۃ العربیہ	ایضاً

"س"

سجستانی، سلیمان ابن اشعث، ابوداؤدؒ	سنن ابی داؤد	مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ سنز، کراچی ۱۳۸۷ھ
سرہندی، احمد، شیخ، مجدد الف ثانی، امام ربانیؒ	مکتوبات امام ربانی	ایلیکٹرک پریس، امرتسر، ۱۳۳۶ھ
سہیلی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ	الروض الانف	المکتبۃ الفاروقیہ، ملتان، ۱۳۹۷
سیوطی، عبدالرحمٰن، جلال الدین	الاتقان فی علوم القرآن	مطبوعہ مصطفیٰ البابی حلبی، مصر ۱۳۵۱ء
ایضاً	تاریخ الخلفاء	اصح المطابع، کراچی (س۔ن)

"ش"

شعرانی، عبدالوہاب بن احمد	الطبقات الکبریٰ	مطبوعہ مصطفیٰ البابی حلبی مصر ۱۳۷۳ھ
شہرستانی، محمد بن عبدالکریم، ابوالفتح	الملل والنحل	مطبوعہ مصطفیٰ البابی حلبی، مصر ۱۳۸۱ھ
شیروانی، حبیب الرحمٰن، صدر یار جنگ	سیرت الصدیقؓ	مطبوعہ گوشہ ادب، لاہور ۱۹۵۴ء

"ص"

صالح، صبحی	علوم الحدیث ومصطلحہ	مطبوعہ جامعۃ دمشق، ۱۳۷۹ھ
ایضاً	مباحث فی علوم القرآن	دار العلم للملایین، بیروت ۱۹۶۸ء
ایضاً	النظم الاسلامیہ	ایضاً ۱۹۶۵ء

صفوۃ، ذکی، احمد — جمہرۃ خطب العرب — مطبوعہ مصطفیٰ البابی حلبی، مصر ۱۳۵۳ھ

"ط"

طائی، حبیب بن اوس، ابوتمام — دیوان الحماسہ — مطبوعہ جمالیہ، مصر ۱۹۱۶ء

طبری، احمد بن عبداللہ، محب الدین — الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ — دار التالیف، مصر ۱۹۵۳ء

طبری، محمد بن جریر، ابوجعفر — تاریخ الرسل والملوک — دار المعارف، مصر ۱۹۶۲ء وبعد

طوسی، سراج، ابونصر — کتاب اللمع فی التصوف — مطبوعہ لائیڈن بتصحیح پروفیسر نکلسن ۱۹۱۴ء

"ع"

العزیز، عبد، شاہ، امام — تحفہ اثنا عشریہ — سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۳۹۵ھ

عسقلانی، ابن حجر، احمد، شہاب الدین — الاصابہ فی تمییز الصحابہ — مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۲۸ھ

ایضاً — فتح الباری فی شرح صحیح البخاری — مطبعۃ النہضۃ المصریہ، مصر ۱۳۴۸ھ

عینی، محمود بن احمد، ابومحمد، بدرالدین — عمدۃ القاری، فی شرح صحیح البخاری — مطبوعہ استنبول، ۱۳۰۸ھ

العسکری، ابوہلال — کتاب الاوائل — دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

"ف"

فرید آبادی، ہاشمی، سید، (قلپ خوری حلبی) — تاریخ ملت عربی (ترجمہ اردو) — انجمن ترقی اردو، کراچی ۱۹۵۴ء

فیروز آبادی، مجد الدین — القاموس المحیط — مطبعۃ مصطفیٰ البابی حلبی، مصر ۱۳۷۲ھ

"ق"

قدوری، ابوالحسن، امام — مختصر القدوری — مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۲۱ھ

قرشی، یحییٰ بن آدم — کتاب الخراج — المکتبۃ العلمیہ، لاہور ۱۳۹۵ھ

قرطبی، ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، ابوعمر — الاستیعاب فی اسماء الاصحاب — مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۳۲۸ھ (برحاشیہ اصابہ)

قشیری، عبدالکریم، ابوالقاسم — الرسالۃ — مطبعۃ مصطفیٰ البابی حلبی، مصر ۱۹۵۹ء

قشیری، مسلم بن حجاج، ابوالحسین — الجامع الصحیح — اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ

"ک"

کراروی، نجم الحسن، سید، مولانا — چودہ ستارے — امامیہ کتب خانہ، لاہور ۱۳۹۳ھ

کلینی، رازی، محمد بن یعقوب، ابوجعفر — الکافی (الاصول) — مطبوعہ تہران، ۱۳۸۸ھ

ایضاً — الکافی (الروضہ) — مطبوعہ تہران، ۱۳۸۹ھ

کوفی، ابن اعثم، احمد، ابومحمد — کتاب الفتوح — مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۶ھ

"ل"

لاری، محب اللہ (حسن ابراہیم وعلی ابراہیم) — مسلمانوں کا نظام حکمرانی (ترجمہ اردو) — مکتبہ ایوان اشاعت کراچی ۱۹۵۲ء

"م"

مالک، ابن انس، الاصبحی، امام — کتاب الموطاء — اصح المطابع، کراچی (س ن)

ماوردی، علی بن محمد، ابوالحسن — الاحکام السلطانیۃ — مطبعۃ مصطفیٰ بابی حلبی، قاہرہ ۱۳۸۱ھ

مجلسی، باقر، ملا — بحار الانوار — مطبوعہ، تہران ۱۳۰۲ھ۔۱۳۱۵ھ

مسعودی، علی، ابوالحسن — التنبیہ والاشراف — مکتبۃ الشرق الاسلامیہ، قاہرہ ۱۹۳۸ء

ایضاً — مروج الذہب ومعادن الجوہر — مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۹۶۴ء

مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، مولانا — اسلامی ریاست — اسلامک پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۷۶ء

ایضاً — تفہیم القرآن — ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۱۹۷۳ء

ایضاً — سیرت سرور عالم — ایضاً ۱۹۷۸ء

موسیٰ، یوسف، حسین (باشتراک عبدالفتاح صعیدی) — الافصاح — مکتبۃ الاعلام الاسلامی، قم ۱۴۰۴ھ

"ن"

ندوی، سلیمان، سید، مولانا — ارض القرآن — دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۲۳ء

ایضاً — سیرت عائشہؓ — اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۶۷ء

ایضاً — سیرت النبیؐ (سوم ہفتم) — دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۳۷۱ھ

ندوی، معین الدین احمد، شاہ — تاریخ اسلام — ایضاً ۱۳۸۲ھ

ندوی، معین الدین، حاجی — خلفائے راشدین — ایضاً ۱۳۷۴ھ

نعمانی، شبلی، علامہ — سیرت النبیؐ (حصہ اول و دوم) — ایضاً ۱۳۷۱ھ

ایضاً — الفاروق — سلطان حسین اینڈ سنز، کراچی، (س۔ن)

نوشہروی، خان، امام (پروفیسر حمید اللہ) — سیاسی وثیقہ جات (ترجمہ اردو) — مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۶۰ء

نسائی، احمد بن شعیب — سنن النسائی — مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۱۵ھ

"و"

واحدی، ابن احمد — اسباب النزول — مطبعہ امیر قم، تہران ۱۳۶۲ھ ش

واقدی، محمد بن عمر، ابوعبداللہ — فتوح الشام — مطبعہ مصطفیٰ بابی حلبی، قاہرہ ۱۳۷۳ھ

ولی اللہ، شاہ، امام — ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء — سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۳۹۶ھ

ایضاً — شرح تراجم ابواب البخاری (مشمولۃ الجامع الصحیح للبخاری) — اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ

ایضاً — قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین — مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۱۰ھ

ایضاً — المسوی مع المصفی — اسلامی کتب خانہ، کراچی، (س ن)

ایضاً — حجۃ اللہ البالغہ — المکتبہ السلفیہ، لاہور، ۱۳۹۵ھ

"ہ"

ہجویری، علی بن عثمان، شیخ — کشف المحجوب — رفاہ عام پریس، لاہور، ۱۹۳۱ء

ہندی، متقی علی — کنز العمال — دائرۃ المعارف، حیدرآباد (دکن) ۱۳۱۲ھ

ہیکل، حسین، محمد، — حیات محمد ﷺ — قاہرہ ۱۳۵۸ھ

ہیکل، حسین، محمد، — الصدیق ابوبکرؓ — قاہرہ ۱۳۶۱ھ

"ی"

یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب — تاریخ الیعقوبی — دار صادر، بیروت ۱۹۶۰ء

نوٹ:۔

انگریزی کتابوں کی فہرست اس لئے شامل نہیں کی گئی ہے کہ وہ بنیادی مآخذ نہیں ہیں اور ان کی ثقاہت محل نظر سے اس کے باوجود جہاں ضروری سمجھا گیا ہے ان کے حوالے دیئے گئے ہیں اور ان کے سال اشاعت کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

12۔ عہد اموی میں سیاسی و مذہبی احزاب (الشیعہ) جولیس ولہاوزن

(مترجم: پروفیسر علی محسن صدیقی) 100/-

13۔ سندھ جی فتح، احمد بن یحیٰ بن جابر البلاذری

(سندھی ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر نواز علی شوق) 30/-

14۔ تاروں پہ لکھے نام (خاکے)	امراؤ طارق	150/-
15۔ اسلامی روایات کا تحفظ	ڈاکٹر جمیل واسطی	100/-
16۔ ڈھونڈو گے انہیں (خاکے)	ڈاکٹر کبیر احمد جائسی	
17۔ تفسیر سورۃ ھود	شہر یار بانو	60/-
18۔ الصدیق	پروفیسر علی محسن صدیقی	350/-

قرطاس

پوسٹ بکس نمبر 8453، کراچی 75270

فون/فیکس: 9243966، ای میل: szaheer@super.net.pk